# اقبال اور امر بہائی

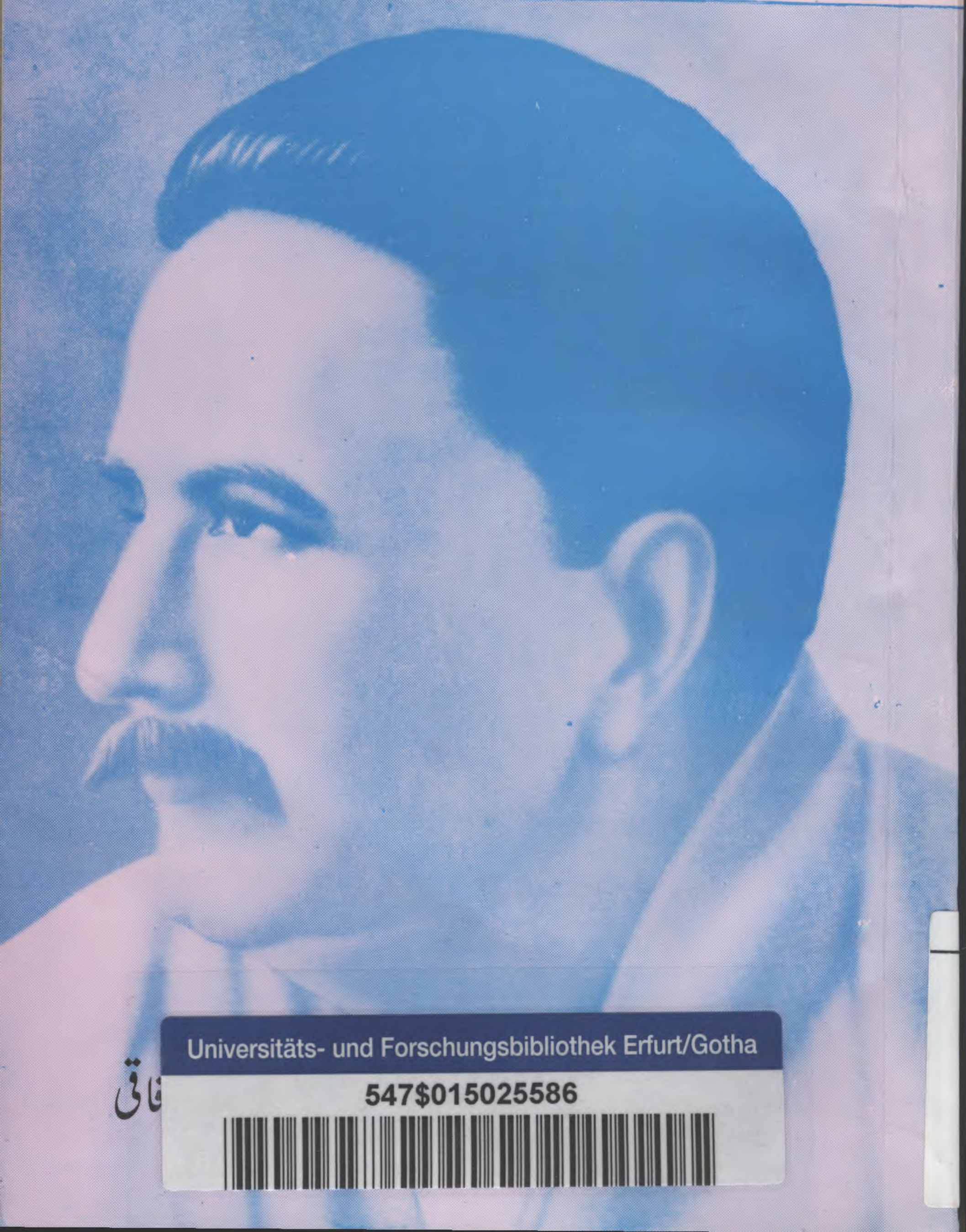

اقی

Universitäts- und Forschungsbibliothek Erfurt/Gotha
547$015025586

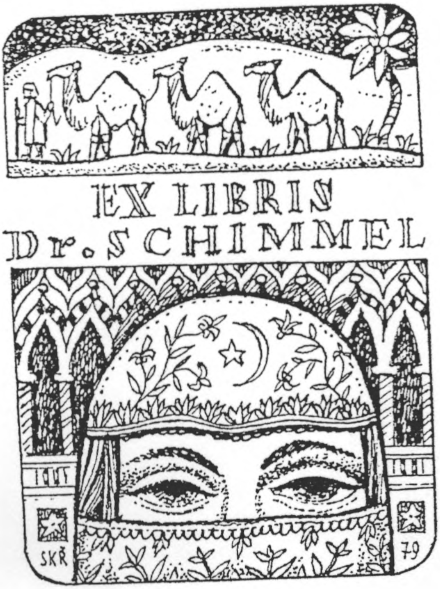
EX LIBRIS
Dr. SCHIMMEL
SKŘ
79

# اقبال اور امر بہائی

6/5/2002

ڈاکٹر صابر آفاقی

h
IMAG/612818
Universitäts- und Forschungsbibliothek Erfurt/Gotha
2014/001346

اب

ت علاّمہ اقبالؒ کے دوست ایرانی عالم، ادیب
شاعر جناب میرزا محمود زرقانی کے نام

# اقبال کا نیا مطالعہ

## ترتیب مضامین


| | | صفحہ |
|---|---|---|
| حرف شیریں | | الف تا ز |
| مقدمہ | ڈاکٹر این میری شمل | ۱_۱۴ |
| باب اوّل | پس منظر | ۱۵_۲۹ |
| باب دوم | امر بہائی پاکستان میں | ۳۱_۴۰ |
| باب سوم | امر بہائی سے اقبال کی آشنائی | ۴۱_۸۹ |
| باب چہارم | قیامت | ۹۱_۱۰۸ |
| باب پنجم | رجال اقبال (الف) | ۱۰۹_۱۶۲ |
| باب ششم | رجال اقبال (ب) | ۱۶۳_۲۰۸ |
| باب ھفتم | "البیان" کا مطالعہ | ۲۰۹_۲۲۳ |
| باب ھشتم | چند غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ | ۲۲۵_۲۸۵ |
| باب نہم | اقبال کا تصور تجدد حیات | ۲۸۷_۳۰۱ |
| باب دھم | کیا اقبال کسی نئے ظہور کے منتظر تھے ؟ | ۳۰۳_۳۴۷ |
| باب یازدھم | چند مماثلتیں | ۳۴۹_۳۷۲ |
| فہرست ماخذ | | ۳۷۳_۳۷۷ |

## حرف شیریں

میں اقبال کو زنبور عسل سے تشبیہ دوں گا جو ہزاروں گلہائے تازہ کی شیرینی و خوشبو کو سمیٹتا ہے اور پھر اپنی حکمت خداداد سے شہد ناب تخلیق کر کے انسان کے لئے لذت کام و دھن کا سامان فراہم کرتا ہے۔ اقبال کے ہاں عسل سازی کا یہ عمل اس ہوشیاری و دانائی سے انجام پاتا ہے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کس پھول سے کون سا رنگ اور کس کلی سے کون سی خوشبو حاصل کی گئی۔

اقبال نے دنیا بھر کے فکر و فلسفہ اور شعر و ادب کا مطالعہ کیا اور شرق و غرب کی شخصیات کے افکار و نظریات سے استفادہ فرمایا۔ اقبال کا مطالعہ بیحد وسیع اور مشاہدہ بے انتہا عمیق تھا۔ ایک سچا مسلمان ہوتے ہوئے اس کے قلب و نظر کی وسعت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اقبال زاھد تنگ نظر نہ تھا، فیلسوف و سیع القلب تھا۔ وہ زندگی بھر ''ضالۃ المومن'' کا جویا اور ''خیر کثیر'' کا متلاشی رہا، اسے نہ کسی نظریے سے بے جا نفرت تھی نہ کسی عقیدے سے بے جواز محبت۔ اس کا مذہب آپس میں بیر رکھنا نہ سکھاتا تھا۔ اقبال اسلام کو گلستان مذاہب ہی کا ایک شگفتہ گلاب اور آفتاب وحدت ہی کی ایک کرن سمجھتا تھا۔

اقبال ارتقائے انسانی کا قافلہ سالار اور صبح انقلاب کا موذن تھا۔ وہ ستاروں سے آگے کے جہانوں کا رمز آشنا اور منزل کرات کا مسافر تھا۔

نظر کی یہی وسعت اور فکر کی یہی رفعت اقبال کو شاعر انسانیت بناتی اور اسے قیود و حدود سے ماوراء مقام پر لا کھڑا کرتی ہے۔ اقبال کا میدان تخصص فلسفہ و دین تھا۔ اس نے مشرق و مغرب کے مکاتب و مذاہب کے ساتھ ساتھ بابی۔ بہائی دین کا مطالعہ کیا تھا اور وہ اکثر نجی محفلوں میں بہائی فلسفہ و تعلیمات پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ جو حضرات دن رات اقبال کی صحبتوں میں بیٹھتے اور

ان کی گفتگوؤں کو زینت قرطاس بناتے رہے ان میں سے کسی کو یہ توفیق نصیب نہ ہوئی کہ وہ ان محاضرات و مکالمات کو قلم بند کر لیتا جن کا تعلق اس دین جدید سے تھا۔ اقبال کو دراصل ایسے ہی "ارادتمندوں" نے یرغمال بنا رکھا تھا جو اپنا قد کاٹھ اونچا کرنے کی غرض سے اس قد آور شخص کے قد میں کوتاہی لانے کی کوشش نامطلوب میں مصروف رہے۔ وجہ کچھ بھی ہو۔ میرے نزدیک ان حضرات کی اقبال کو "چلمن" میں رکھنے کی پالیسی کتمان حق کی بدترین مثال سمجھی جائے گی۔

اقبال نے اپنے کلام اور نثری تحریروں میں امر بہائی کا ایجابی انداز میں ذکر کیا ہے۔ جہاں کہیں وہ مثبت رائے کا اظہار نہ کر سکے وہاں شاید انہی تنگ نظر "شیدائیان اقبال" کی تدبیروں کا عمل دخل رہا ہو۔ جو آئے دن اس نوخیز و ناشناختہ دینی تحریک کی حقیقت و مقاصد کے بارے میں اقبال کے ذھن میں بدگمانیاں پیدا کرتے رہتے تھے۔

"اقبال کا نیا مطالعہ" - پیش کرنے کا خیال مجھے کس طرح آیا؟ اس کا پس منظر یہ ہے کہ معروف بہائی شاعر اور صحافی جناب علامہ محفوظ الحق علمی میری ملاقاتوں کے دوران اکثر اوقات اقبال سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا کرتے اور وہ اشعار بھی سناتے جن میں بہائی تعلیمات کا انعکاس ہوا ہے۔ دو ایک ملاقاتوں میں نامور صحافی مرحوم وقار انبالوی نے بھی اقبال اور امر بہائی سے متعلق میری معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ ان بزرگوں کی گفتگوؤں نے برسوں پہلے میرے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ میں اس اچھوتے موضوع پر تحقیقات کروں۔

آپ یہ جان کر حیران رہ جائیں گے کہ کچھ تو مصروفیت کے باعث اور کچھ ناملائمات زیست کے سبب میں اس خیال کو مدت مدید تک جامۂ عمل نہ پہنا سکا۔

تاہم تائید ایزدی سے ۱۹۹۵ء میں مجھے تحقیقی مقالہ - "اقبال اور امر بہائی" کے نام سے شائع کرنے میں کامیابی نصیب ہو گئی۔ یہ مقالہ پاکستان اور بھارت کے متعدد معروف اقبال شناسوں کی خدمت میں ڈاک کے ذریعے بھیجا گیا۔ توقع یہ تھی کہ یہ حضرات خاکسار کو اپنی قیمتی آرا و تجاویز سے مستفید ہونے کا موقع دیں گے۔ یہ میرا حق تھا۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ بہت کم نے میری آرزو کی آبرو رکھی۔ یہ ان کا حق تھا۔

ہاں دو چار اصحاب نے کمال محبت و شفقت سے مجھے مشورہ دیا کہ میں مزید تحقیق

کروں اور اس کلی کو پھول بنادوں۔

آج میں انہی مشوقین گرامی کی خواہش کے احترام میں یہ کتاب پیش کر رہا ہوں جو اقبالیات میں کوئی اضافہ کرے نہ کرے۔ اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہونے کے سبب "فضل تقدم" کی حامل ضرور ٹھہرے گی۔

مجھے یہ توقع رکھنی چاہئے کہ اقبال کو پڑھنے اور پڑھانے والے اصحاب علم و دانش میری اس حقیر سی سعی کو 'سعی مشکور' سمجھیں گے۔ کہ میں نے "ہزارۂ دوم" کے اس عظیم شاعر فیلسوف کے دانستہ طور پر "چھپائے ہوئے" ایک گوشہ فکر سے نقاب اٹھانے کی ہمت کی ہے۔

میرے نزدیک اقبال مظلوم ترین شاعر ہے کہ اس کے "دوست نما دشمن" کبھی طرح طرح کی تعبیریں اور بھانت بھانت کی تفسیریں کر کے اور کبھی گوناگوں تضادات ڈھونڈ ڈھونڈ کر کلام اقبال کو "چیستاں" بناتے رہے ہیں۔

یہ وضاحت کر دوں کہ کسی صاحب کو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ خدانخواستہ میں نے اقبال کو بہائی بنانے کی کوشش کی ہے۔ ہرگز نہیں۔ غنی اور مستغنی اللہ کا کام اور کلام بندوں کی تحسین و آفرین کا محتاج کہاں! میرا مقصد تو فقط اتنا ہے کہ امر بہائی کے بارے میں اقبال کے خیالات پیش کر دوں۔ منفی بھی اور مثبت بھی۔ البتہ یہ سعی ضرور کی ہے کہ جہاں جہاں اقبال کو کوئی غلط فہمی ہوئی تھی اس کا ازالہ کر دیا جائے۔ ایسا کرنے میں اقبال کے احترام میں اضافہ ہی ہوگا۔ کمی نہ ہوگی۔

احمدی محققین کو اگر اقبال سے یہ گلہ ہے کہ اس نے ۱۹۳۵ء میں "تعلقات" سے اعلان برأت کر دیا تھا تو میں اقبال کا متشکر ہوں کہ آپ عمر کے آخری حصے میں امر بہائی کے نزدیک تر آگئے تھے۔ بلکہ جماعت احمدیہ کو یہ نصیحت بھی کر گئے کہ اسے اپنے اصل مرجع و ماخذ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور ایسا کرنا ہی پڑے گا۔ مراجعت کے آثار اس صدی کے تیسرے عشرے میں ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے جب سید محفوظ الحق علمی (علی گڑھ)، مہر محمد خاں شہاب (پنجاب)، مولوی محمد عبداللہ وکیل (کشمیر)، مولوی فضل دین (قادیان)، سید کرامت علی شاہ (جموں) اور چوہدری عبدالرحمٰن (سیالکوٹ) جیسے

معروف و مشہور احمدی علماء احمدیت کے دشت بے آب و گیاہ سے نکل کر امر بہائی کے سرسبز و شاداب گلستان محبت میں آگئے تھے۔ مراجعت کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور میں اپنی بصیرت سے کہہ سکتا ہوں کہ اکیسویں صدی میں مختلف ممالک میں بسنے والی احمدیہ جماعتیں امر بہائی کے حصن حصین میں ہی پناہ ڈھونڈیں گی۔ کیونکہ کوئی فرقہ اپنے مخصوص فلسفہ و تعلیمات اور احکام و تشکیلات کے بغیر اپنے وجود کو قائم و برقرار نہیں رکھ سکتا۔ تاریخ نے ہمیں یہی سبق دیا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت اقبال جیسے شہرۂ آفاق فیلسوف کے ذھن میں امر بہائی کے بارے میں چند غلط فہمیاں کیسے پیدا ہو گئیں؟ جہاں تک اس فقیر نے غور کیا ہے ان اشتباہات کے اسباب چار ہو سکتے ہیں۔

۱۔ اقبال کا رابطہ ۱۹۰۸ء کے بعد بہائی علماء سے ٹوٹ گیا تھا ان برسوں کے دوران امر اللہ کے مخالفین طرح طرح کے بے اساس قصے اور خود ساختہ داستانیں اقبال تک پہنچاتے رہے ممکن ہے اس سے آپ کا حسن نظر متاثر ہوا ہو۔

۲۔ ۱۹۰۸ء۔ ۱۹۲۵ء کے عرصہ میں اقبال ایک تو متعدد سیاسی، علمی اور سماجی تحریکوں میں متحرک رہے اور دوسرے عزت و احترام کے ایسے مقام پر فائز ہو چکے تھے کہ آپ غالباً امر بہائی کے بارے میں کسی مثبت رائے کے اظہار میں محتاط ہو گئے تھے۔

مرا ز پردگیان جہان خبر دادند

ولی زبان نکشایم که چرخ کج رفتار است

(اقبال)

۳۔ ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بے بنیاد و متضاد دعاوی اور سماج دشمن نظریات نیز ان کے پیروں کی زیر زمین سیاسی سرگرمیوں نے اقبال کے ذھن کو اس قدر مسموم و بدگمان کر دیا کہ امر اللہ کا آئینہ شفاف بھی ان کی نظر میں دھندلا پڑ گیا تھا۔ موعود کل ادیان حضرت بہاء اللہ کے دعویٰ و منصب اور کلام و پیغام کے مقابلے میں مرزا صاحب قادیانی کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی "بانگ دھل" کا مطالعہ کرے تو "بانگ درا" کو بھی اسی پایہ کی شاعری سمجھنے لگے۔ اقبال ہی کے بقول

ہزار خیبر و صدگونہ اژدر است اینجا

نہ ہر کہ نان جوین خورد، حیدری داند

۴۔ سوئے تفاہم کی ایک وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اقبال تک بانیان امر بہائی کا مکمل عربی و فارسی کلام نہ پہنچ سکا اور آپ ظہور مبارک کے مقصود و مدعا کا کماحقہ ادراک نہیں کرپائے تھے۔

بہر صورت ان مشکلات کے باوجود اقبال نے امر بہائی کو جتنا کچھ سمجھا اور جس قدر بہائی علماء سے ملاقاتوں کے دوران سنا اس کا جو انعکاس آپ کے افکار و نظریات میں ملتا ہے اس سے شاید ہی کوئی انکار کر سکے۔

اقبال نے امن عالم، روحانیت، اخوت انسانی، عالمی تمدن، قیامت، احیائے اقوام، او ارتقائے بشر سے متعلق جن نظریات کی ترسیل و تبلیغ کی بہائی لٹریچر کا اصل موضوع یہی نظریات ہیں۔ زیر نظر تالیف کے شروع میں اقبال کے افکار کے پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پاکستان میں امر بہائی کی دعوت کب اور کیسے پہنچی؟ یہ تحقیق کا دلچسپ موضوع ہے جس کی ایک جھلک یہاں دکھائی گئی ہے۔ اقبال امر بہائی سے کیسے متعارف ہوئے؟ اس کی تفصیل بھی آپ کو ملے گی۔ قیامت کا بہائی تصور اس غرض سے پیش کیا گیا ہے تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ اقبال نے آدم نو کے تولد اور جہان جدید کی پیدائش سے متعلق خیالات کہاں سے اخذ کئے تھے۔ رجال اقبال (الف) میں بہائی علماء کا ذکر ملے گا جو اقبال سے ملاقاتیں کرتے اور تعلیمات بہائی سے ان کو روشناس کراتے رہے۔ رجال اقبال (ب) میں ان حضرات کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کا شمار اقبال کے احباب میں ہوتا ہے اور جو امر بہائی کے محب بھی تھے۔

اقبال نے "البیان" کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کتاب شریعت کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔

اقبال کے ذہن میں امر بہائی کے مخالفین نے طرح طرح کے شکوک پیدا کر دیئے تھے لہذا یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے حقیقت کو بے نقاب کر دیا جائے۔

تجدد حیات، اقبال کا خاص موضوع تفکر رہا ہے۔ اقبال کے فلسفہ تجدد و ارتقاء پر

بحث بھی آپ کو اس تالیف میں ملے گی ۔ اس موضوع پر اقبال کے فارسی و اردو کلام سے اشعار کا انتخاب بھی دیا گیا ہے۔ معروف اقبال شناس محترم ڈاکٹر صابر کلوروی کے مشورے پر ڈاکٹر این میری شمل کے مقالہ کا اردو ترجمہ بطور مقدمہ دیا جارہا ہے۔

کیا اقبال کسی نئے ظہور کے منتظر تھے ؟ اس اہم سوال کا جواب کلام اقبال سے ہی تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فکر اقبال اور تعلیمات بہائی میں مماثلتوں اور مشابہتوں کا موضوع بے حد اہمیت رکھتا ہے جس پر مکمل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ لیکن یہاں جستہ جستہ مماثلتوں کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ کتاب میں پیش کئے گئے عربی و فارسی اقتباسات نظم و نثر کا اردو ترجمہ اس اعتماد اور حسن ظن کے پیش نظر نہیں دیا گیا کہ اقبال کو پڑھنے والے یہ زبانیں تو جانتے ہی ہوتے ہیں۔

میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب رہا ہوں ؟ اس کا فیصلہ قارئین محترم پر چھوڑتا ہوں۔ میں کوئی بلند بانگ دعویٰ نہیں کرتا لہذا قدرتی طور پر کسی غیر معمولی داد و تحسین کی امید بھی کم ہی رکھتا ہوں۔ اگر بازار تحقیق و پژوہش میں میری کوشش پر ارزش ٹھہری تو زہے بخت و سعادت ! اور اگر یہ سعی، سعی رائیگاں سمجھی گئی تو وائے کم سعادتی ! سوچیے۔ یہ "حرف شیریں" کس کا ترجمان ہے ؟ اقبال کا ؟ آپ کا ؟ یا میرا ؟

"اقبال کا نیا مطالعہ" ۔ایک طالب علمانہ کاوش ہے اس لئے یہ تألیف محض انفرادی نقطہ ٴ نظر کی حامل ہونے کے سبب جامعہ بہائی کی ترجمانی نہیں کرتی۔ کتاب کے مالہ و ماعلیہ کا ذمہ دار خود اس کا مؤلف ہے۔ اس تألیف سے مسلم - بہائی مکالمہ (Dialouge) کے اس سلسلہ کی تجدید ہو رہی ہے جو سلسلہ ۱۹۳۸ء میں حضرت اقبال کی وفات کے بعد ٹوٹ گیا تھا۔ میری خواہش یہ ہے کہ علمی سطح پر مکالمت و مفاہمت کا جو عمل آج سے ساٹھ سال قبل رک گیا تھا۔ اس کو از سر نو بحال کیا جائے۔ یہ تجدید مکالمت ہماری ملی و ثقافتی ضرورت ہے۔ اور مذہبی و معاشرتی بھی۔ یہی مکالمہ پاکستان کی علاقائی وراثتوں کی رنگارنگی اور مذہبی ثقافتوں کے تنوع میں وحدت و یگانگت پیدا کرنے کے لئے ایک ناقابل گریز ضرورت ہے۔ اسی مکالمہ سے ہمارا وطن عزیز متحد و محترم ہوگا اور مترقی و متعالی بھی۔ یہی مخاطبہ اعتماد و احترام اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا کر کے پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کو روحانی طور پر باعزت و پر امن زندگی

کرنے اور مادی لحاظ سے آگے بڑھنے کی ضمانت دے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ وحدت بشر ہمارے مایۂ اعتبار اور سرمایہ افتخار فلسفی شاعر کا خواب تھا۔ اس خواب کے چمن میں تعبیر کے گلاب اگانا ہم سب کی - میری اور آپ کی ذمہ داری ہے۔

از روزگار خویش ندانم جز این قدر
خوابم زیاد رفته و تعبیرم آرزوست
(اقبال)

صابر آفاقی
۱۴ اگست ۱۹۹۹ء

## مقدمہ

# اقبال اور بابی- بہائی دین

تحریر: ڈاکٹر این میری شمل

اقبال کے شاہکار منظومہ "جاوید نامہ" مطبوعہ ۱۹۳۲ء کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس کے ایک نمایاں مقام پر طاہرہ کا یہ رزمیہ ترانہ پڑھ کر سرور پاتا ہے.

گر بتو افتدم نظر چہرہ بچہرہ رو برو
شرح دہم غم تو را نکتہ بہ نکتہ مو بہ مو

لیکن حیرت ہوتی ہے کہ شاعر نے طاہرہ کو ان لافانی ہستیوں یعنی حلاج اور غالب میں کیوں شمار کیا جن کے ساتھ اس کی ملاقات فلک مشتری پر ہوتی ہے۔ آسمانوں میں پرواز کے دوران جس میں مولانا رومی علامہ اقبال کی راہنمائی کرتے ہیں کئی اجرام فلکی سے گذرتے ہیں جہاں آسمانی ہستیاں قیام فرما ہیں۔ وہاں اقبال ان کے ساتھ زندگی، موت، دین اور سیاست کے مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ فلک مشتری پر شاعر تین "ارواح جلیلہ" کو دیکھتا ہے جنہیں "وہ پاکباز" کے نام سے یاد کرتا ہے۔" یہ وہ ارواح جلیلہ ہیں جنہوں نے اپنے آورش کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے" یہ وہ تین ہستیاں ہیں جن کے سینوں میں ایسی آگ شعلہ افروز ہے جو ساری دنیا کو جلا سکتی ہے۔

آتش اندر سینہ شان گیتی گداز

اقبال کا یہ بیان بغداد کے شہید عارف حلاج پر پوری طرح صادق آتا ہے اور اسی

طرح طاہرہ پر بھی۔ لیکن وہ وجہ سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے جس کی بنا پر ان میں غالب کو بھی شامل کیا گیا ہے جو دہلی کا ایک شاعر تھا۔ جس کا دیوان اردو شاعری سے محبت رکھنے والے ہر قاری کے لئے ایک خزانہ شمار ہوتا تھا۔ تاہم اس سیاق و سباق میں غالب اپنی عالیشان شاعری کی وجہ سے شامل نہیں ہوتا بلکہ ایک اور اہم دینی مسئلہ کی وجہ سے شامل ہوتا ہے۔ وہ مسئلہ حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد اجرائے رسالت کے متعلق ہے حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قرآن میں (خاتم النبیّین) (نبیوں کی مہر) کا لقب دیا گیا ہے۔ سال ۱۸۲۹ء کے زمانے میں مسلمان علماء کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نئی دنیا تخلیق کرے تو کیا وہ ایک اور حضرت محمدؐ کو بھی عالم خلق میں لاسکتا ہے۔ غالب نے اس موقع پر جو شعر کہا اس میں تحریر کیا کہ جہاں کہیں ایک نئی دنیا نمودار ہوتی ہے وہاں رحمۃ اللعالمین بھی ہوتا ہے یعنی ایک پیغمبر جو " کائنات کے لئے رحمت "بنا کر بھیجا جاتا ہے (۱)۔ یہ شعر وہ مرکزی نقطہ ہے جس کی بدولت اقبال' غالب کو فلک مشتری کے مشاہدات میں ظاہر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کو وحی کے استمرار کے امکان کا ایک شرمیلا سا گواہ قرار دیا جاتا ہے یعنی ایک ایسا شخص جسے یہ معلوم ہے کہ اس کے اس طرح کے شاعرانہ بیان کی سطح کے نیچے ایک پوشیدہ "کفر" کی لکیر ہو سکتی ہے جس سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ اس کا تعلق ایک ایسی دینی تحریک سے ہے جو "استمرار وحی" کے تصور پر مبنی ہے۔

اقبال تینوں "ارواح جلیلہ" کو گل لالہ جیسے سرخ رنگ کے لباس میں ملبوس دکھاتا ہے کیونکہ فارسی اور ترکی شاعری میں گل لالہ شہادت اور قربانی کی تمثیل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح حلاج اور طاہرہ دونوں اپنے سرخ لباس سے اپنی شہادت کا راز عیاں کرتے ہیں۔ یہ (لباس) شاعر کو اس خون کی یاد دلاتا ہے جو ان کی سچائی اور ان کے غیر متزلزل ایمان کا شاہد ہے۔ اسی طرح وہ دیکھتا ہے کہ ان کے چہرے ان کے باطن میں سلگتی ہوئی آگ سے روشن ہیں جو عشق کی آگ ہے۔ اقبال کے الفاظ میں تینوں ارواح جلیلہ میثاق یوم الست سے تپیدہ اور شعلہ براندام ہیں جہاں انہوں نے سیر ہو کر شراب عشق الہی کے

---

۱-الانبیاء آیہ ۱۰۷۔

جام پئے اور اقبال کو وہ اب بھی اپنے اشعار عشق سے سرمست دکھائی دیتے ہیں۔

اس طرح کے الفاظ میں اقبال ان کے نظارے سے پیدا ہونے والی حیرت کو بیان کرتا ہے لیکن اقبال کو عارف راہنما مولانا رومی تشفی دیتا ہے اور ساتھ ہی اسے نصیحت کرتا ہے کہ وہ ان کا دیدار کر کے پوری طرح وارفتہ نہ ہو جائے بلکہ اس کے برعکس ان کے نغمات کی آتشیں سروں سے تازہ زندگی سے بہرہ ور ہو۔ رومی اپنے مرید کو اس طرح آگاہ کرتا ہے :

شوق بے پروا ندید ستی نگر      زور این صہبا ندید ستی نگر
غالب و حلاج و خاتون عجم      شورہا افگندہ در جان حرم
این نواہا روح را بخشد ثبات      گرمی او از درون کائنات

اس طرح اقبال تینوں شہدا کا تعارف کراتا ہے (صرف دو شہداء کیونکہ غالب نے تو دہلی میں ۱۸۶۹ء میں اپنی وفات تک خطرات سے محفوظ زندگی گزاری تھی) اس کے بعد ان تینوں میں سے ہر ایک غزل سناتا ہے۔ حلاج کی جانب سے اقبال اپنا کلام سناتا ہے جبکہ غالب اور طاہرہ کا اصل کلام کتاب میں شامل کیا گیا ہے اور یہ بات ہر شک و شبہ سے بالا ہے کہ طاہرہ کے یہ مشہور اشعار "جاوید نامہ" کے ممتاز ترین مقامات میں شامل ہیں۔

اقبال کس طرح طاہرہ قرۃالعین سے متعارف ہوا اور بابی شہید کی تعریف میں اس کے رطب اللسان ہونے کا سبب کیا ہے ؟ یہ جاننے کے لئے ہمیں پچیس سال پیچھے کی طرف ۱۹۰۷ء کے میونخ میں جانا پڑے گا جب اس نے اپنا مقالہ "دی ڈیولپمنٹ آف میٹافزکس ان پرشیا" (۱) تحریر کیا۔ یہ مطالعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس طرح اوّلین تھا کہ اس میں ایرانی فکر کی قدم بقدم ترقی و تشکیل پر جناب زرتشت سے لے کرمانی و مزدک سے گزرتے ہوئے زمانہ اسلام تک تحقیق کی گئی تھی اور اس میں اسلامی فلسفہ پر یونانی اثرات اور ان اثرات کے متعلق ایرانی مفکرین کے رد عمل کی تصویر کشی کی گئی تھی اور خدا اور دنیا کے تعلق کے مسئلہ کے خاص ایرانی حل اور تشریح پر بحث کی گئی تھی۔ اقبال نے مطالعہ کے لئے بیشتر

---

1.The Development of Metaphysics in Persia.

برطانیہ اور برلن میں دستیاب مسودات سے استفادہ کیا تھا اقبال کے اس وقت کے رجحانات کو جو وحدت الوجود پر مبنی عالمی تصورات مشتمل تھے اس کے مختلف بیانات اور نقطہ ہائے نظر سے سمجھا جاسکتا ہے جس میں ابن عربی کی تعریف و ستائش بھی شامل ہے۔ اقبال نے جو ابھی تک اپنے جدید ہیگیلئن تصورات کے حامل برطانوی استاد میک ٹیگرٹ سے گہرے طور پر متاثر تھا کئی اسلامی افکار و تصورات کے حقائق کی ہیگل کے ابواب میں وضاحت کی۔ اسی وجہ سے اقبال نے اس مقالہ میں پیش کردہ کئی تصورات کی بعد ازاں تردید کی کیونکہ اس وقت وہ ہیگل سے دور چلا گیا تھا اور روحیت (Vitalism) کے نظریہ کے حامل مفکرین پر فریفتہ ہو گیا تھا اور اب مشرقی مفکرین میں سے ابن عربی نہیں بلکہ مولانا رومی اس کا راہنما تھا۔ جس کی اصل قوۃ محرکہ کو اقبال نے اس وقت دریافت کیا جب اس نے اپنے مقالہ میں اسے وحدت الوجود کے مفکرین میں شمار کیا۔ تب ۱۹۳۲ء میں حلاج جو فلک مشتری کا سچا ہیرو ہے مقالہ میں وحدت الوجود کے عمومی تصوف کا نمائندہ بن کر ظاہر ہوتا ہے اور اس کا نعرہ انا الحق "میں صداقت خلاقہ ہوں" کو متعدد یورپی سکالروں کے فیصلے کی مطابقت میں ویدوں کے تصورات کا اسلامی متبادل خیال کیا جاتا ہے۔

لیکن اس مقالہ میں تصورات کی ایسی بنیادیں موجود ہیں جنہیں بعد میں پختگی حاصل کر کے اقبالیات کے مخصوص نظریات کی شکل اختیار کرنا تھا۔ اقبال نے (عبدالکریم) جیلی کے "انسان کامل" کے تصور پر جو زور دیا ہے اسے تکمیل پا کر بعد میں اس کے مرد مومن کے تصور میں ڈھلنا تھا جو سجادین ہے جس کے نفس کو اس قدر پختگی اور رفعت دی گئی۔ اب مومن بغیر کسی رکاوٹ کے پیغمبر کی طرح خدا سے کلام کر سکتا ہے۔ اس مقالہ میں اسمعیلیوں کے بارے میں ایک بڑا دلچسپ اور بڑی حد تک مثبت بیان بھی ملتا ہے اور اقبال زور دے کر کہتا ہے کہ ان کے مطابق اہریمن ضرر رساں خالق نہیں بلکہ وہ وحدت کے ٹکڑے کر کے اسے تنوع میں بدل دیتا ہے"۔ یہ ایسا تصور تھا جسے اقبال نے بعد کے ایام میں شیطنت کے اپنے مزاج کے مطابق نظریہ میں ڈھالنا تھا۔ تاہم یہ بات حیرت میں ڈالنے والی ہے کہ سہروردیٔ مقتول یعنی شہید حلب۔ جسے اقبال نے مغرب کے قارئین سے پہلی دفعہ متعارف کرایا اس کی بعد کی تصانیف میں سامنے نہیں آتا۔ حتی کہ فلک مشتری کے شہیدوں میں بھی

جگہ نہیں پاسکتا۔ جس طرح کہ اس کے دیگر کچھ نظریات اقبال کے تصورات میں دھندلے انداز میں منعکس کیے گئے ہیں (اللہ نور ہے وغیرہ)۔

جناب زرتشت سے لے کر ملا صدرا تک کے اقبال کے جائزے میں مقالہ کے آخری چند دلچسپ پیراگراف آتے ہیں جن کا یہاں جائزہ لیا جاتا ہے۔ اقبال کہتا ہے:

"ایرانی افکار کے تمام مختلف خطوط ایک مرتبہ پھر ایران جدید کی عظیم دینی تحریک بابی ازم بہائی ازم میں مربوط و یکجا نظر آتے ہیں جس کی ابتدا ایک شیعہ فرقہ کے طور پر شیراز کے میرزا علی محمد باب سے ہوئی لیکن تقلید پسندوں کے مظالم میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس کے اسلامی تشخص میں کمی آتی گئی اس شاندار فرقہ کے فلسفہ کی ابتدا کو شیعہ کے فرقہ شیخی میں تلاش کرنا چاہئے جس کا بانی شیخ احمد (احسائی) ملا صدرا کے فلسفہ کا پرشوق شاگرد تھا اور اس نے اس فلسفہ کی متعدد توضیحات تحریر کی تھیں"۔

بابی تحریک کی تاریخ کا مختصر جائزہ لینے کے بعد اقبال اپنے بقول اس "شاندار" فرقہ میں کارفرما فلسفہ کی ترجمانی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"نوجوان ایرانی پیغمبر (یعنی باب) حقیقت کو ایک ایسے جوہر کے طور پر دیکھتا ہے جو مواد اور خواص میں کسی امتیاز کو برداشت نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ ذات مطلق کا پہلا عطیہ یا ذات کی توسیع "وجود" ہے۔ وجود "عرفان" ہے "علم" "علم" کا جوہر ہے۔ "علم" "ارادہ" ہے اور "ارادہ" "عشق" ہے۔ اس طرح ملا صدرا کے عرفان اور عارف کے نظریہ کی پہچان سے وہ اپنے "حقیقت ارادہ ہے" کے تصور کی طرف جاتا ہے۔ یہ اولین عشق جسے وہ حقیقت کا جوہر قرار دیتا ہے۔ کائنات کے ظہور کا سبب ہے جو فقط عشق کے جوہر کی توسیع ہے"۔

یہاں بابی نظریہ اور صوفیانہ نظریات کے تعلق کو آسانی سے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جسے مشہور حدیث قدسی میں بیان کیا گیا ہے جس میں خدا فرماتا ہے کنت کنزاً مخفیاً (میں ایک مخفی خزانہ تھا (اور چاہتا تھا کہ پہچانا جاؤں لہذا میں نے دنیا کو پیدا کیا) الوہیت کے باطنی جوہر یعنی تخلیق کے اولین سبب کے لئے لفظ "عشق" کے استعمال کو تلاش کرتے ہوئے ہم حلاج تک واپس پہنچتے ہیں جس کے لئے عشق کا یہ متحرک اصول در حقیقت ملکوتی زندگی کا

اصلی جوہر ہے۔ جسے لوئی ماسینیون نے مطمئن کر دینے والے طریقے سے ظاہر کیا ہے۔ تاہم اقبال کا بابی فلسفہ کے متعلق بیان اقبال کی زندگی کے اگلے عرصہ میں طے کردہ موقف کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اپنی پہلی فارسی مثنوی "اسرار خودی" کے تعارف میں جو ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی اقبال لفظ "عشق" کے بکثرت استعمال کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے "اس لفظ کو وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب جذب وکشش کی آرزو اور امنگ ہے۔ اس کی اعلیٰ ترین صورت اقدار اور تصورات کی تخلیق اور ان کو حقیقت کا رنگ دینے کی مساعی ہے"۔ اقبال کے لئے عشق زندگی کا اصل جوہر بن جاتا ہے یہ "جبریل کے نغمہ اور محمد مصطفیٰ کے قلب" دونوں کا آئینہ دار ہے۔ جیسا کہ وہ ۱۹۳۳ء میں لکھی گئی اردو کی عظیم نظم "مسجد قرطبہ" میں نغمہ سرا ہوتا ہے۔ اس معنی میں عشق وہ قوت ہے جو اپنی پوری ہستی سے "اس سب کو جلا سکتی ہے جو عشق سے متصادم" ہو۔ اس تصور کو قوت کے اس نظریہ سے ملانا چاہئے جسے پال ٹلچ نے پیش کیا اور جس کی اقبال یقینی طور پر تائید کرے گا۔

اس کے بعد اقبال بابی فلسفہ کے متعلق گفتگو جاری رکھتا ہے اور مزید لکھتا ہے:

"اس (یعنی حضرت باب) کے نزدیک لفظ "تخلیق" کا مطلب عدم محض سے تخلیق نہیں کیونکہ شیخیوں کا خیال ہے کہ لفظ "خالق" محض خدا کے لئے مخصوص نہیں۔ قرآنی آیہ " فتبارك الله احسن الخالقين "(۱) کا مطلب یہ ہے کہ کچھ اور ہستیاں بھی موجود ہیں جو خدا کی طرح اپنا اظہار کرتی ہیں"۔

یہ آخری فقرہ پہلی نظر میں ایک دھچکا لگتا ہے لیکن اسے محض بابی نظریہ بیان کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس اپنا مقالہ مکمل کرنے کے چند سال بعد جب اقبال نے اپنے فلسفیانہ تصور میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کر لی تھیں تو فلسفی شاعر "اسرار خودی" کے تعارف میں لکھتا ہے کہ قرآن مجید کی آیہ فتبارك الله احسن الخالقين (خدا تمام خالقوں میں سے بہترین ہے) یہ امکان ظاہر کرتی ہے کہ خدا کے علاوہ بھی خالق ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اقبال یہاں شیخی۔بابی مفکرین کا موقف پیش کرتا ہے تاکہ وہ اپنے اس

---

۱۔المومنون آیہ ۱۴۔

دَور کے پسندیدہ نظریہ کو آگے لا سکے یعنی یہ کہ انسان بھی اپنی جگہ پر خالق کہلانے کا حق رکھتا ہے۔ یہ وہ تصور ہے جسے اس نے اپنی مشہور نظم "پیام مشرق" (۱۹۲۳ء) میں بیان کیا جب انسان جوش میں خدا سے مخاطب ہوتا اور کہتا ہے کہ خدا نے مٹی پیدا کی 'صحرا بنائے اور تاریک رات ظاہر کی جبکہ انسان نے خدا کے پیدا کردہ وسائل اور خام مال سے جام بنائے' باغات اگائے اور رات کی تاریکی پر غلبہ پانے کے لئے چراغ جلائے۔

بابی فلسفہ پر اپنا تاریخی تبصرہ تحریر کرتے ہوئے اقبال مزید لکھتا ہے:

"علی محمد باب کو سزائے موت دیئے جانے کے بعد بہاء اللہ نے جو ان کے اہم شاگردوں میں سے ایک تھا اور جسے مجموعی طور پر واحد اوّل کا لقب دیا جاتا تھا اس مشن کو ہاتھ میں لیا اور ایک نئے دین کا بانی اور امام غائب ہونے کا دعویٰ کیا جس کے ظہور کی پیشگوئی باب نے کی تھی۔ بہاء اللہ نے اپنے استاد کے نظریہ کو لفظی تصوف سے آزاد کیا اور اسے زیادہ کامل اور منظم طریقہ سے پیش کیا۔ اس کے مطابق حقیقت مطلق ایک شخص نہیں۔ یہ ایک حیّ و قیوم جوہر مطلق ہے جسے ہم حق اور عشق کے وضعی نام محض اس لئے دیتے ہیں کہ یہ وہ اعلیٰ ترین تصورات ہیں جن سے ہم آگاہ ہیں۔ ذات حیّ و قیوم خود کو کائنات میں اس مقصد سے ظاہر و منکشف کرتی ہے کہ وہ اپنے آپ میں ایسے جوہر (Atoms) اور شعور کے مرکزے (Centres) پیدا کر سکے جو ڈاکٹر میک ٹیگرٹ کے بقول ہیگل کے پیش کردہ ذات مطلق کے تصور کو مزید واضح انداز میں متعین کریں۔

یہاں اقبال کا اپنے استاد میک ٹیگرٹ کی طرف اشارہ ہمارے سیاق و سباق میں معنی خیز ہے جیسا کہ اپنے ایک مضمون میں بعد میں اقبال نے میک ٹیگرٹ کو حلاج سے تشبیہہ دی تھی کیونکہ سچائی کے اس دلیر محافظ نے معمول کے انسانی شعور میں وسعت کا تجربہ کیا۔ ہم خدا سے اس کی مخلوق کے ساتھ تعلق کی نسبت اقبال کے تصور کے بارے میں بھی سوچ سکتے ہیں جسے اگرچہ مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مشابہ ہی تصور رکھتا ہے۔ دنیا کو ایک ذات یا خودی (Ego) تصور کیا جاتا ہے اور ہر مخلوق شئے خودی کے علاوہ کچھ نہیں۔ تمام مخلوق ایک ہمہ گیر ملکوتی خودی پر مشتمل ہے (میٹا فزکس آف اقبال-۷۲) یہ مشابہت شاید اس وقت واضح تر ہو جاتی ہے جب ہم اقبال کے بابی افکار کے بیان کا مزید مطالعہ

کرتے ہیں :

"شعور کے ان غیر ممیتز سادہ مراکز میں سے ہر ایک میں خود نور مطلق کی ایک پوشیدہ کرن موجود ہے اور روح کی کاملیت اس بات میں ہے کہ بتدریج انفرادیت پیدا کرنے والے اصول-مادے کے ساتھ ارتباط کر کے اس کے جذباتی اور ذہنی امکانات کو حقیقتۂ حاصل کیا جائے اور اس طرح اس کی اپنی گہری باطنی ذات کو منکشف کیا جائے جو لازوال عشق کی کرن ہے لیکن شعور کے ساتھ اتصال کی وجہ سے مخفی ہے۔ لہذاانسان کا اصل جوہر عقل اور شعور نہیں بلکہ یہی عشق کی کرن ہے جو شائستہ اور بے لوث اعمال کے تمام بے چین محرکات کا سرچشمہ ہے جو حقیقی انسان متشکل کرتی ہے"۔

اس پیراگراف میں ہمیں اقبال کے بعد کے موقف کے متعلق تقریباً پورا بیان بھی لکھا ہوا مل جاتا ہے جس میں عشق پر زندگی کے محرک اصول کے طور پر بہت زور دیا گیا ہے۔ یہ ہمیں اقبال کے خودی کے اس تصور کی یاددہانی بھی کراتا ہے کہ خودی یعنی حقیقی شخصیت قوت عشق کی بدولت سے ہی ترقی کر سکتی ہے۔ عشق ہی ذات انسانی کو درس دیتا ہے کہ وہ نشوونما پاتا رہے یہاں تک کہ وہ ذات کبریا کی قربت کی منزل پالے۔ اسی مطلب کو بیان کرنے کے لئے اقبال نے اپنے دوسرے فارسی دیوان "زبور عجم" (۱۹۲۷ء) میں یوں نوا سنجی کی ہے :

فقط عشق کو ہی سچا مسلمان کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ واحد دیکھتا ہے اور واحد ہی کی طرف بڑھتا ہے، جبکہ عقل ابھی تک زنار پوش ہے۔

ملا صدرا کی طرف ایک رمزیہ اشارے میں جو میری سمجھ میں صحیح طرح نہیں آسکا اقبال "تصور کی تجسیم کے اثرات بھی دیکھتا ہے :

"عقل ودلیل...... ملا صدرا کے نزدیک حیات جاودانی کی لازمی شرط نہیں......"۔

لیکن اقبال کے بقول بہائی تعلیمات کے مطابق :

"زندگی کی تمام شکلوں میں ایک لافانی جزو، عشق جاودانی کی کرن موجود ہوتی ہے جس کا شعور ذات یا عقل ودلیل کے ساتھ کوئی ناگزیر تعلق نہیں ہوتا اور وہ جسم کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے"۔

یہاں بھی ہم اقبال کی تعلیمات کے ساتھ کسی قدر مشابہت دیکھ سکتے ہیں جن کو خاص کر کے اس نے "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" (۱۹۳۲ء) میں بیان کیا ہے جیسے "ذات جو اس قدر طاقت رکھتی ہے کہ جسمانی موت کے صدمے کے بعد بھی باقی رہتی ہے (اور اسی طرح ہوتا ہے کیونکہ ہم اقبال کے اسی موضوع پر شعری بیانات سے اس کو آسانی سے اخذ کر سکتے ہیں۔ جہاں ذات کو عشق سے طاقت ملتی ہے۔ روح موت کے بعد بھی زندہ رہے گی اور شعور کے اعلیٰ مدارج میں ترقی کرتی جائے گی"۔ معلوم ہوتا ہے کہ اقبال اس بارے میں بہاء اللہ کے ساتھ مکمل طور پر اتفاق کرتا ہے جن کا طریقہ نجات بودھ کی تعلیمات کے برعکس ہے جیسے وہ اس طرح بیان کرتا ہے :

"نجات...... بہاء اللہ کے مطابق عشق کے جوہر کو کشف کرنے میں مضمر ہے جو شعور کے عناصر ترکیبی میں مخفی ہوتا ہے"۔ اور مہاتما بودھ اور بہاء اللہ جس قدر بھی نجات کے بارے میں اپنے رویے میں اختلاف کریں اس کے باوجود جیسے کہ اقبال آگے بیان کرتا ہے :

"...... دونوں...... اس بات پر متفق ہیں کہ موت کے بعد انسان کے خیالات اور کردار عوالم روحانی میں اس کے مشابہ خصوصیات کی حامل قوتوں کے زیر اثر رہتے ہیں اور ایک اور موقع کے انتظار میں رہتے ہیں کہ مناسب جسمانی رفاقت ملے تاکہ کشف کے عمل کو جاری رکھ سکیں (بہاء اللہ) یا فنا ہو سکیں۔ (مہاتما بودھ) بہاء اللہ کے مطابق عشق کا تصور ارادے کے تصور سے بلند تر درجہ کا حامل ہے......"۔

تاہم شوپنہار کے افکار میں تھوڑا سا گم ہونے کے بعد شاید کسی قدر تاسف کے ساتھ اقبال کہتا ہے کہ شوپنہار کے برعکس جس کے گمان میں حقیقت ارادہ ہے "بہاء اللہ اس اصول کی وضاحت نہیں کرتے جس کے مطابق لازوال عشق کی ذات کا اظہار کائنات میں تشکیل پاتا ہے"۔

مقالہ کے آخری باب میں اقبال کا تجزیہ اسی طور اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔ یہ تجزیہ جیسا کہ وہ خود حاشیہ میں لکھتا ہے۔ مائرن فلپس کی کتاب "عباس آفندی" (۱) پر بالخصوص کتاب

---

۱۔ حضرت بہاء اللہ کے جانشین حضرت عبدالبہاء۔ عباس افندی۔

کے باب "فلاسفی اینڈ سائیکالوجی" پر مبنی ہے۔ لیکن اقبال کے مآخذ خواہ کچھ بھی ہوں یہ بات ناممکن ہے کہ ہماری نظر میں وہ مشابہت نہ آسکے جو اس کے بعد کے فلسفہ میں ان مرکزی تصورات میں ہے۔ جنہیں وہ بہائی ازم کا جوہر قرار دیتا ہے بالخصوص تصور عشق جو زندگی کا مرکزی مقصود و مدعا ہے۔

لیکن اقبال کا یہ مقالہ قرۃ العین طاہرہ کی شہادت کے کردار کی آگاہی کا کوئی اظہار نہیں کرتا۔ اقبال کو قرۃ العین طاہرہ کے انجام میں کیوں دلچسپی پیدا ہوئی؟ اور اسے وہ غزل کہاں سے ملی جسے اس نے اپنے جاوید نامہ میں شامل کیا؟ یقیناً متعدد ایسی کتب دستیاب تھیں جن میں بابی ازم اور اس دین کے شہدا کے موضوع کو زیر بحث لایا گیا تھا اور اقبال غالباً اس موضوع پر ای۔ جی۔ براؤن کی تحقیقات سے بھی آگاہ تھا لیکن قرۃ العین طاہرہ کی شاعری کو ڈھونڈھ نکالنا مشکل کام تھا۔ تاہم اس کا ایک سراغ ملتا ہے۔ مارتھا روٹ اپنی کتاب "طاہرہ دی پیور" میں ذکر کرتی ہے کہ ۱۹۳۰ء میں کراچی کے ایک پرجوش بہائی مسٹر اسفندیار بختیاری نے طاہرہ کی مشہور ترین غزلیات کی نقل تیار کی اور انہیں طبع کروایا۔ یہ ایک ہزار جلدوں پر مشتمل ایڈیشن تھا۔ اسے برصغیر کے ممتاز لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس کے فوراً بعد اس کا دوسرا ایڈیشن طبع ہوا۔ اس بات میں شک کی گنجائش نہیں کہ اقبال کو بھی اس کی ایک جلد ملی تھی(۱) (اگرچہ میں نے اس کی لائبریری میں اس کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی) اور اقبال، طاہرہ کی شہد کی مانند شیریں شاعری سے متاثر ہوا۔ اقبال نے اپنی تصنیف کے ذریعے طاہرہ کی خوبصورت ترین غزل کو قارئین کے وسیع طبقے میں متعارف کروایا۔ مارتھا روٹ کے مطابق دلچسپ بات یہ ہے کہ جاوید نامہ کی اشاعت کے ایک سال بعد یعنی ۱۹۳۳ء میں ہدایت حسین نے "ادارۂ معارف اسلامیہ" کی اشاعت میں انگریزی میں ایک مضمون بعنوان "بابی دین کی ایک شہید خاتون" طبع کروایا یہ ایڈیشن نظام حیدر آباد کے نام معنون تھا۔ اس طرح ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ لاہور اور ہندوستان کے ثقافتی مراکز میں فارسی شاعری میں دلچسپی رکھنے والے لوگ طاہرہ کی شاعری سے خوب آگاہ تھے۔ جنہوں نے اسے

---

۱۔ اس کی تفصیل آپ کو اس کتاب کے باب سوم میں مل جائے گی۔ (مولف)

اقبال کے شاہکار میں اس کے نام سے پہچان لیا اور انہیں یہ غلط فہمی لاحق نہ ہوئی کہ یہ اقبال کا اپنا کلام ہے۔

لیکن طاہرہ کی خوبصورت غزل ہی وہ واحد موقع نہیں جہاں وہ جاوید نامہ میں بولتی سنائی دیتی ہے۔ تینوں ارواح جلیلہ اہم مذہبی مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ حلاج اقبال کو (جس نے آسمانی سفر میں "زندہ رود" نام اختیار کیا) بتاتے ہیں کہ اس کا گناہ یہ ہے کہ اس نے عشق الٰہی کا مشاہدہ کیا اور نہ صرف اس کی بلکہ اپنی قوت کی بھی شہادت دی اور اس سے بڑھ کر اس نے "روحانی طور پر مردہ لوگوں کا حشر برپا کرنے کی کوشش بھی کی" اپنی گفتگو کے اختتام پر رومی اقبال کو جسے وہ تقریباً اپنا روحانی شاگرد خیال کرتا ہے متنبہ کرتا ہے کہ وہ خبردار رہے کہ کسی بھی شخص کو اس طرح کی دلیرانہ مہم کی قیمت اپنی جان دے کر ادا کرنا پڑتی ہے۔ حلاج کا نام نہاد گناہ لوگوں کا روحانی احیاء کرنا تھا۔ حلاج کے اختتامی کلام کے فوراً بعد آنے والے شعر میں طاہرہ سلسلہ کلام کو اپنے ہاتھ میں لیتی ہے اور اس کے نقطہ نظر کو آگے بڑھاتی ہے:

از گناہ بندۂ صاحب جنون　　کائنات تازۂ آید برون!

شوق بے خد پردہ ھا را بر درد　　کہنگی را از تماشا می برد!

ہم یہاں مولانا رومی کے "نغمہ نے" کی طرف رمزیہ اشارے کو فوری طور پر سمجھ جاتے ہیں جس میں "نے" (بانسری) یہ دھن سنواتی ہے "ہمارے پردے پھاڑ دو جو نوع بشر کو خدا سے جدا کرتے ہیں اور جو فہم انسانی کو زندگی کے ملکوتی سرچشمہ تک جانے سے روکتے ہیں":

پردہ ہایش پردہ ہائے ما درید

طاہرہ اقبال کے مطابق سلسلۂ کلام جاری رکھتی ہے:

آخر از دارورسن گیرد نصیب　　بر نگردد زندہ از کوی حبیب

یہ بلت واضح طور پر حلاج کے آدرش کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ "دارورسن" فارسی اور اس کے زیر اثر شعرا کا ایک معیاری انداز بیان ہے جس کے ذریعے وہ حلاج کی تختہ دار پر ہونے والی موت کے راز کی طرف رمزیہ اشارہ کرتے ہیں جو جذبات سے عاری ملاؤں کے ہاتھوں واقع ہوئی کیونکہ حلاج نے وصال کا راز افشا کرنے کی جسارت کی تھی۔ اس طرح

یہ انداز بیان کہ عاشق صادق محبوب حقیقی کی گلی میں کبھی زندہ واپس نہیں لوٹتا ایران اور بر صغیر میں بالعموم اختیار کیا جاتا ہے۔ غالب کے اشعار میں بھی یہی انداز اختیار کیا گیا ہے جس نے بڑی چابکدستی سے ورثے میں ملنے والی تشبیہات و تلمیحات کو استعمال کیا۔ طاہرہ کی صورت میں بھی دو سطروں میں حق کی خاطر طاہرہ کی موت کا راز کامل طور پر بیان ہو گیا ہے۔ اس کے بعد طاہرہ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتی ہے جیسا کہ اقبال نے کہا :

جلوه او بنگر اندر شهر و دشت

تا نه پنداری که از عالم گذشت !

در ضمیر عصر خود پوشیده است

اندرین خلوت چسان گنجیده است ؟

عاشق صادق جو اپنی جان کی قربانی دے کر نہ صرف اپنے الہام ملکوتی سے پیدا شدہ جذبہ عشق کی شہادت دیتا ہے بلکہ خود عشق بیتاب کی قوت کا جوہر بھی نظر آتا ہے۔ شہر میں بھی جو سنجیدہ دانشوروں کی جائے قیام ہوتا ہے اور صحرا میں بھی جو مجنون جیسے دیوانے عاشقوں کا گھر ہوتا ہے۔ ایسا شدید جذبہ عشق اور وہ لوگ جو اس کے حامل ہوتے ہیں کبھی دنیا سے ناپید نہیں ہوتے۔ درحقیقت وہ عصر حاضر کے درمیان موجود ہوتے ہیں۔

اقبال نے ان چند اشعار میں ثابت کر دیا ہے جو طاہرہ کے آدرش کو بخوبی بیان کرتا ہے کہ وہ آج تک ایران کی شہید شاعرہ کی یاد کو دل میں تازہ کئے ہوئے ہے اور اس کے جراتمندانہ رویہ کو خوب سمجھتا ہے۔ اس پیراگراف کی تمام علامات جو طاہرہ کے منہ سے بیان ہوئی ہیں اس کے عشق دوام کی عظمت کی خاطر شوق شہادت کا اظہار کرتی ہیں۔

اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اقبال نے، جس کو اکثر یہ الزام دیا جاتا ہے کہ وہ مرد مومن کے اپنے نظریہ میں عورت کو کوئی مقام دینے کا روادار نہیں اور عورت کے کردار کو صرف اطاعت گزار بیوی اور ماں کے کردار تک محدود کرتا ہے، یہاں دکھا دیا ہے کہ وہ اس قدر تنگ ذہن کا آدمی نہیں۔ یہ حقیقت کہ وہ طاہرہ کو فلک مشتری میں متعارف کراتا ہے (جیسا کہ وہ شہزادی شرف النساء کو بہشت میں متعارف کراتا ہے) یہ ظاہر کرتی ہے کہ اقبال ہر اس شخص کو قابل ستائش سمجھتا ہے جس میں وہ عشق حقیقی کی رمق دیکھتا ہے۔ اقبال

روایتی صوفیانہ نقطہ نظر اختیار کرتے ہوئے اس عورت کی ستائش کرتا ہے جو عشق الہی کے جذبہ سے اس قدر سرشار تھی کہ وہ جرات کرکے محبوب کے مشکلات سے پُر راستے پر چلنے کے لئے باہر نکلی' اور انجام کار میدان شہادت میں شہید ہو گئی۔ طاہرہ یہاں پر سندھی' پنجابی لوک داستانوں کی ہیروئن نظر آتی ہے ایک حقیقی مرد' ایک سچی طالب المولیٰ جو اس دنیا کی تمام اشیاء کو پس پشت ڈالنے اور عشق اور وصال کے لئے اور اس کا مشاہدہ کرنے کی خاطر جسے اس نے حق محسوس کیا ہے' اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کو بھی تیار ہے۔

"جاوید نامہ" کے منظر نامہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ اقبال نے اپنے یورپ کے قیام (اور اپنے مقالہ کی تکمیل) کے بعد آنے والے طویل عرصہ کے دوران اپنے فلسفیانہ نقطہ نظر میں تبدیلی پیدا کر لی تھی اس کے باوجود اس نے بابی بہائی جیسی (اس کے اپنے الفاظ میں) "شاندار" تحریک کے کم از کم ایک پہلو کے بارے میں تحسین و ستائش بر قرار رکھی جس نے ہو سکتا ہے اس کے بعض مرکزی و بنیادی افکار کو بھی متاثر کیا ہو بالخصوص نوع انسانی کی ترقی کے بارے میں اقبال کے عشق الہی کے غلبہ مطلق کے نظریہ کو (متاثر کیا ہو) اور ہمیں اس مسئلہ کے بارے میں معلوم ہی ہے کہ کچھ عرصہ تک یہ سوال اقبال کے ذھن پر حاوی رہا کہ کیا خاتم النبیین حضرت محمدؐ کے بعد کوئی وحی نازل ہو سکتی ہے ؟ یہ بات اقبال کے اس انداز سے ثابت ہوتی ہے جس میں وہ غالب کے متعلقہ شعر کو فلک مشتری کے سیاق و سباق میں متعارف کراتا ہے۔ اسی طرح اس کی خط و کتابت کے بعض حصوں سے بھی یہی مفہوم ملتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جو استمرار وحی کے بارے میں ہے جس کی خاطر بلا شبہ حلاج کی پیروی کرتے ہوئے طاہرہ کو اپنی قربانی پیش کرنی پڑی۔

یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اس تحریر کو اقبال کے مقالہ کے اختتامی کلمات کے ساتھ ختم کیا جائے۔ جو ۱۹۰۷ء میں تحریر کیا گیا تھا اور جو ایران کی تازہ (۱) صورت حال کی روشنی میں عجیب و غریب مناسبت رکھتا ہے :

خالص تخیلاتی تصوف کی بابی ازم - زوردار مزاحمت کرتا ہے تصوف جو ظلم اور اذیت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وراثت میں ملنے والے تمام فلسفیانہ اور مذہبی رحجانات کو باہم مربوط کرتا ہے اور روح کو اشیاء کی ٹھوس بنیادی حقیقت کے شعور کے لئے بیدار کرتا

ہے۔بابی ازم اگرچہ انتہائی صلح کل اور عالم گیر ہے اور اس وجہ سے خاصیت کے لحاظ سے وطن پرست نہیں اس کے باوجود اس کا ایران کے ذھن پر زبردست اثر موجود ہے۔بابی ازم کا اسرار و رموز سے پاک اور عملی انداز ایران میں ہونے والی تازہ سیاسی اصلاحات کا بالواسطہ سبب سمجھا جاسکتا ہے(۱)۔

(ترجمہ:سید محمد وارث ھمدانی)

------------------

.The Bahai Faith & Islam

roceedings of a symposium

lcGill University, March 23-25,1984.

rinted in 1990. Canada.

# باب اوّل

# پس منظر

# پس منظر

انیسویں صدی مشرق پر مغربی اقوام کی سیاسی' اقتصادی اور علمی یورش کی صدی تھی۔ مغرب نے ایک بیسابقہ جنبش کے ساتھ جدید جادۂ ارتقامیں قدم رکھااور تسخیر عناصر کا آغاز کیا۔ ان کی ایجادات واختراعات نے مشرقی اقوام کو یقین دلادیا کہ گویا آفتاب مغرب سے طلوع ہو گیاہے۔ اقتصادی تگ ودواور سیاسی جدوجہد نے یورپی اقوام کو نوآبادیات قائم کرنے کی راہ دکھائی' پھر یہ ممالک یکے بعد دیگرے اسلامی ممالک پر اپناپرچم لہراتے چلے گئے۔ ایشیا' مشرق وسطی اور افریقہ کے سارے اسلامی ممالک اغیار کی نوآبادیات میں تبدیل ہو گئے۔

محکوم ممالک کارد عمل قدرتی تھا۔ یہاں کے باشندے اور تو کچھ نہ کر سکتے تھے لیکن اتنا ضرور کیا کہ دل میں ایک نفرت پالنے لگے۔ ان قاہر اقوام سے محنت' علوم اور ٹیکنالوجی سیکھنے کی بجائے مقہور قومیں ان سے ڈرنے لگیں۔ تاہم سوچنے والوں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ وہ علمی وسیاسی پسماندگی سے باہر کیسے نکل سکتے ہیں؟ جو طبقہ دینی قیادت کامدعی تھااس نے قاہر و مقہور اقوام کے درمیان خلیج کو اور وسیع کر دیا۔ تفہیم کے درمیان فاصلے بڑھے تو ظلم کے فاصلے گھٹ گئے۔ جو طبقہ قاہر اقوام کے جدید علوم وفنون سے قوم کو آراستہ کرناچاہتا تھا۔ اس کی مخالفت ہوئی۔ ایک اور طبقہ ایسا تھا جس کی نظر تاریخ کے بہاؤ پر نہ تھی اور نہ ہی ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کرناپسند کرتا تھا کہ آخران کے اندر خامیاں کون کون سی ہیں جن کے باعث غیر قومیں ان پر غالب آگئیں۔ ان حضرات نے اسلام کی برتری کو سیاسی اقتدار سے مشروط کر کے یہ فیصلہ کرلیاکہ سیاسی اقتدار کافقدان ہی ان کی ذلت وغلامی کا سبب بنا ہے۔ وہ اس طرح اپنی بد عملیوں اور بے عملیوں پر پردہ ڈالنے لگے۔ جو چند اہل بصیرت گردش لیل و نہار کے اثرات ومعجزات پر نظر رکھتے تھے انہوں نے بر صغیر مشرق وسطی' افریقہ اور حجاز میں مختلف مقاصد کے تحت تحریکیں شروع کیں ان میں سر سید' افغانی' عبدالوہاب اور محمد مہدی سوڈانی مشہور ہوئے۔ ان حضرات کے پیش نظر یہی مقصد تھا کہ ملت کو جدید علوم سے آراستہ کیا جائے۔ سیاسی اقتدار کو دوبارہ حاصل کیا جائے کہ ان کے نزدیک نیک اعمال کی بجائے یہی سیاسی اقتدار ان کو ترقی دے سکتا تھا۔ متعدد ارباب فہم و دانش ایسے بھی تھے

کہ جو یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ مسلمان امت اپنی مقررہ منزل پر پہنچ کر کسی نئی امت کو راستہ دے رہی ہو!

انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں پنجاب میں مرزا غلام احمد نے یہ آواز بلند کی کہ اگر آئین قدیم میں دوام پیدا کر کے قوم کو نئی راہوں پر چلانا ہے تو بیشک آئین' ثقافت' روایات وہی رہیں لیکن ان کو ایسا مامور مانا جائے جو مسلمان کو مسلمان تر بنائے۔ مگر چونکہ اس شخص کے ہاتھ میں کوئی جدید نسخہ شفا نہ تھا۔ اس لئے قوم اس کی آواز پر کان نہ دھر سکی' اور وہ قوم کے احیاء میں ناکام رہا۔ اس دور میں ارباب فکر و دانش مباحثے کرنے لگے اور اس سوال کا جواب تلاش کرنے لگے کہ کیا کسی قوم کی نشاۃ ثانیہ ممکن ہے اور اگر ممکن ہے تو کیسے ممکن ہے۔ سیاسی اقتدار سے جدید علوم سے یا تجدید دین سے؟ سیاسی قدرت کے حصول کے لئے افغانی نے اتحاد ملت اسلامیہ کا نظریہ پیش کیا جدید علوم کے لئے سر سید نے جدوجہد شروع کی۔ شریعت کے ذریعے آزادی و وقار حاصل کرنے کی راہ دکھانے والوں میں عبدالوہاب نے دشت نجد و حجاز میں سعی شروع کر دی۔ اقتدار و تعلیم کے ذریعے احیائے قوم کے حامیوں کی راہ میں کوئی بڑی رکاوٹ نہ تھی۔ لیکن تجدید شریعت کا کام اتنا آسان نہ تھا۔

ادھر مغربی تہذیب کے غلبہ نے سابقہ شریعت کے تقریباً سبھی قوانین کو بے اثر کر کے رکھ دیا تھا۔ موسم بدلا تو لباس کی ضرورتیں بھی بدلیں۔ منزل تبدیل ہوئی تو مسافروں کی حاجتیں بھی مختلف ہو گئیں۔ ماضی کے تقاضے اور تھے۔ مستقبل کی ضرورت اور!

علماء اور فقہاء کے سامنے یہ ایک بڑا چیلنج تھا۔ ادیب کا خامہ انگشت بدنداں ہو گیا اور خطیب کا ناطقہ سر بگریباں رہ گیا کہ اب کیا کیا جائے۔ آگے بڑھیں تو ہاتھ سے دین جاتا ہے اور کھڑے ہو جائیں تو زندہ کیسے رہیں؟ بینم نہ بینم در پیچ و تابم۔

آخر ایک حل نکال لیا گیا۔ وہ یہ کہ اجتہاد کا بند کیا ہوا دروازہ وا کیا جائے۔ جدید مسائل و مشکلات کا حل قدیم فقہ کی روشنی میں کیا جائے۔ مگر اجتہاد کیسے ہو' اجتہاد کے شرائط کیا ہیں۔ اجتہاد کرنے کا مجاز کون ہے۔ اجتہاد پر عمل کیونکر کروایا جائے۔ اجتہاد کن مسائل میں کروایا جائے۔ مجتہد کو کون مقرر کرے گا۔ اگر از خود آدمی مجتہد بن جائے تو مجتہدین کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ ہر علاقے اور ہر ملک کا ایک الگ مجتہد ہو گا تو مرکزیت کیسے قائم ہو گی' کیا

مجتہد حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر سکتا ہے جسکی زمانے کو ضرورت ہے ؟ کیا مجتہد معصوم عن الخطاء ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں ہے تو عوام اس کے اجتہاد پر عمل کی بنیاد کیسے رکھیں۔ کیا اجتہاد کے ذریعے دنیا کے بڑے بڑے شرعی' اقتصادی' تمدنی' معاشرتی اور سیاسی مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے۔ اگر نکالا جاسکتا ہے۔ تو اسلام سے قبل نئی شریعتیں یکے بعد دیگرے کیوں آتی رہیں۔ کیا سابقہ ادیان کے علماء اسی اجتہاد کے بہانے جو نئے ادیان کو ٹھکراتے رہے وہ ٹھیک تھا۔ اگر ہم استمرار ہدایت کے قانون کو اجتہاد کے ذریعے ناگزیر ثابت کرسکتے ہیں تو سوچنا پڑے گا کہ گذشتہ امتیں یہ کام کیوں نہ کر سکیں! ایک سوال کو حل کرنے نکلے تو شاخ در شاخ سوال پیدا ہوتے چلے گئے!

غرضیکہ ہزاروں سوال سامنے آئے۔ جواب کوئی نہ دے سکا۔ علامہ اقبال اجتہاد کے استمرار کی بدولت ہی فقہ اسلام کے دوام کے حامی تھے۔

ایران میں انیسویں صدی کی چوتھی دہائی سے ایک نئے دین کا آغاز ہوا جس کے بانی شیراز کے پچیس سالہ سید علی محمد باب تھے پھر پانچویں دہائی میں بانی دین بہائی دین کے نام سے مشہور ہوا۔ جس کے بانی ایران کے مرزا حسین علی ملقب بہ بہاء اللہ تھے۔

پہلے سید باب نے اور پھر حضرت بہاء اللہ نے انسانوں کے جائز الخطاء اجتہاد کی جگہ وحی خداوندی کی معصوم و بے خطار ہنمائی کا دعوی کیا اور مشرق و مغرب میں نئی تبدیلیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے پیچیدہ مسائل کا حل پیش کر دیا۔

ان دونوں شخصیتوں کی علماء حکام اور رعایا کی طرف سے زبردست مخالفت کی گئی' چنانچہ سید باب کو سات سال تک قید و بند میں رکھ کر آخر کار ۱۸۵۰ء میں تبریز میں صلیب پر چڑھادیا گیا۔ جناب بہاء اللہ کو چالیس برسوں تک ایران 'بغداد' ترکی اور فلسطین میں قید میں رکھا گیا جہاں آپ نے ۱۸۹۲ء میں وفات پائی۔ حضرت بہاء اللہ کے کلام' تعلیمات' استدلال اور جدید علم کلام میں زبردست قوت تھی جس کی بدولت ان کا نظریہ "ارتقا بذریعہ وحی" دنیا کے سارے براعظموں میں پھیل گیا۔ مسائل میں گھری ہوئی انسانیت کو اس منطق میں بڑی صداقت نظر آئی کہ نوع انسانی کو مادی و روحانی ترقی کے لئے مجتہدین کی جگہ مظاہر ظہور کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

میرا خیال ہے کہ ہمارے برصغیر میں بہائی تعلیمات انیسویں صدی کے پانچویں عشرے میں بالواسطہ پہنچنا شروع ہوئی ہوں گی۔ غالب اور سر سید دونوں ایسے شخص تھے جو قلب تابناک اور ذھن رسا کے مالک تھے۔ دونوں نے بھانپ لیا تھا کہ اب تمدن کی پرانی بساط لپیٹ دی گئی ہے اور اس کی جگہ نئی بساط بچھائی جا رہی ہے۔ غالب نے باطنی فراست سے اور سر سید نے یورپ کی سیاحت کے دوران اس راز کو پالیا تھا کہ اب اصلاحی تحریکیں اور اجتہادی مکاتب سے امت کی رہنمائی نہیں کی جاسکتی تھی۔

غالب مایوسی کے عالم میں کہتے ہیں :

درد ناساز است و درمان نیز هم دهر بی پروا و یزدان نیز هم(۱)

مرزا اسد اللہ غالب ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۶۹ء میں فوت ہوئے۔

خاتون عجم طاہرہ کے روحانی رہنما سید باب شیرازی ۱۸۴۴ء سے ۱۸۵۰ء کے درمیانی عرصہ میں سرزمین ایران میں شجاعت و فداکاری کی تاریخ بنا رہے تھے اس وقت مرزا غالب دہلی میں تاریخ مغلیہ رقم کرنے پر مامور تھے۔

۱۸۶۹ء میں مرزا غالب نے آنکھیں بند کیں تو اس زمانے میں طاہرہ کے آئیڈیل حضرت بہاء اللہ عکا کے زندان میں قید تنہائی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور خطوط کے ذریعے شاہان عالم کو محبت و اتحاد کا پیغام دے رہے تھے۔

مرزا غالب زندگی میں عشق و انقلاب کا ترجمان شاعر تھا۔ اسی عشق و محبت کے طفیل منصور حلاج کی چوتھی صدی ہجری غالب کی تیرھویں صدی ہجری سے ہم آغوش ہوگئی تھی۔

حضرت باب نے قدیم رسوم و قیود، فرسودہ خیالات اور "کہنگی" کے خلاف آواز اٹھائی اور ادھر دہلی کے اسد اللہ خان غالب نے اس تحریک کے حق میں کہا۔

رفتم که کهنگی ز تماشا بر افگنم

در بزم رنگ و بو نمطی دیگر افگنم(۲)

---

۱- کلیات غالب ج ۳، ص ۳۰۴۔

۲- ایضاً، ص ۲۶۷۔

غالب کا کیش رسوم اور ملتوں کو مٹا کر انہیں متحد کرنا تھا کہ یہی سچی روحانیت ہے اور یہی بہائی تعلیم بھی۔

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

غالب اسلام اور ھندو دین کی جگہ نئے دین کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

خوش بود فارغ ز بند کفر و ایمان زیستن
حیف کافر مردن و آوخ مسلمان زیستن (۱)

غالب کی معاصر ایرانی شاعرہ قرۃ العین طاہرہ رسوم و قیود اور توہمات کے خلاف اس طرح آواز بلند کرتی ہے۔

آزاد شود دھر ز اوھام و خرافات
آسوده شود خلق ز تخییل و توسوس (۲)

غالب و طاہرہ ایسے دور میں پیدا ہوئے جب مغربی تہذیب کے فروغ کے نتیجے میں پرانی قدروں کو زوال آ رہا تھا۔ دونوں نے انقلاب کا پیغام دیا اور ایک نئے تمدن کی پیش گوئی کی۔ "نوائے غالب" کے تحت علامہ اقبال نے غالب کی غزل درج کی ہے۔ جس کا مطلع ہے۔

بیا که قاعدهٔ آسمان بگردانیم قضا بگردش رطل گران بگردانیم

اقبال نے کہا:

خیز و پا در جادهٔ دیگر بنه جوش سودای کهن از سر بنه

"خاتون عجم" نے اسی "جادہ دیگر" میں پاؤں رکھا تھا اور سر سے "سودائے کہن" کو باہر نکال دیا تھا۔ قرۃ العین طاہرہ پہلی خاتون ہے جس نے دنیا میں بیداری نسواں کی تحریک کا آغاز کیا۔

مرزا غالب جانتے تھے کہ ایجادات اور وسائل زندگی کے ذریعے ترقی کے نئے

---

۱- کلیات غالب ج ۳، ص ۳۱۵۔ ۲- خاتون عجم، ص ۱۴۱ ۳۔

نئے امکانات پیدا ہو رہے ہیں۔ نئے زمان کے ظہور سے نئے عوالم فکر و عمل جلوہ گر ہو رہے ہیں۔ نئے ھنگاموں میں نیا آدم تخلیق ہو گا اور نئے جادۂ ارتقاء کے لئے نیا قافلہ سالار آئے گا۔ وہ ''مثنوی ابر گہربار'' میں اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

این که می گوئی توانا کردگار
چون محمد دیگری آرد بکار
با خداوند دو گیتی آفرین
ممتنع نبود ظهور این چنین
نغز گفتی نغز تر باید شنفت
آنکه پنداری که هست اندر نهفت
گرچه فخر دودهٔ عالم بود
هم بقدر خاتمیت کم بود
صورت آرایش عالم نگر
يك مه و يك مهر يك خاتم نگر
اینکه می گویم جوابی بیش نیست
مهر و مه زان جلوه تابی بیش نیست
آنکه مهر و ماه و اختر آفرید
می تواند مهر دیگر آفرید
حق دو مهر از سوی خاور آورد
کور باد آن کونه باور آورد
خواهد از ہر ذره آرد عالمی
هم بود ہر عالمی را خاتمی
ہر کجا هنگامهٔ عالم بود
رحمة اللعالمینی هم بود

کثرت ابداع عالم خوب تر

یا بیك عالم دو خاتم خوب تر

در یکی عالم دو تا خاتم مجوی

صد ہزاران عالم و خاتم بگوی (۱)

اس مثنوی میں غالب یہ فلسفہ بیان کرتے ہیں کہ جس خدا نے مہر و مہ بنائے ہیں وہ اور مہر و مہ بھی بنا سکتا ہے۔ یعنی جس خدا نے دین اسلام ﺗﺮل کیا۔ وہ خدا دوسرا دین بھی کسی دوسرے پیغمبر کے ذریعے نازل کر سکتا ہے کہ وہ یفعل مایشاء و یحکم ما یرید ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ غالب حضرت باب (مہدی) اور حضرت بہاء اللہ (مسیح) کے ظہور کی پیش گوئی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دو آفتاب مشرق کی طرف سے لا رہا ہے۔

حق دو مہر از سوی خاور آورد، کور باد آنکو نه باور آورد

خاور (مشرق) سرزمین ایران کو کہا گیا ہے۔ جہاں سے یہ دو آفتاب طلوع ہوئے۔ قائم آل محمدؐ حضرت باب کا ایک لقب "حضرت اعلیٰ" ہے۔ غالب نے کہا:

شحنۂ مدح "حضرت اعلیٰ" است

سخن دل پسند را میرم (۲)

غالب اپنے عہد کو دور قیامت سمجھتے تھے۔

حشر است و خدا داور و ہنگامه به پایان

ای شکوۂ بی مہری احباب کجائی

مرزا غالب دور کہن کے خاتمہ اور عالم نو کے آغاز کے آرزومند تھے۔

رفتم که کہنگی ز تماشا بر افگنم

در بزم رنگ و بو نمطے دیگر افگنم

غالب کے شاگرد مولانا حالی بھی اسی مایوسی کے عالم میں یہ سوچ رہے تھے کہ کیا مسلمان قوم اپنا دور پورا کر چکی؟۔ ان کا یہ شعر مشہور ہے:

---

۱۔ مثنوی ابر گہربار۔ ۲۔ کلیات غالب ج ۳، ص ۳۰۵۔

ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم "قضا" ہے
بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہ بنے

حالی نے امت کے بگاڑ اور زوال کو "حکم خدا" متعدد دلائل کے پیش نظر کہا تھا۔ اولاً سنت خداوندی یہی رہی ہے کہ ایک امت برپا ہوتی ہے، ترقی کرتی ہے۔ اور پھر زوال و نیستی کے آغوش میں سو جاتی ہے۔

ثانیاً گذشتہ اقوام کی تاریخ اسی عروج و زوال کی کہانی سناتی ہے اس لئے ہمیں ان سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔

ثالثاً صحائف اور احادیث میں امت کی عمر بتلا دی گئی ہے۔ اب اگر اس کی موت واقع ہو گئی تو اسے خدائی وعدوں کا پورا ہونا ہی جاننا چاہیئے۔ اور یہی حکم خدا ہے کہ یہ امت قضائے الٰہی سے "مرحوم" ہو گئی۔

امتوں کا آغاز اور انجام ایک طبعی امر اور قانون قدرت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ مولانا حالی مسلمان امت کا انجام بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

جہاں خاک اڑتی ہے ہر سو برابر
پھر اک باغ دیکھے گا اجڑا سراسر

ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر

ہوئے روکھ جس کے جلانے کے قابل
نہیں پھول پھل جس میں آنے کے قابل

سر سید کے رفقائے خمسہ میں ایک نواب محسن الملک تھے۔ آپ نے بہائی لٹریچر کا مطالعہ کیا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ بہائی تعلیمات و فلسفہ کا ابلاغ اپنے ملنے جلنے والوں سے خاص طور سے سر سید سے تو ضروری ہی کرتے ہوں گے۔ اس کے ثبوت میں ہم بمبئی کے بہائی خسرو بمان کے رسالہ "نوید جاوید" سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ نواب صاحب بمبئی اور پونہ کے بہائیوں سے بھی ملاقات کرتے رہے۔ خسرو بمان کے بقول انہوں نے حضرت عبد البہاء کے حضور نواب صاحب کا سلام عقیدت بھی پہنچایا تھا جس کے جواب میں آپ نے لوح نازل فرمائی تھی۔ اب کتاب کا اقتباس دیکھئے:

وقتی یکی از مشاهیر هندوستان موسوم به نواب محسن الملك با پسر یکی از متمولین بمبئی وارد هوتل شدند۔ نواب مذکور بنده را خواسته فرمودند یك کتابی برای ما بیاورید بخوانیم ۔ بنده کتاب مثنوی

(روم) برای ایشان بردم - فرمودند این گونه کتابها را من بسیار خوانده ام من شنیده ام که کتاب جدید نزد شما هست -خیلی میل دارم که از آثار جدیده و تعالیم بدیعه زیارت کنم - چون دیده شد که با کمال ادب و اخلاق اظهار طلب و اشتیاق می فرمایند لهذا کتاب مبارك ''ایقان'' به ایشان دادم - با کمال خضوع و احترام گرفته مشغول بخواندن شدند پس از دو ساعتی باز بنده را خواستند - در وقت ملاقات از کرسی خود برخواسته با نهایت وقار و سکون کتاب مبارك'' ایقان'' را بوسیده فرمودند ''تا حال در عالم دیانت کتابی باین خوبی و تمامی بااین فصاحت و بلاغت دیده نشد- واقعاً در عالم ایمان و عرفان يك باب جدید و اطمینان شدیدی- از این کتاب مقدس به وجه انسان مفتوح میشود- تاکنون من باین درجه مطلع نبودم'' ازان ببعد مکرر با بهائیان پونه و بمبئی ملاقات می فرمودند - و از این امر مبارك اظهار مسرت و اطمینان میکردند حتی وقتی خواهش آن نمودند که ذکر شان حضور مبارك حضرت عبدالبهاء روحی لاحباء االفداء عرض شود - چون ذکر ایشان عرض شد - لوح مقدس بافتخار ایشان صادر گردید که بارها اظهار شکر و ثنا می نمودند و حامد این فضل و عطا بودند (۱)-

غالب کے بعد بر صغیر کا بڑا مفکر اور تجدد پسند سر سید احمد خان تھا- جس نے حضرت باب اور حضرت بہاء اللہ کے باعث اس راز کو پالیا تھا کہ ہمیں ترقی کرنی ہے اور زندہ رہنا ہے تو نئے علوم و فنون کے ساتھ نئی عالمی تہذیب کو بھی اپنانا ہوگا۔ سر سید ادب 'تاریخ' ثقافت 'روایات' ، تعلیم 'دین' زبان' ہنر اور اقتصادیات کے میدان میں تجدید کرنا چاہتے تھے۔ان کو یقین تھا کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہو چکا ہے جو مشرقی اقوام کو اپنی حرارت اور روشنی سے زندہ کر رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر سر سید پیدا نہ ہوتے تو اقبال بھی پیدا نہ

---

۱-نوید جاوید' ص ۵۵-

ہوتے۔ سرسید نے ان تمام معاشرتی، معاشی سیاسی اور اقتصادی مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی جو مسائل ان کے عہد کے لوگوں کو پریشان کئے ہوئے تھے۔ سرسید احمد خان حضرت بہاء اللہ کے معاصر تھے۔ وہ ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹۸ء میں فوت ہوئے۔ حضرت بہاء اللہ کا دور حیات ۱۸۱۷ سے ۱۸۹۲ تک ہے۔ لگتا ہے کہ سرسید نے بابی و بہائی تعلیمات سے استفادہ کیا ہو گا۔ مگر کیسے اور کہاں؟ یہ امر ابھی تک پردۂ خفا میں ہے، سرسید ساری زندگی اس کوشش میں رہے کہ امت مسلمہ کسی طرح دوبارہ زندہ ہو جائے۔ اس "احیاء" اور "نشاۃ ثانیہ" کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ مگر آپ کو اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ کیونکہ اتنا بڑا پیغمبرانہ کام خدا کا مظہر ظہور ہی کر سکتا ہے چنانچہ آپ اپنے آخری غیر مکمل مضمون میں جو انہوں نے وفات سے صرف بائیس روز پہلے تحریر کرنا شروع کیا تھا کہتے ہیں: "ہر ایک قوم کی ترقی، عروج اور نام آوری کی ایک عمر ہوتی ہے جس طرح کہ ایک انسان کی۔ انسان پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، جوان ہوتا ہے، بوڑھا ہوتا ہے اور آخیر کو مر جاتا ہے۔ اس کے بڑھنے، جوان ہونے اور بڈھا ہونے کے اور مرنے کے طبعی اسباب ہوتے ہیں جو کسی کے روکے سے رک نہیں سکتے۔ اس طرح ایک وحشی قوم ترقی کرتی ہے نام آور ہوتی ہے، عروج پر پہنچ جاتی ہے پھر تنزل شروع کرتی ہے۔ بڑھاپا اسے آجاتا ہے پھر ایسی گمنام ہو جاتی ہے کہ اس پر موت کا اطلاق ہو جاتا ہے قوم کا تنزل ایک طبعی امر ہے جس طرح انسان کا بوڑھا ہونا طبعی امر ہے۔(۱)۔

سرسید اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ کوئی مجدد یا مصلح کسی قوم کو ہدایت کی راہ پر گامزن نہیں کر سکتا اس عظیم مشن کی تکمیل کیلئے "شارع" کا آنا ضروری ہے۔ سرسید ایک سوال کے جواب میں اپنے خط محررہ ۹ دسمبر ۱۸۹۱ء میں لکھتے ہیں:

"...... مرزا غلام احمد قادیانی کے کیوں لوگ پیچھے پڑے ہیں اگر ان کے نزدیک ان کو الہام ہوتا ہے تو بہتر ہم کو اس سے کیا فائدہ؟ دینیات میں کسی کا الہام جب تک اس کو شارع تسلیم نہ کر لیا جائے کسی کام کا نہیں"(۲)۔

---

۱-مقالات سرسید حصہ ششم، ص ۱۴۰۔ ۲-زندہ رود، ص ۵۵۱۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر سید صاحب شریعت پیغمبر کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ وہ صاحب شریعت مہدی اور امام العصر والزمان کا مقام بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"...... غور کرنا چاہئے کہ ہرگاہ زمانہ حادث ہے اور نئے نئے امور اور نئی نئی حاجتیں ہم کو پیش آتی ہیں پس اگر ہمارے پاس زندہ مجتہد نہ ہوں گے تو ہم مردہ مجتہدوں سے نئی بات کا مسئلہ جو ان کے زمانے میں حادث بھی نہیں ہوئی تھی کیونکر پوچھیں گے پس ہمارے لئے بھی مجتہد العصر والزمان کا ہونا ضروری ہے(۱)۔

سر سید جدید احکام الٰہی کی ضرورت کے بارے میں لکھتے ہیں : "قدیم اصول مذہبی یہ ہے کہ انسان مذہب کے لئے پیدا ہوا ہے جدید اصول یہ ہے کہ مذہب انسان کے لئے پیدا ہوا ہے"۔

قوموں کے عروج و زوال کے متعلق یہ بعینہ وہ تھیوری ہے جو حضرت باب اور حضرت بہاء اللہ نے پیش کی ہے۔

سر سید ایک اور جگہ مسلمان امت کی مدت عروج و زوال تیرہویں صدی ہجری متعین کرتے ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں :

"...... اہل اسلام بہت جلد ہی اس زمانہ میں پھر چلے گئے اور زمانہ جدید کی روشنی سے آنکھ بند کر لی اس لئے بہ مجبوری ہم کو زمانہ قدیم کی وسعت کو ۱۳۰۰ھ نبوی تک بڑھانا پڑا" (۲)۔

چنانچہ تیرھویں صدی ہجری (۱۲۶۰ھ) میں حضرت سید علی محمد باب نے امام مہدی و قائم آل محمد ہونے کا اعلان فرما کر نئے دور کا آغاز کر دیا۔

یہ تھا زوال امت کا وہ سیاسی دینی اور تمدنی پس منظر جس میں اقبال نے ہوش سنبھالا اور روح عصر کا ادراک کر کے حیات نو کا پیغام دیا جو امر بہائی کے پیغام کی گونج تھی۔ اقبال کے اکثر شارحین کی توجہ اس طرف نہیں گئی لیکن جو حضرات فکر اقبال کے اس مأخذ

---

۱- سر سید اور اصلاح معاشرہ، ص ۱۰۰۔ ۲- مقالات سر سید، حصہ اول۔

کا علم رکھتے تھے وہ کچھ تو تعصب و تنگ نظری کی وجہ سے اور کچھ غالباً "فساد خلق" کے خوف سے خاموش رہے۔ اور یہ نہ بتا سکے کہ اقبال نے اپنی شب فکر کو حضرت بہاء اللہ کے چراغ سے ہی تابناک کیا تھا۔

اقبال سمجھتے تھے کہ ساری اقوام کی روح مردہ ہو چکی ہے۔ آپ لکھتے ہیں: "عصر حاضر کی ذہنی سرگرمیوں سے جو نتائج مرتب ہوئے ان کے زیر اثر انسانی روح مردہ ہو چکی ہے یعنی وہ اپنے ضمیر اور باطن سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے (۱)۔

تاریخ کے طویل ادوار میں پہلے بھی قوموں پر روحانی اور ذہنی موت وارد ہوتی رہی ہے سوال یہ ہے کہ اس وقت مجددین و مفکرین اور مصلحین نے ان کو زندگی کیوں عطا نہ کی؟ پہلے تو خدا مردہ اقوام کو زندہ کرنے کیلئے مظاہر ظہور بھیجتا رہا تو خدا نے اب اپنی سنت کیوں تبدیل کر لی۔ اور پیغمبروں کا کام امتوں پر کیوں ڈال دیا! اقبال "شکوہ" میں اس موت کا برملا اظہار کرتے ہیں:

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود!
هم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

مسلمانوں کے زوال کے بارے میں علامہ کہتے ہیں:

ساقی دیرینہ را ساغر شکست بزم رندان حجازی بر شکست
کعبه آباد است از اصنام ما خنده زن کفر است بر اسلام ما (۲)
رفت سوز سینۂ تاتار و کرد یا مسلمان مرد یا قرآن بمرد

اور پھر نظم "گورستان شاهی" کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

آہ! مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا آسماں سے ابر آذاری اٹھا، برسا، گیا

اقبال کا ارشاد ہے:

---

۱- تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ص ۲۱۹۔
۲- اسرار خودی۔

وقت آنست که "آئین دگر" تازه کنیم
لوح دل پاک بشوئیم و ز سر تازه کنیم
چشم بکشای اگر چشم تو صاحب نظر است
زندگی درپئے تعمیر "جهان دگر" است

-------

ترازوئی بنه کردار خود را
قیامت ہائے پیشیں را برانگیز

-------

زمانه از رخ فردا کشود بند نقاب
معاشراں همه سرمست بادۂ دوش اند

-------

زانکه آیات خدا لا انتہاست
اے مسافر جاده را پایاں کجاست (۱)

☆☆☆

---

۱- کلیات اقبال فارسی۔

## باب دوم

# امر بہائی پاکستان میں

# امرِ بہائی پاکستان میں

حضرت سید علی محمد باب (۱۸۱۹ء-۱۸۵۰ء) اپنی تعلیمات کی تبلیغ کے لئے ممالک ترک اور ارض ہند (برصغیر) کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ آپ "قیوم الاسماء" میں سلاطین کو خطاب کر کے فرماتے ہیں "اے گروہ سلاطین! ہماری آیات کو ترک اور ارضِ ہند تک تیزی سے پہنچادو"۔ (ترجمہ)

بعد میں حضرت بہاء اللہ حضرت عبدالبہاء اور حضرت شوقی ربانی کے ادوار میں برصغیر پاک و ہند پر خاص توجہ دی گئی۔

حضرت باب کے ماموں جناب سیّد علی شیراز اور بوشہر میں کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے بمبئی میں بھی ایک ایجنسی کھول رکھی تھی۔ خود حضرت باب اس کاروبار میں ۱۸۳۵ء سے ۱۸۴۴ء تک اُن کے شریک و معاون رہے۔

حضرت باب کے اٹھارہ حروف حی میں ایک جناب سعید ہندی ہیں جو غالباً ملتان کے رہنے والے تھے۔ وہ بہ سلسلۂ تعلیم کچھ عرصہ کے لئے عراق چلے گئے۔ اور سیّد کاظم رشتی کے محضر سے استفادہ کرتے رہے۔ اور اس طرح ان کے ممتاز شاگردوں میں شمار ہونے لگے۔ دیگر حروف حی کی مانند سعید ہندی بھی بصیرت اور باطنی کشش کی بدولت عراق سے شیراز پہنچے اور حضرت باب پر ایمان لائے تب آپ کو برصغیر کی طرف تبلیغ کے لئے روانہ کیا گیا۔

چنانچہ سعید ہندی شیراز سے ملتان پہنچے اور لوگوں کو ظہور امام مہدی و قائم آل محمد کی بشارت دینے لگے۔ اس سے زیادہ جناب سعید ہندی کے بارے میں ابھی تک معلومات فراہم نہیں ہو سکیں۔ ملتان میں اُن کی ملاقات ایک نابینا مگر عالم و عارف شخص بصیر ہندی (ملتانی) سے ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سید جلال بخاری کی اولاد سے تھے اور فرقہ جلالیہ سے اُن کا تعلق تھا۔ جناب سعید ہندی کے ذریعے بصیر ہندی حضرت باب پر ایمان لائے۔ اور پھر فوراً آپ کے دیدار کے لئے شیراز روانہ ہو گئے۔ شیراز پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت باب کو آذربائیجان کے پہاڑوں میں قید کر دیا گیا ہے اور اُن سے ملاقات آسان نہیں ہے۔

چنانچہ بصیر ہندی ملتانی جن کو قدرت نے عجیب بصیرت عطا کی تھی حضرت بہاء اللہ کے محل تولّد طہران پہنچے اور اس شہر کی زیارت کی۔ یہاں سے آپ نے قلعہ شیخ طبرسی جا کر اصحاب قلعہ سے ملاقات کی پھر نور (مازندران) میں حضرت بہاء اللہ کے حضور مشرف ہوئے۔ اور آخر کار ایران میں ہی شہید کر دیئے گئے۔

بمبئی صدر اسلام سے ہی ایرانی زرتشتیوں (پارسیوں) کا مرکز بن گیا تھا۔ جب حضرت باب نے اعلانِ امر فرمایا تو یزد کے چند مومنین بمبئی آگئے اُن میں آپ کے ننھیال کے رشتہ دار بھی تھے جو افنان کہلاتے تھے۔

حضرات افنان میں حاجی سیّد محمود اور حاجی سیّد مرزا مہدی غالباً ۱۸۷۰ء کے لگ بھگ بمبئی آئے اور کاروبار کرنے لگے۔ ان کی کمپنی کا نام "حاجی سیّد مرزا محمود اینڈ کمپنی" تھا۔ کچھ برسوں کے بعد انہوں نے "مطبع ناصری" کے نام سے اپنا ذاتی پریس قائم کر لیا۔ جس میں دیگر کتب کے علاوہ بہائی الواح و آثار مبارکہ شائع ہوتے رہے۔

حضرات افنان ایران، ہندوستان اور ارض اقدس کے درمیان ایک رابطہ کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ ایران سے بہائی احباب حضراتِ افنان سے مل کر ارضِ اقدس جاتے۔ عکا میں حضرت بہاء اللہ کے حضور مشرف ہوتے اور واپسی پر ایران و ہندوستان کے احباب کے نام الواح لے کر آتے۔ برصغیر میں بمبئی پہلا مضبوط بہائی مرکز ہے جہاں سے امر اللہ کا آوازہ ہندوستان اور موجودہ پاکستان اور برما تک پہنچا۔

کہا جاتا ہے کہ بمبئی کے ان حضرات افنان نے حضرت بہاء اللہ کے حضور استدعا کی تھی کہ ہندوستان کے لئے کوئی مبلغ مامور فرمایا جائے۔ جس وقت یہ درخواست ساحت اقدس میں پیش ہوئی اس وقت جناب سلیمان خان تنکابنی حضور میں مشرف تھے۔ چنانچہ حضرت بہاء اللہ نے سلیمان خان کو جمال الدین اور لمیع کے القاب عنایت فرمائے اور برصغیر پاک و ہند اور برما میں تبلیغ کرنے کے لئے مامور فرمایا۔

جناب سلیمان خان جو جمال افندی کے نام سے مشہور ہوئے اس سے پہلے کچھ مدت تک ترکی میں تبلیغ کر چکے تھے۔ آپ عربی، فارسی اور ترکی جانتے تھے۔ اُن کا عرفان عمیق، علم ٹھوس، اخلاق پسندیدہ، بیان شیریں اور رفتار متین تھی۔ وہ بڑی بارعب شخصیت

کے مالک تھے۔ عارف و سالک اور جہانگرد تھے۔ اُن کا چہرہ نورانی اور پُر کشش تھا۔ سفید گھنی ریش رکھتے تھے۔ اور سر پر تاج درویشانہ خوب سجتا تھا۔

آپ حکم مبارک ملتے ہی تیار ہو گئے۔ ایک بہائی دوست میرزا حسن کی معیت میں پورٹ سعید پہنچے اور وہاں سے بذریعہ کشتی بمبئی آئے۔ یہ ۱۸۷۲ء کا واقعہ ہے۔ جمال آفندی بمبئی اور دیگر علاقوں میں تبلیغ کرنے لگے۔ جہاں جاتے اعیان شہر' علماء' صوفیاء اور طبقہ امراء کو امر بہائی کی تعلیمات سے روشناس کراتے۔ آپ کی تبلیغ اور تعلیمات مبارکہ کی بدولت برصغیر میں تجدد و اصطلاح کی کئی تحریکیں اُبھریں جن میں ایک آریہ سماج کی تحریک ہے۔ ۱۸۷۶ء میں لال قلعہ دہلی میں ملکہ برطانیہ کی رسم تاجپوشی ہوئی تو جمال آفندی نے اس تقریب میں شرکت کی اور شرکاء کو فرداً فرداً تعلیمات سے آگاہ کیا۔ آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی اُن میں سے ایک تھے جو بہائی تعلیمات سے متاثر ہوئے۔

مرحوم سیّد محفوظ الحق علمی کے مطابق جمال آفندی نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے بھی مفصل ملاقات کر کے ظہور مہدی و مسیح کی بشارت دی تھی اور حضرت بہاء اللہ کی عربی و فارسی الواح مبارکہ سے بھرا ہوا ایک صندوقچہ پیش کیا تھا۔ چنانچہ مرزا غلام احمد صاحب اپنی کتاب "البلاغ" (فریاد درد) مؤلفہ ۱۸۹۸ء میں اقرار کرتے ہیں کہ "میں نے کتب مذہب بابی کا مطالعہ کیا ہے"۔

حضرت جمال آفندی نے برصغیر کے علاوہ برما' سری لنکا' تھائی لینڈ' سنگاپور' جاوا وغیرہ ممالک کا دورہ کیا۔ اس سفر کے دوران جناب مصطفےٰ رومی اُن کے ہمراہ تھے۔ جمال افندی پہلی مرتبہ ۱۸۷۲ء سے ۱۸۸۴ء تک گیارہ سال سفر کر کے واپس عکا چلے گئے۔ مگر حضرت بہاء اللہ نے دوبارہ اُن کو مامور فرمایا اب آپ حاجی فرج اللہ تفرشی کی رفاقت میں ۲۰ مارچ ۱۸۸۸ء کو ہندوستان آئے۔

اس مرتبہ آپ نے سابقہ مبتدیوں سے ملاقات کے علاوہ مزید علاقوں کا سفر کیا۔ یہ سفر ڈیڑھ سال تک جاری رہا۔ آپ نے لاہور' پونچھ' جموں' کشمیر' تبت' لدّاخ' یارقند' بدخشاں اور بلخ کا سفر کیا۔ انہوں نے لداخ کے کمشنر کے دفتر میں تبلیغ کی تو ایک ملازم احمد الدین بہائی ہوا۔ یہاں سے آپ محرم ۱۸۸۹ء میں سری نگر وارد ہوئے۔ پنجاب و کشمیر اور

تبت کے سفر کے بعد آپ مدراس پہنچے اور وہاں تبلیغ کرتے رہے۔

۱۹۰۰ء میں ایک امریکن بہائی جناب سڈنی سپراگ لاہور آئے اور کچھ عرصہ کے لئے تبلیغ کرتے رہے۔ اسی زمانے میں امریکن بہائی مبلغ والٹر ہوپر ہیرس اور ہارلین ایک ماہ تک لاہور میں قیام فرما چکے تھے۔ پھر مرزا محمود زرقانی نے لاہور کو مرکز تبلیغ بنایا۔

میرزا محمود زرقانی شیراز کے نزدیک قصبہ زرقان کے رہنے والے تھے۔ آپ معروف بہائی مبلغ میرزا حیدر علی کے ہمراہ تبلیغ کرتے رہے۔ حضرت عبدالبہاء کے حکم مبارک کے مطابق آپ ۱۹۰۲ء میں لاہور پہنچے پھر پنجاب و سرحد کا دورہ کیا۔ پشاور میں چند دن قیام کیا اور گجرات و پنجاب' میں تقریباً چار ماہ رہائش پذیر رہے۔ ۱۹۰۴ء میں آپ انار کلی میں واقع دفتر "پیسہ اخبار" میں بھی قیام فرما رہے۔ ۱۹۰۲ء میں علامہ اقبال سے اُن کے روابط قائم ہوئے اور ۱۹۰۵ء تک قائم رہے۔

میرزا محمود زرقانی نے اگست ۱۹۰۴ء میں "پیسہ اخبار" کے ذریعے مرزا غلام احمد صاحب کو جو اُن دنوں لاہور آئے ہوئے تھے چیلنج کیا اور دعوت دی کہ شرفائے شہر کی محفل میں گفتگو کر کے یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ سچا مدعی مسیحیت کون ہے۔ آپ یا حضرت بہاء اللہ؟ جو اکتالیس سال پہلے ۱۸۶۳ء میں بغداد میں اپنا دعویٰ منوا چکے ہیں۔

لیکن مرزا غلام احمد صاحب نہ گفتگو کے لئے تیار ہوئے اور نہ ہی کبھی اس موضوع پر کچھ لکھا۔ مرزا محمود زرقانی نے برصغیر کا دوسرا سفر ۱۹۱۴ء میں کیا اور بمبئی میں قیام پذیر رہے۔ ۱۹۱۹ء میں واپس عکا چلے گئے تیسری مرتبہ آپ حضرت مصطفیٰ رومی کے ساتھ بمبئی آئے اور اس اولین بہائی کانونشن کے انعقاد میں ہمکاری فرمائی جو محفل ملی کے انتخاب کے لئے اواخر دسمبر ۱۹۲۰ء میں بمبئی منعقد ہوا۔ زرقانی چوتھی مرتبہ ۱۹۲۴ء میں ہندوستان آئے' اس سفر کے دوران حیدر آباد دکن میں معروف قادیانی مبلغ سیّد علمی کی ان سے ملاقات ہوئی اور آپ کی تبلیغ سے جناب علمی بہائی ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ ایران چلے گئے اور ۱۹۲۷ء میں ان کارشت میں صعود واقع ہو گیا۔

جس طرح ہندوستان میں امر اللہ کی اشاعت بمبئی کے مرکز کے ذریعے ہوئی۔ اسی طرح کراچی وہ ساحلی شہر ہے جہاں سے امر بہائی اندرونِ سندھ اور پاکستان کے دیگر

صوبوں نیز ریاست جموں و کشمیر، آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات تک پہنچا۔ ۱۹۱۷ء میں ایک بہائی ایران سے مہاجرت کر کے کراچی آئے۔ یہاں کے احباب نے ۱۹۲۱ء میں محفل روحانی تشکیل دی اور ملک کے دوسرے علاقوں کے سفر کرنے لگے۔ ایک نوجوان مرزا محمد رضا شیراز سے کراچی آئے اور کراچی کے سندھ "مدرسۃ الاسلام" سے میٹرک کرنے کے بعد کالج کی تعلیم کے لئے بمبئی چلے گئے تھے۔

معروف بہائی عالم جناب میرزا محرم کے ذریعے پروفیسر شیرازی ۱۹۰۸ء میں بمبئی میں بہائی ہوئے۔ اور پھر فارغ التحصیل ہونے کے بعد سندھ میں تبلیغ امر کرنے لگے۔

انہوں نے میرزا قلیچ بیگ اور گر بخشانی جیسے مشاہیر ادب سے دوستانہ روابط پیدا کئے۔ میرزا قلیچ بیگ نے "ہفت وادی" کا سندھی ترجمہ "اسرار جو خزانو" کے نام سے شائع کیا۔ مرحوم شیرازی ڈی جے سندھ کالج میں ۱۹۲۵ء تک فارسی کے پروفیسر رہے۔

۱۹۱۳ء میں مسز سٹینارڈ نے کراچی اور سندھ کا دورہ کیا۔ اس سے پہلے سیالکوٹ کے پروفیسر پریتم سنگھ، سکھ دھرم سے بہائی ہو چکے تھے۔ آپ علامہ اقبال کے ہم وطن تھے۔ دونوں کی دوستی آخر دم تک قائم رہی۔

۱۹۲۱ء میں فارسی مجلہ "البشارت" جو جناب محمود زرقانی کی ادارت میں بمبئی سے شائع ہوتا تھا۔ کراچی منتقل ہو گیا اور جناب پروفیسر شیرازی کی ادارت میں چھپنے لگا۔

۱۹۳۲ء تک اردو میں مندرجہ ذیل بہائی کتابیں شائع ہو چکی تھیں جو زیادہ تر ترجمہ ہیں۔ "لوح ابن ذئب، ہفت وادی، دور بہائی کتاب ظہور، شش الواح، کلمات مکنونہ، باب الحیات، المعیار الصحیح۔

تبلیغ کے ساتھ ساتھ پاکستان کے یہ مٹھی بھر بہائی احباب لٹریچر کی طباعت کی ضرورت سے غافل نہ تھے چنانچہ "بہائی پبلشنگ کمیٹی" کے نام سے کراچی میں ایک ادارہ ۱۹۳۰ء میں قائم کیا جو اب بہائی پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ہے۔ اس ٹرسٹ کی طرف سے درجنوں بہائی کتابیں اردو، فارسی، انگریزی میں اور کچھ پمفلٹ سندھی، پشتو، بلوچی، گوجری اور بلتی میں شائع ہوئیں۔ یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو لاہور سے پروفیسر پریتم سنگھ کی ادارت میں

انگریزی ہفت روزہ "دی بہائی" شائع ہونا شروع ہوا جو ۱۹۳۳ء تک چھپتا رہا۔ جناب پروفیسر نے ایک لائبریری بھی قائم کر رکھی تھی جہاں سے کتابیں جاری کی جاتی تھیں، علاوہ ازیں آپ نے بہائی سٹڈی سرکل بنا رکھا تھا۔ اور ایک ادارہ "یونٹی لیگ" کے نام سے بھی قائم کیا تھا۔ اس طرح لاہور، پنجاب میں بہائی فعالیتوں کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا۔

۱۹۳۶ء میں کشمیر کے ممتاز عالم اور سیاستدان جناب مولوی محمد عبداللہ وکیل بہائی ہوئے اور ۱۹۴۶ء میں وہاں محفل قائم ہوئی۔

کراچی میں ہندوبرما کا نواں اور دسواں کانونشن ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء میں ہوا۔ اس میں امریکن خاتون حضرت مارتھا روٹ تشریف لائیں۔ آپ نے یہاں تین ماہ تک قیام کیا۔ اور قرۃالعین طاہرہ پر اپنی تحقیقی کتاب "طاہرہ۔دی پیور" شائع کی۔ انہوں نے پنجاب و جموں اور کشمیر کا سفر بھی کیا۔ کتاب "بہاء اللہ و عصر جدید" کا اردو اور گجراتی ترجمہ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔ مبلغین سیار کی کوششوں سے جموں میں امر اللہ کا اعلان عام ہوا۔ ۱۹۴۶ء میں اس شہر کے ایک روشن ضمیر جوان سیّد کرامت علی شاہ (خیاط) ظل امر اللہ میں داخل ہوئے۔ پھر چند اور حضرات کے بہائی ہونے پر اسی سال جموں کی پہلی محفل روحانی قائم ہوئی۔

قیام پاکستان کے بعد متعدد بہائی خاندان ہندوستان سے یہاں چلے آئے تھے۔ اس طرح نئے مراکز امری اور محافل میں اضافہ ہوا۔ ایرانی مہاجرین مقامی احباب اور ہندوستان سے آئے ہوئے دوستوں کی مثلث نے امر اللہ کی پیش رفت میں نمایاں اضافہ کر دیا۔

بہائی مجلّہ "بشارت" کراچی میں جناب محفوظ الحق علمی کی زیرادارت چھپنا شروع ہوا۔ پھر یہ مجلّہ "بہائی میگزین" کے نام سے لاہور سے اور پھر دوبارہ کراچی سے شائع ہوتا رہا۔

پشاور میں تبلیغی کام میرزا محمود زرقانی اور بعد میں مارتھا روٹ نے شروع کیا۔ پھر جناب مولوی عبداللہ وکیل، جناب اسفندیار بختیاری اور مولوی فضل دین کی کوششوں سے محفل ۱۹۴۷ء میں قائم ہوئی۔

پاکستان میں امر بہائی کی آمد اور پیش رفت سے متعلق اس مختصر سے تعارف نامہ کو میں ان عظیم مبلغین کے اسمائے گرامی سے مزیّن کرنا چاہتا ہوں جو ایران، امریکہ اور یورپ

وغیرہ سے یہاں بہ سلسلہ تبلیغ و تشویق تشریف لاتے رہے۔ان میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں۔مارتھاروٹ، مرزامنیر نبیل زادہ، محمود زرقانی، طرازاللہ سمندری، ولی اللہ ورقا، شعاع اللہ علائی، علی اکبر فروتن، ذکراللہ خادم، رحمت اللہ مہاجر، موسیٰ بنانی، ابوالقاسم فیضی، ہوشمند فتح اعظم، ابن ابہر، احمد صمیمی، احمد یزدانی، اشراق خاوری، مسیح فرہنگی، کمال الدین بخت آور، محمد علی فیضی، عزیز اللہ سلیمانی، کامل عباس، علی آزری، ہادی رحمانی، فرزین رحمانی، شاہ فلاخر، ڈروتھی بیکر، یوگو گیاچری، فیدراسٹون، پال ہینی، فل سٹرپ، ڈیوڈ ہوفمین، شیخ محی الدین الکردی وغیرہ۔

بانی پاکستان قائداعظم حضرت محمد علی جناح نے اپنے خطابات میں بار بار وعدہ کیا ہے کہ پاکستان میں مذہبی اقلیتیں عبادات رسم و رواج اور عقائد کی تبلیغ وغیرہ میں آزاد ہوں گی۔ان کے حقوق اکثریت کے برابر ہوں گے۔ان کی جان ومال اور عزت و آبرو کا ہر قیمت پر تحفظ کیا جائے گا۔یہ اسلامی ریاست کا فرض ہوگا کہ وہ ان کی خوشحالی کو یقینی بنائے اور ان کی سلامتی کی ضمانت دے۔

یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کی حکومتیں قائداعظم کے ارشادات کی روشنی میں اپنی مذہبی اقلیتوں-ہندوؤں، مسیحیوں، پارسیوں، بودھوں اور بہائیوں وغیرہ کا پوری طرح خیال رکھتی رہی ہیں، پاکستان اپنی اس شاندار پالیسی اور روایت پر جس قدر فخر کرے کم ہے، پاکستان کے عوام ہر امتیاز سے بالاتر ہو کر ملک کی ترقی اور ملت کی خوشحالی کے لئے کام کرتے رہے ہیں۔اور کر رہے ہیں۔محبت و ہم آہنگی کی سطح پر یہاں عملاً اقلیت و اکثریت میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔اگر حقوق کی پائمالی کا کوئی واقعہ ہوا بھی تو اس کے پیچھے یا تو سیاست کا ہاتھ تھا اور یا مذہبی تعصب کا مگر ہمارے عوام ہمیشہ صلح جو رہے ہیں۔

بہائی جامعہ ایک مستقل آزاد اور بین الاقوامی مذہبی اقلیت ہے۔ تازہ ترین اعداد و شمار کی رو سے دنیا کے پانچوں براعظموں میں ۱۸۰ بہائی محافل ملیہ قائم ہیں۔ تیس ہزار سے زیادہ محافل محلیہ موجود ہیں۔ایک لاکھ سولہ ہزار سے زائد مراکز کام کر رہے ہیں۔اکیس سو سے زیادہ قبائل امر بہائی میں شامل ہو چکے ہیں۔چار سو کے قریب حظائر القدس اور املاک امری حاصل کئے گئے ہیں۔ آٹھ سو زبانوں میں بہائی لٹریچر دستیاب ہے۔چار سو ستّر بہائی

اسکول قائم ہیں۔ دو سو سے زیادہ اقتصادی و معاشی ترقی کے پراجیکٹ چل رہے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے غیر سیاسی اداروں میں بین الاقوامی جامعہ بہائی کو نمائندگی حاصل ہے۔ اہل بہا کے سات مستقل نجی ریڈیو اسٹیشن کام کر رہے ہیں۔ تین یونیورسٹیوں میں بہائی چیئر قائم ہیں۔ بے شمار ممالک شرق و غرب نے بہائیوں کو ایک مذہبی اقلیت تسلیم کر کے ان کے حقوق کو تسلیم کر لیا ہے۔ دنیا میں اکیس سال سے اوپر کے بہائیوں کی تعداد آٹھ ملین سے زیادہ ہے۔ امر بہائی کے بانی حضرت بہاء اللہ نے اپنے پیروؤں کو ملکی سیاست میں عدمِ مداخلت، بر سر اقتدار حکومت کی غیر مشروط اطاعت، عوام کی خدمت اور ملکی ترقی و خوشحالی کے لئے فعالیت کو واجب قرار دیا ہے۔

دیگر ممالک کے اہل بہاء کی طرح پاکستان کے بہائی بھی مذکورہ بالا ہدایات پر سختی سے کاربند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی حکومت اور عوام اس مذہبی اقلیت کی روش، اخلاق، برتاؤ اور عمل سے مطمئن ہیں اور معترف و مداح بھی۔ پاکستان کا بہائی جامعہ اپنے وطن عزیز کی ترقی و خوشحالی کے لئے سرگرم عمل رہا ہے اور رہے گا۔

☆☆☆

## باب سوم

# امر بہائی سے اقبال کی آشنائی
## (سال بہ سال)

حضرت علامہ اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) نے دنیا کی بڑی بڑی علمی ‘ادبی تحریکوں اور سیاسی شخصیات کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ وہ معاصر فکری تحریکوں سے بھی بخوبی واقف اور مختلف نظام ہائے زندگی سے پوری طرح آشنا تھے۔ اس طرح انہوں نے تمام مثبت اور مفید افکار و نظریات کی نہ صرف حمایت کی بلکہ ان کو اپنے نظام فکر میں سمو لیا تھا وہ ایک غیر متعصب فلسفی اور درد دل رکھنے والے مصلح تھے۔ اقبال کہتے ہیں:

"میں کسی قوم کے فرقہ سے متعلق تعصب نہیں رکھتا...... میں ہندوستانیوں کو پرامن دیکھنا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ ہر فرقے کو اپنی تہذیب اور انفرادیت بر قرار رکھنے کی اجازت ہو"(۱)۔

علامہ اقبال کی شاعری اور نثری تحریروں میں بہائی تعلیمات کی جھلک نظر آتی ہے جس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ انہوں نے امر بہائی کے پیغام کا خوب مطالعہ کیا تھا اور وہ ایک حد تک اس کے معترف بھی تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالہ کے شروع میں امر بہائی کی مختصر تاریخ اور تعلیمات دے دی جائیں۔

## حضرت باب (۱۸۱۹ء-۱۸۵۰ء)

امر بہائی کے مبشر حضرت سید علی محمد باب ۱۸۱۹ء میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ ۲۳ مئی ۱۸۴۴ء کو قائم آل محمد امام مہدی ہونے کا اعلان کیا۔ آپ کو سات سال تک قید و بند میں رکھا گیا اور آخر کار ۹ جولائی ۱۸۵۰ء کو تبریز میں شہید کر دیا گیا۔ ان سات برسوں میں آپ پر عربی و فارسی میں اسی سے زیادہ صحائف نازل ہوئے۔ کتاب "البیان" بابی شریعت کی کتاب ہے۔ نیز اس میں من یظہرہ اللہ (حضرت بہاء اللہ) کے ظہور کی بشارت دی گئی۔ سید باب پر جان دینے والوں کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے۔ آپ کا روضہ اقدس کوہ کرمل پر ہے۔

## حضرت بہاء اللہ (۱۸۱۷ء-۱۸۹۲ء)

مرزا حسین علی بہاء اللہ ۱۸۱۷ء میں طہران میں پیدا ہوئے۔ آپ ستائیس سال

---

۱- اقبالیات کی تلاش۔

کی عمر میں حضرت باب پر ایمان لائے۔ ۱۹۵۲ء میں آپ کو طہران میں زیر زمین زندان "سیاہ چال" میں قید کر دیا گیا۔ پہلی وحی الہی اسی زندان میں اتری۔ اسی سال آپ کو جلاوطن کر کے بغداد بھیج دیا گیا۔ ۱۸۶۳ء میں حضرت بہاء اللہ نے من یظہرہ اللہ اور موعود کل ادیان ہونے کا دعوی فرمایا پھر اسی سال آپ کو ترکی کے شہر ادرنہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ ۱۸۶۸ء میں وہاں سے منتقل کر کے عکا کے قلعے میں قید کیا گیا۔ آپ آخری دم تک حکومت ترکی کی قید و بند میں رہے اور آخر کار ۱۸۹۲ء میں عکا میں صعود فرمایا۔ آپ کا روضہ مبارکہ عکا کے نزدیک بھجی میں ہے۔ حضرت بہاء اللہ پر عربی و فارسی میں جو کلام الہی نازل ہوا اس کی تقریباً ایک سو جلدیں بنتی ہیں۔ "الاقدس" بہائی شریعت کا آسمانی صحیفہ ہے۔ اس وقت دنیا کے ہر ملک میں امر بہائی پہنچ چکا ہے۔

## حضرت عبدالبہاء (۱۹۲۱ء-۱۸۴۴ء)

حضرت عبدالبہاء ۲۳ مئی ۱۸۴۴ء کی رات طہران میں متولد ہوئے۔ آپ ساری زندگی اپنے والد محترم کے ساتھ قید و بند میں رہے۔ ۱۸۹۲ء میں حضرت بہاء اللہ کی تحریری وصیت کے مطابق آپ کے جانشین اور مرکز میثاق بنے۔ حضرت عبدالبہاء کو ۱۹۰۸ء میں قید سے رہائی ملی تو آپ نے ۱۳-۱۹۱۱ء میں دو سال تک یورپ و امریکہ کا مفصل سفر کیا اور اقوام عالم کو صلح و محبت اور اتفاق و اتحاد کا بہائی پیغام دیا۔ آپ نے ۱۹۲۱ء میں صعود فرمایا۔ مزار مقدس کوہ کرمل پر ہے۔

## حضرت شوقی آفندی (۱۹۵۷ء-۱۸۹۷ء)

حضرت شوقی آفندی حضرت عبدالبہاء کے نواسے تھے۔ آپ ۱۹۲۱ء میں حضرت عبدالبہاء کی تحریری وصیت کی رو سے ولایت امر اللہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ زبردست منتظم، مصنف، مترجم اور دانشمند تھے۔ ۱۹۵۷ء میں آپ کا صعود ہوا۔ تو اس کے سات سال بعد ۱۹۶۳ء میں اولین بیت العدل اعظم الہی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس معصوم عن الخطاء ادارے کی پیش بینی حضرت بہاء اللہ نے فرمائی ہے۔ اب ہر پانچ سال کے بعد بہائی طریق انتخاب کے مطابق اس کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔ ہر ملک کی محفل ملی کے

اعضاء اس کے لئے خفیہ ووٹ دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس وقت ۱۸۱ ممالک میں محافل ملیہ قائم ہیں۔ ایک ملک میں ایک ہی محفل ملی ہوتی ہے۔

## چند بہائی تعلیمات

افراد سے خاندان' خاندانوں سے قبیلے' قبیلوں سے قوم اور قوموں سے نوع بشر مرتب ہوئی۔ ہزاروں سال ایک قوم دوسری قوم سے جدا رہی۔ ایک ملک دوسرے ملک سے الگ رہا۔ اب قدرت کے قانون ارتقاء نے قوموں کو ملا دیا۔ نوع انسان کی رگوں کے تار باہم جوڑ دیئے گئے۔ اب عالم میں بین الاقوامی دور حیات کا آغاز ہے۔ اس لیے ایسے بین الاقوامی دین کی ضرورت ہے جو کل قوموں کو ایک ہی قوم اور ایک ہی برادری بنادے۔ عالمی اتحاد و مساوات قائم کر کے سب کو ظاہری و باطنی ترقیات دے۔

مذاہب عالم نہروں کی مانند چلے آتے ہیں اور اب آکر عالمگیر دین وحدت میں جمع ہو گئے ہیں۔ انبیائے عالم اور کتب مقدسہ کی پیشگوئیاں ظہور میں آگئی ہیں۔ ہادیان عالم نے اسی وقت کے لئے سب کو تیار کیا تھا جس منزل تک انسان پہنچ چکا ہے اب اس سے آگے بڑھنا ہے۔ کاروان عالم بڑی تیزی سے چلا جارہا ہے۔

اقوام عالم اپنے اپنے قدیم قوانین و مذاہب کی منزلوں سے گزر کر بین الاقوامی دین و قوانین کی سرحدوں میں داخل ہو رہی ہیں۔ فطرت عالم پکار پکار کر سب کو نئے دین اور نئے نظام کی طرف بلا رہی ہے۔ بشارت ہو کہ اقتضائے وقت کے مطابق دنیا میں امر بہائی نے ظہور فرمایا ہے۔

۲۲ مئی ۱۸۴۴ء کی شام کو غروب آفتاب کے دو گھنٹے اور ۱۱ منٹ پر شہر شیراز میں حضرت سیدّ علی محمد باب نے اعلان فرمایا کہ آج نئے دور عالم کا آغاز ہو گیا اب میرے بعد انیس سال میں وہ عظیم الشان مصلح عالم ظہور فرمائے گا۔ جو تمام انسانوں کو عالمگیر اصلاح و ترقی کا نظام دیگا۔ میں مہدی موعود قائم آل محمدؐ ہوں اور آنیوالا ظہور عظیم مسیح موعود ہوگا۔ حضرت باب جان کی قربانی دیتے ہوئے ۱۸۵۰ء میں شہید کر دیئے گئے۔ مگر ان کی دعوت اور بھی زور پکڑ گئی۔ ہزارہا عظیم ہستیاں اسی راہ میں فدا ہوئیں۔ بیس ہزار فداکار شہید ہوئے۔ وہ

توپوں سے باندھے گئے۔ درختوں پر لٹکائے گئے۔ اونچی اونچی عمارتوں سے گرائے گئے' جلائے گئے' دریا میں ڈوبائے گئے لیکن وہ حق و صداقت پر قائم رہے۔ وہ ہر وقت دعائیں کرتے تھے' نمازیں پڑھتے تھے پاکیزہ لباس پہنتے تھے۔ خوشبو لگاتے تھے تاکہ وہ آنیوالا محبوب موعود ظاہر ہو تو کمال خوبی سے استقبال کریں۔

ایسے وقت میں وہ مصلح عالم جلوہ گر ہوئے جن کا لقبِ مبارک "حضرت بہاء اللہ" ہے اس ظہور اعظم میں دوبارہ ہنگامہ قیامت برپا ہوا۔ سلطنت لرز گئی' علماء تھرا گئے۔ نئی اصلاحات کی دھوم مچ گئی۔ حضرت بہاء اللہ کو دو مرتبہ قید کیا گیا۔ ایران سے بغداد بھیجا گیا۔ جہاں ۱۸۶۳ء میں حضرت بہاء اللہ نے بعثت کا عظیم الشان اعلان کیا۔ ایرانی اور ترکی حکومتوں کے انتظام سے حضرت بہاء اللہ بغداد سے قسطنطنیہ اور وہاں سے اڈریانوپل پھر وہاں سے عکاء فلسطین میں پہنچائے گئے۔ حضرت بہاء اللہ نے اپنے عالمی پیغام بادشاہاں عالم کو بھیجے جن میں شاہ ایران' سلطان ترکی' ملکہ وکٹوریہ' قیصر جرمنی' نپولین سوم اور زار روس وغیرہ مخاطب تھے۔ ۱۸۹۲ء آپ کا صعود ہوا تو ان کے بیٹے حضرت عبدالبہاء عباس آفندی جانشین ہوئے۔ جنہوں نے ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۳ء تک یورپ اور امریکہ میں امر اللہ کی تبلیغ واشاعت فرمائی۔ ہزارہا قابل ترین حضرات بہائی دین میں داخل ہوئے۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۵۷ء تک حضرت شوقی ربانی ولی امر اللہ عالم امر کی قیادت فرماتے رہے۔ ۱۹۶۳ء میں بیت العدل اعظم منتخب ہوا۔ اب یہی ہیئت معصوم مرجع و رہنمائے اہل بہاء ہے۔

## چند تعلیمات

### "ہمہ گیر تلاش حقیقت"

ہر شخص کو پوری آزادی سے تلاش حقیقت میں مصروف ہونا چاہئے کوئی آدمی دوسرے کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ دوسرے کی عقل سے نہیں سمجھ سکتا۔ ذاتی بصیرت اور تحقیق ہی زندگی کی بنیاد ہے۔

### "عالمگیر تعلیم و تربیت"

علم زندگی ہے اور جہالت موت۔ تعلیم کے بغیر آدمی انسان نہیں بن سکتا۔ ابتدائی

تعلیم و تربیت لازمی، جبریہ اور ہمہ گیر ہونی چاہئے۔ تاکہ دنیا میں کوئی آدمی جاہل نہ رہنے پائے۔ ہر ملک میں ہر قوم اور ہر شخص کے ہر لڑکے اور لڑکی کو تعلیم دو۔ اس حکم کی خلاف ورزی کا گناہ ہرگز نہ بخشا جائے گا۔

## "وحدتِ عالمِ انسانی"

اللہ نے تمام انسانوں کو ایک ہی قوم بنالیا ہے۔ سب کو ایک خاندان کے افراد بن کر رہنا چاہئے۔ سب انسان باہم ملکر خوشی خوشی زندگی بسر کریں وحدت کی جنت میں داخل ہو جائیں کوئی کسی کو غیریت کی نظر سے نہ دیکھے۔

## "ترکِ تعصّبات"

مذہبی تعصب، قومی تعصب، وطنی تعصب، نسلی تعصب، رنگ کا تعصب، سیاسی تعصب اور زبان کا تعصب دنیا کو جلا ڈالنے والی آگ ہے۔ وحدت و محبت کے پانی سے اس آگ کو بجھادو۔ یہ تفرقے انسانیت کے لیے مہلک ہیں انہیں صفحۂ ہستی سے مٹادو۔

## "ہمہ گیر مساوات"

سب انسان حقوق زندگی میں برابر ہیں۔ کوئی قوم اور کوئی فرد کسی فرد کو غلام نہ بنائے۔ اعتدال و مساوات میں قائم ہو کر ترقی و راحت حاصل کریں۔

## "مساوات مرد و زن"

مرد و زن، فطرت و انسانیت میں ایک ہی ہیں۔ عزت اور زندگی کے حقوق میں دونوں کو یکساں ہونا چاہئے۔ عورت اور مرد کا درجہ برابر کر دیا گیا ہے۔ انسانیت ایک پرندہ ہے مرد و زن دو بازو ہیں۔ دونوں بازوؤں کو یکساں قوی بنائیں اور وسیع فضائے ترقیات میں اونچی پرواز کریں۔

## "اعتدال اقتصادیات"

دولت کا عدم توازن انسانیت کو بے چین کر رہا ہے ایک انسان کے قبضے میں کروڑوں کروڑ روپے اور کروڑوں انسانوں کے پاس ایک ایک روپیہ بھی نہیں۔ اقوام عالم ایسا

انتظام کریں کہ ہر فرد و بشر خوشحال ہو۔ لباس، خوراک، مکان اور ضروریات زندگی سب کو پورے طور پر حاصل ہوں کسب و کار میں مشغول ہونے کو خدا نے فرض عین اور عبادت قرار دیا ہے۔ گداگری کو حرام کر دیا ہے۔

## "عالمی نظام حکومت"

سب کو مل کر ایسا نظام حکومت قائم کرنا چاہئے جو تمام عالم کو متحد کر دے مشترکہ نظام کے لئے متفقہ کوشش کریں اور زندگی و ترقی کے معراج کمال پر پہنچیں۔

## "عالمگیر صلح و محبت"

اللہ نے ہمیں محبت و اتحاد کے لیے پیدا کیا ہے۔ جنگ و فساد کے لیے نہیں۔ صلح زندگی اور دشمنی موت ہے۔ عالمگیر صلح انسانیت کی جنت ہے۔ اپنے ہی وطن سے محبت قابل فخربات نہیں۔ فضیلت اس کو حاصل ہے جو سارے عالم سے محبت رکھتا ہے۔

## "عالمی زبان و تحریر"

یوں تو اقوام کی الگ الگ زبانیں بکثرت ہیں لیکن نوع انسان کی متحدہ زبان کوئی نہیں۔ حکم دیا گیا کہ وحدت عالم انسانی کے لیے سب ملکر ایک عالمی زبان ایجاد یا انتخاب کریں تاکہ ساری دنیا ایک گھر کی مانند ہو جائے۔ جس میں ایک ہی زبان بولی جائے۔ اور ایک ہی رسم الخط میں لکھی اور پڑھی جائے۔

## "وحدت ادیان عالم"

مذہبی بغض و تعصب ایک عالم سوز آتش ہلاکت ہے جس کا بجھانا سخت دشوار ہے۔ مگر قدرت الٰہی کا ہاتھ اسے بجھا کر رہے گا۔ آج خدا کا دین یہ ہے کہ مختلف ملکوں اور متعدد مذہبوں کو لڑائی جھگڑے کا موجب نہ بناؤ۔ تمام دینوں کی حقیقت ایک ہے۔ وحدت حقیقت کو خوب سمجھ کر مرکز اتحاد پر جمع ہو جاؤ۔ سب پیغمبر اپنی حقیقتِ رسالت میں ایک ہیں۔ اے اُمتو! تم بھی ایک ہو جاؤ۔

# "اتحاد عقل و دین"

دین اور سائنس جسم و جاں کی طرح متحد ہو کر نوع انسان کی ترقی کیلئے کام کریں۔ خدا کا دین عقل سلیم کے خلاف نہیں ہے۔ دنیا کو روشن کرنے کیلئے سائنس برقی قندیل ہے۔ دین اس کی حقیقی روشنی ہے۔

بشارت ہو کہ اس نئے دور وحدت میں سب دینوں کی حقیقت اور تمام پیغمبروں کی عظمت آشکار ہو گئی حقوق بشر کی مساوات قائم ہو گئی۔ عورت کو مرد کے برابر درجہ دیا جائے گا۔ مالی مشکلات کا حل اور نیا انتظام کیا جائے گا۔ قومی و نسلی تعصب و امتیازات مٹ جائیں گے۔ متحدہ انسانی برادری منظم ہو جائے گی۔ سیاسی اور حکومتی تفرقوں کی بجائے ایک عالمی حکومت کا نظام ہو گا۔ مختلف زبانوں کی جگہ ایک عالمی زبان یکساں بولی اور لکھی جائے گی۔ جبریہ تعلیم کا نفاذ کل جہان میں ہو گا۔ دین اور سائنس مل جل کر کام کریں گے۔ بین الاقوامی ادب اور نصاب تعلیم بین الاقوامی عدالت بین الاقوامی مجلس قانون ساز بین الاقوامی فوج اور پولیس بین الاقوامی سکے بین الاقوامی اوزان اور پیمانے سارے عالم میں یکساں ہوں گے۔ ہر جگہ خوشحالی کا دور دورہ ہو گا۔ اخلاق و روحانیت کو عروج کامل حاصل ہو گا۔ عالمگیر امن قائم ہو گا۔ سب انسان آپس میں بھائی بھائی کی طرح زندگی بسر کریں گے۔ دنیا بہشت بریں بن جائے گی۔

حضرت عبدالبہاء فرماتے ہیں۔

"......اس عجیب و غریب دور میں زمین ایک اور زمین بن جائے گی۔ افراد انسانی امن اور خوبصورتی کے زیور سے آراستہ ہوں گے۔ فساد و نزاع اور خونریزی کی جگہ اتحاد، خلوص، اتفاق جلوہ گر ہوں گے۔ قوموں اور نسلوں اور ملکوں کے درمیان محبت و اُلفت نمایاں ہو گی۔ باہمی امداد و اتحاد کا سلسلہ قائم ہو گا۔ اور آخر کار جنگ دنیا سے بالکل نیست و نابود ہو جائے گی۔

میں تم میں سے ہر ایک کو یہ پُر زور نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے سارے دل سے اپنے خیالات کو محبت و اتحاد پر جماؤ۔ نفرت کے جذبات کو محبت کے قوی تر جذبات سے مٹا دو۔ یہ خیال نہ کرو کہ دنیا میں عالمگیر امن کا قیام ایک ناممکن الوقوع خیال ہے۔ خدا کی وسیع رحمت

کے آگے کوئی بات ناممکن نہیں۔ اگر تم پکے ارادہ سے اقوام عالم کے ساتھ محبت کا خیال دل میں خوب جمالو گے تو تمہارا یہ روحانی اور سچا خیال پھیل کر دوسروں کی بھی دلی تمنا بن جائے گا۔ حتیٰ کہ قوی ہوتا ہوا سب لوگوں کے دلوں تک پہنچ جائے گا۔

حضرت عبدالبہاء نے پیرس میں ۱۹۱۱ء میں فرمایا۔ دنیا کی تمام قومیں اور حکومتیں ایک عدالت عالیہ قائم کریں گی۔ جس میں ہر قوم اور ہر حکومت کے نمائندے ہوا کریں گے۔ اس بڑی قوم کے ممبر کامل اتحاد کے ساتھ جمع ہوا کریں گے۔ تمام بین الاقوامی جھگڑے اس عدالت کے سامنے پیش ہوا کریں گے۔ اور اس عدالت کا کام ان سب الجھنوں کو سلجھانا ہوگا جو جنگ کا موجب ہوں۔

"اس نئے دور میں جمال قدم اور اسم اعظم نے نامتناہی فیوض کے ساتھ افق عالم سے تجلی فرمائی ہے۔ کلمۃ اللہ نے انسانی حقائق میں ایسی قوۃ و قدرت ظاہر فرمائی ہے کہ بشری نقائص دبتے جارہے ہیں تجلی الٰہی نے سب کو دریائے وحدت میں غوطہ دیدیا ہے۔ اب فرمان الٰہی یہ ہے کہ احبائی الٰہی احدیت کا جھنڈا بلند کریں۔ تمام دنیا کی مجالس میں آیات الفت تلاوت کریں اور سب کو فیض الٰہی کی احدیت کا راستہ دکھائیں۔ یہانتک کہ تقدس کا خیمہ تمام جہاں میں بلند ہو جائے۔ تمام قومیں اور امتیں کلمۂ توحید کے سائے تلے جمع ہو جائیں"۔

"الحمدللہ! اس نئے دور میں الفت کے احکام الٰہی محدود نہیں اور کسی ایک جماعت میں محصور نہیں ہیں۔ آج خداوند عالم سب احباب کو تمام قوموں کے ساتھ الفت محبت اور رعایت وعنایت کا حکم دیتا ہے"۔

حضرت ولی امر اللہ شوقی ربانی ارشاد فرماتے ہیں۔

"......اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا بھر کی ایک سلطنت قائم ہو کر رہے گی جس کے حق میں تمام حکومتیں جنگی اختیارات ٹیکس لگانے کے کچھ اختیارات اور اسلحہ بندی کے سب اختیارات سے دستبردار ہو جائیں گی۔ دنیا بھر کی پارلیمنٹ قائم کی جائے گی۔ جس کے ممبروں کا انتخاب لوگ اپنے اپنے ملک میں سے کیا کریں گے۔

ساری دُنیا کے لوگ ایک برادری بن جائیں گے جس میں تمام اقتصادی رکاوٹیں ہمیشہ کیلئے اٹھا دی جائیں گی اور مالک و مزدور کا باہمی رشتہ صحیح طور پر مان لیا جائے گا

مذہبی دیوانگی کا شورو شر اور جنگ و جدال ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیئے جائیں گے قومی دشمنی کی آگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھادی جائے گی۔ تمام دنیا کو ایک وطن سمجھنے کا مستقل خیال پیدا ہو جائے گا۔ انسانی اداروں کے ان لیڈروں کی کوششیں کیسی تعجب انگیز ہیں جو زمانے کی روح کا خیال نہ کر کے ان محدود قومی کاموں کو (جو اس زمانے کے مطابق تھے۔ جب قومیں اپنی اپنی چاردیواری میں محصور تھیں) اس زمانے میں چلانا چاہتے ہیں جس میں یا تو حضرت بہاء اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ساری دنیا متحد ہو جائے گی یا اس کے بر خلاف چل کر فنا ہو جائے گی۔

تمدن عالم کی تاریخ کے اس نازک مرحلے پر اقوام عالم کے لیڈروں کو لازم ہے کہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، مغربی ہوں یا مشرقی، فاتح ہوں یا مفتوح حضرت بہاء اللہ کی بلند آواز کو سنیں اور اتحاد عالم کے خیالات سے معمور ہو کر جو قبول امر اللہ کی بنیادی شرط ہے۔ کمربستہ ہوں اور بہادری سے کھڑے ہو جائیں اور اس واحد علاج کو جو خدائی طبیب نے بیمار نوع انسانی کیلئے تجویز کیا ہے، پوری طرح دنیا میں جاری کر دیں۔

قبل اس کے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے سب کو چاہیئے کہ وہ امر اللہ کی عالمگیر آغوش میں آجائیں۔

تمام نوع انسانی سب کچھ آنکھوں سے دیکھ رہی ہے مگر اتحاد کی طرف جانے سے اس کی جان جاتی ہے۔ اپنی طولانی مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے سر پٹخ رہی ہے پھر بھی اس نور کو قبول کرنے اور اس صاحب اختیار قوت کو ماننے سے انکار کر رہی ہے۔ جو اس کی گتھیوں کو سلجھا سکتی ہے اور اس سخت بلا و مصیبت کو ہٹا سکتی ہے۔ جس میں نوع انسانی پھنسنے والی ہے۔

حضرت بہاء اللہ اعلان فرماتے ہیں۔ "بہت جلد موجودہ نظام عالم لپیٹ لیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ دوسرا نظام جدید پھیلا دیا جائے گا۔"

"عنقریب مقصد الٰہی تمام عالم پر غالب و محیط ہو جائے گا اور تم دیکھو گے کہ روئے زمین بہشت بریں بن گئی ہے" (۱)۔

---

۱- ماخوذ: تجلی و ترقی۔

دین بہائی دنیا کو اس منزل مقصود تک پہنچائے گا۔ ہر قوم اور ہر ملک کے لوگ دین بہائی کو بصیرت و شوق سے قبول کر کے نئے دور کی زندگی میں قدم بڑھا رہے ہیں۔ امر بہائی کے مقاصد سے متعارف کرانے کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

علامہ اقبال نے جب ۱۸۹۸ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کیا اس وقت ایران میں بابی اور اس کے بعد بہائی تعلیمات کو پھیلے ہوئے نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا تھا۔ امر بہائی کا آوازہ جمال آفندی کے ذریعے ۱۸۷۵ء میں برصغیر پاک و ہند میں گونجا۔ جمال آفندی نے پنجاب اور جموں و کشمیر کا دورہ کیا اور وہ گیارہ سال تک سفر میں رہے دوسری بار وہ ۱۸۸۸ء میں لاہور آئے تھے۔

۱۹۰۰ء میں ایک امریکن بہائی سڈنی سپراگ لاہور شہر میں بسلسلہ تبلیغ قیام پذیر رہے۔ ۱۹۰۲ء میں ایران کے معروف بہائی مبلغ اور عالم، مرزا محمود زرقانی (وفات ۱۹۲۷ء) لاہور تشریف لائے اور ۱۹۰۸ء تک یہاں مقیم رہے۔ مرزا صاحب طبیب بھی تھے اس لئے انہوں نے انار کلی میں اپنا مطب قائم کر لیا تھا۔ علامہ اقبال بھی ان دنوں لاہور میں رہتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۰۲ء میں پروفیسر پریتم سنگھ (۱۹۵۹ء-۱۸۸۱ء) کے ذریعے علامہ اقبال کی ملاقات مرزا محمود زرقانی سے ہوئی۔ مرزا محمود زرقانی شیراز کے گاؤں زرقان میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۲۷ء میں رشت میں فوت ہوئے۔ جناب زرقانی عالم، ادیب اور شاعر تھے۔ انہوں نے برصغیر کا چار مرتبہ سفر کیا۔ اور یہاں کے مشاہیر سے ملاقاتیں کیں جن میں علامہ اقبال، سر شیخ عبدالقادر، خواجہ حسن نظامی، حکیم اجمل خاں اور نواب امین بہادر یار جنگ قابل ذکر ہیں۔ وہ حضرت عبدالبہاء کے ہمرکاب ہو کر ۱۳-۱۹۱۱ء کے دوران یورپ اور امریکہ کے سفر پر رہے اور آپ کے سیکریٹری رہے۔ جناب زرقانی کا تاریخی سفرنامہ "بدایع الاثار" کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

بزرگ بہائی جناب مہربان اختری حال (پشاور[۱]) کا زبانی بیان ہے: "میں ۱۹۴۴ء میں لاہور گیا اور وہاں بیڈن روڈ پر ریستوران چلاتا رہا۔ پروفیسر پریتم قیام پاکستان کے بعد

---

۱- جون ۱۹۹۹ء۔

سات ماہ تک لاہور میں ہی رہے۔ جناب پروفیسر مجھ سے بیان کیا کرتے تھے کہ وہ کبھی مرزا محمود زرقانی اور کبھی سید محفوظ الحق علمی کے ہمراہ اقبال سے ملاقات کرتے رہے۔ علامہ اقبال بڑے شوق سے اپنا فارسی کلام مرزا محمود زرقانی کو سناتے اور آپ جہاں ضروری ہوتا اصلاح فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح مرزا محمود کی دوستی علامہ اقبال سے ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۲۵ء تک برقرار رہی"۔ افسوس ہے کہ تعصب کی وجہ سے کسی ماہر اقبالیات نے ابھی تک اس موضوع پر نہیں لکھا اور ان ملاقاتوں کا ذکر بھی نہیں کیا۔

## پریتم سنگھ سے ملاقات

یہ بتانا ضروری ہے کہ پروفیسر پریتم سنگھ علامہ اقبال کے ہم شہری تھے۔ ان کے آپس میں دوستانہ روابط عمر بھر قائم رہے۔ پروفیسر مرحوم برصغیر کے معروف ترین بہائی مبلغ، عالم اور صحافی تھے۔ انہوں نے علامہ اقبال کو امر بہائی کا مفصل تعارف کروایا تھا۔ پروفیسر پریتم سنگھ ۱۹۰۵ء میں ایچی سن کالج میں لیکچرار رہے۔ اور آخری عمر میں دیال سنگھ کالج میں پروفیسر رہے۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی راقم کے استفسار کے جواب میں اپنے خط میں تحریر کرتے ہیں۔

"مجھے پروفیسر پریتم سنگھ کا علم ہے۔ میں ان سے ملا ہوں وہ نیک سیرت آدمی تھے۔ مگر کٹڑ بہائی تھے انہوں نے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ایک ایرانی لڑکی کو اپنایا ہوا تھا۔ میں نے اسے بھی دیکھا ہے وہ اکثر علامہ کے ہاں آتے تھے۔ اور لاہور میں ٹمپل روڈ پر رہتے تھے۔ مگر شکل وصورت میں وہ سکھ تھے"(۱)۔

پروفیسر پریتم سنگھ مکان نمبر ۳۹ ٹمپل روڈ لاہور سے ایک ہفتہ روزہ انگریزی اخبار "دی بہائی" شائع کرتے تھے۔ اس کا پہلا شمارہ ۷ جنوری ۱۹۳۱ء کو شائع ہوا تھا خیال ہے کہ یہ اخبار وہ اپنے دوست علامہ اقبال کو ضرور بھیجا کرتے ہوں گے۔ مرزا محمود زرقانی کو ۱۹۰۲ء میں حضرت عبدالبہاء نے پنجاب میں امر بہائی کا پیغام دینے کے لئے بھیجا تھا۔

---

۱۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کا خط بنام صابر آفاقی ۱۶ مئی ۱۹۷۶ء۔

پروفیسر پریتم سنگھ ایک دن مرزا محمود زرقانی سے ان کے مطب میں ملے تو علامہ اقبال کو بھی اس بارے میں بتایا اس پر علامہ اقبال کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ وہ اس ایرانی عالم و ادیب سے ملاقات کریں۔ چنانچہ یہ دونوں دوست مرزا محمود زرقانی کے پاس گئے اور پھر مرزا محمود زرقانی سے ۱۹۰۵ء تک ملاقاتیں ہوتی رہیں"(۱)۔

مرزا محمود زرقانی "پیسہ اخبار" میں مضامین لکھا کرتے تھے چنانچہ انہوں نے ۱۹۰۴ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کو اسی اخبار کے ذریعے چیلنج کیا کہ وہ شرفاء کی محفل میں اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے آئیں مگر مرزا غلام احمد کنی کترا گئے اور مقابلے میں نہ آئے۔ یہ سارا واقعہ مرزا محمود زرقانی نے "جواب لیکچر جناب قادیانی" میں لکھا ہے۔ مرزا محمود زرقانی نے ایک بار پھر مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کو سابقہ دعوت تحقیق و مقابلہ کی یاد دہانی کراتے ہوئے لکھا۔ "میں نے اقامت لاہور میں مرزا صاحب قادیان سے درخواست کی تھی کہ ایک مجلس مشورت کی جائے جس میں چند اہل علم وانصاف بزرگ، ثالث وشاہد مقرر کئے جائیں جن کے روبرو نہایت متانت و ملائمت، روح و ریحان و سلامت روی کے ساتھ ظہور کی حقانیت کے دلائل پیش ہوں مرزا صاحب نے قبول نہیں کیا پھر دوبارہ از سر نو لکھ رہا ہوں کہ جب تک ہم ان حدود میں مقیم وساکن ہیں پھر بھی جب تک ان کی مرضی ہو ایسی مجلس تاسیس و مقرر کی جائے ہم ہر طرح سے مقابلے کے لئے حاضر ہیں اگر مرزا صاحب قادیان اپنے دعوے میں سچے ہیں تو سچائی کو ثابت کر دکھانا ان پر کچھ دشوار نہیں ہے۔ نہایت مفید و سود مند ہے۔ اہل علم وانصاف کے روبرو ہم حضرت بہاء اللہ کا دعوے ثابت کر کے دکھائیں گے"(۲)۔

مرزا محمود زرقانی ۱۹۰۸ء تک لاہور میں مقیم رہے۔ لیکن مرزا صاحب قادیانی مقابلے میں نہ آئے۔ معروف بہائی مصنف و محقق مرحوم سید محفوظ الحق علمی "آفتاب ظہور" (غیر مطبوعہ) میں رقم طراز ہیں: "مرزا صاحب نے مقابلہ کی جرات نہ کی بالکل ساکت ہو گئے اس کے ساتھ مرزا صاحب قادیانی سے حضرت بہاء اللہ کے بارے میں باربار سوالات

---

۱- Immortals، ص ۱۱۴۔
۲- جواب لیکچر جناب قادیان۔

کئے گئے۔ جس کا مفصل ذکر اخبار "الحکم" قادیان میں ہے مگر جناب مرزا صاحب قادیانی نے جواب سے گریز کیا اور ایک حرف بھی تکذیب میں نہیں لکھا آخر تک خاموش رہے"(۱)۔

مولانا ظفر علی خان نے اخبار "زمیندار" میں مرزا محمود زرقانی کے اس چیلنج کے بارے میں لکھا ہے :

"۱۹۰۴ء میں جناب حکیم مرزا محمود ایرانی لاہور میں تھے۔ اور حضرت مرزا صاحب بھی قادیان سے لاہور آئے تھے۔ مرزا محمود بہائی نے جناب بہاء اللہ کے دعاوی اور دلائل کا مقابلہ کرنے کے لئے جناب مرزا صاحب کو لکھا جس کا ذکر مرزا صاحب کے "لیکچر لاہور" میں 'نیز اخبار "البدر" قادیان میں موجود ہے۔ جناب مرزا نے عذر فرمایا کہ مجھے ایک منٹ بھی فرصت نہیں ہے اور مطبوعہ لیکچر کے جواب میں جناب مرزا محمود بہائی سے مضمون لکھنے کی درخواست کی اور فرمایا کہ یہ طریق اس رنجش سے بھی محفوظ رکھے گا جو اکثر مباحثات میں پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ حکیم مرزا محمود صاحب بہائی نے اپنا مضمون بنام "جواب لیکچر جناب قادیانی"" پیسہ اخبار" ۵ نومبر ۱۹۰۴ء میں شائع کر دیا جو الگ بھی کئی بار شائع ہو چکا ہے اس میں پھر جناب مرزا محمود صاحب بہائی نے جناب مرزا صاحب کو چیلنج کیا لیکن جناب مرزا صاحب بالکل خاموش ہی رہے حتی کہ خاموش ہی دنیا سے چلے گئے اور بہائی دعاوی کے بالمقابل کھڑے نہ ہوئے۔ حالانکہ اس واقعہ کے بعد چار سال جناب مرزا (قادیانی) صاحب دنیا میں رہے"(۲)۔ پیسہ اخبار کے ذریعے ان مباحثات کا علم علامہ اقبال کو ضرور ہوا ہو گا۔

میرا خیال ہے کہ فارسی شاعری کی طرف میرزا محمود زرقانی نے ہی اقبال کو راغب کیا تھا۔ اس زمانے میں لاہور میں فارسی کا کوئی ایسا بڑا شاعر موجود نہ تھا جو اقبال پر اثر ڈال سکتا۔ گرامی جالندھری سے علامہ کا تعارف بعد میں ہوا۔ مرزا محمود زرقانی اہل زبان تھے۔ اور خود مسلمہ شاعر اور انشاء پرداز تھے۔ اقبال اپنی ملاقاتوں میں ان سے ضرور فارسی شعرا کا کلام سنتے ہوں گے اور ان کے دل میں شوق پیدا ہوا ہو گا کہ وہ بھی فارسی میں شعر کہنا

---

۱-آفتاب ظہور (قلمی- مملوکہ صابر آفاقی)۔ ۲-زمیندار ۱۵ اپریل ۱۹۲۴ء۔

شروع کریں۔ ہو سکتا ہے کہ سر عبدالقادر نے جس "دوست کی دعوت" کا ذکر کیا ہے وہ یہی مرزا محمود زرقانی ہوں۔ شیخ عبدالقادر لکھتے ہیں :

"...... مگر بظاہر جس چھوٹے سے واقعہ سے ان کی فارسی گوئی کی ابتداء ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ ایک دوست کے ہاں مدعو تھے۔ جہاں ان سے فارسی اشعار سنانے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں ؟ انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ انہوں نے سوائے ایک آدھ شعر کبھی کہنے کے فارسی لکھنے کی کوشش نہیں کی...... صبح اٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو دو تازہ غزلیں فارسی میں تیار تھیں "(۱)۔

علامہ اقبال کا وہ کلام جو "بانگ درا" میں شامل ہے اس بات کا آئینہ دار ہے کہ علامہ نے حکیم مرزا محمود زرقانی کے بہائی افکار سے استفادہ کیا تھا۔ امر بہائی نے وحدت ادیان، ترک تعصبات، رواداری، محبت، امن کی تعلیم دی ہے۔ علامہ کے یہ اشعار دیکھئے۔ جن کا موضوع یہی تعلیمات ہیں :

آنکھ میری اور کے غم میں سرشک آباد ہو
امتیاز ملت و آئیں سے دل آزاد ہو
(آفتاب صبح)

وصل کے اسباب پیدا ہوں تیری تحریر سے
دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تیری تقریر سے
(سید کی لوح تربت)

زحمت تنگی دریا سے گریزاں ہوں میں
وسعت بحر کی فرقت میں پریشاں ہوں میں
(موج دریا)

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
(تصویر درد)

---

۱- مقدمہ بانگ درا۔

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کا
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا
(تصویر درد)

محبت ہی سے پائی ہے شفاء بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
(تصویر درد)

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے
(نیا شوالہ)

چلنے والے نکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں
(چاند اور تارے)

ہو چکا گو قوم کی شان جلالی کا ظہور
ہے مگر باقی ابھی شان جمالی کا ظہور
(گورستان شاہی)

اقبال نے نئے عالم گیر تمدن کے ظہور کی طرف واضح اشارے کئے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ مستقبل میں ساری قومیں متحد ہو جائیں گی۔ نئے خورشید (بہاء اللہ) کے بلووں سے ''شب گریزاں'' ہو گی اور چمن ہائے عالم نئے ''نغمہ توحید'' سے معمور ہو جائیں گے ''نغمہ توحید'' سے مراد تمام اقوام و ادیان کی وحدت ہے جس کی تعلیم حضرت بہاء اللہ دیتے ہیں۔ اقبال اسی عالم گیر وحدت کی نمود کا مژدہ سناتے ہیں۔

آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

------

دگرگوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی
دل ہر ذرہ میں غوغائے رستاخیز ہے ساقی

------

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہوگا یہی ہے اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی اسی کا مشتاق ہے زمانہ (۱)

------

حضرت طاہرہ جیسی شہرۂ آفاق بہائی شاعرہ کے کلام سے علامہ اقبال ۱۹۰۲ء میں ہی آشنا ہوئے ہوں گے جب ان کی ملاقات مرزا محمود زرقانی سے ہوئی تھی۔ یہ بات ناممکن نظر آتی ہے کہ علامہ جیسا آدمی جو فارسی شعروشاعری کا دلدادہ ہو اور جس نے خود بھی فارسی میں مشق سخن شروع کی ہو مرزا محمود سے یہ استدعا نہ کرے کہ وہ ایران کے جدید شعراء کا کلام سنائیں۔ مرزا محمود خود قادر الکلام شاعر تھے۔ اس وقت جن بہائی شاعروں نے شہرت حاصل کرلی تھی ان میں مرزا نعیم اصفہانی اور طاہرہ کا نام سرفہرست تھا۔ دونوں کا کلام براؤن نے اپنے تذکرہ میں دیا ہے۔

اس دعوی پر کہ اقبال طاہرہ کے کلام سے ۱۹۰۲ء میں ہی آشنا ہوگئے تھے ایک دلیل یہ ہے کہ انھوں نے چند غزلیں اور نظمیں طاہرہ کی غزل کی بحر میں کہی ہیں (۲)۔ خاص طور سے اقبال کی نظم "میں اور تو" پیش کی جاسکتی ہے۔ جو "بانگ درا" میں شامل ہے۔ نظم یوں ہے:

---

۱۔ کلیات اقبال اردو۔

۲۔ بحر کامل۔ سالم مثمن ا (متفاعلن ۴ بار)

## میں اور تُو

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا، نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا
میں ہلاکِ جادوئے سامری، تو قتیلِ شیوۂ آزری
میں نوائے سوختہ در گلو، تو پریدہ رنگ، رمیدہ بُو
میں حکایتِ غمِ آرزو، تو حدیثِ ماتمِ دلبری
مرا عیش غم، مرا شہد سم، مری بود ہم نفسِ عدم
ترا دل حرم، گروِ عجم، ترا دیں خریدۂ کافری
دمِ زندگی رمِ زندگی غمِ زندگی سمِ زندگی
غمِ رم نہ کر سمِ غم نہ کھا کہ یہی ہے شانِ قلندری
تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری
کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اے چراغِ حرم بتا
کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشتِ سمندری
گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی "ہری ہری"
نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی، نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسد اللّٰہی، وہی مرحبی، وہی عنتری
کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغِ سکندری (۱)

---

(۱) بانگِ درا، ص ۱۹۳۔

حضرت طاہرہ کی غزل اس طرح ہے:

جذبات شوقك الجمت بسلاسل الغم و البلا
ہمه عاشقان شکسته دل که دہند جان برہِ ولا
اگر آن صنم زرہ ستم پے کشتنم بنہد قدم
لقد استقام بسیفه فلقد رضیتُ بما رضیٰ
سحر آن نگارِ ستمگرم قدمی نہاد به بسترم
فاذا رایتُ جماله طلع الصباح کانّما
نه چو زلف غالیه بار اُو ، نه چو چشم فتنه شعارِ اُو
شده نافهٔ بہمه ختن شده کافری بہمه ختا
تو که غافل از می و شاہدی پے مرد عابد و زاہدی
چه کنم که کافر و جاحدی ز خلوص نیّت اصفیا
بمراد زلف معلّقی پے اسپ وزین مغرّقی
ہمه عمر منکر مطلقی ز فقیر فارغ بی نوا"(۱)

حضرت طاہرہ کی اس مرصع غزل کا یہ شعر بعد مشہور ہوا۔ جو اس نے ناصر الدین شاہ کی چٹھی کے جواب میں لکھا تھا۔

تو و ملك و جاه سکندری من و رسم و راه قلندری
اگر آن نکوست در خوری و گر این بداست مرا سزا

اس غزل کا آخری شعر اس طرح ہے:

بگذر ز منزل ما و من بگزین بملك فنا وطن
فاذا فعلتَ بمثل ذا فلقد بلغتَ بما تشاء

علامہ اقبال نے اپنی نظم میں "سکندری" و "قلندری" کے الفاظ طاہرہ کی

---

۱- خاتون عجم، ص ۳۲۲۔

مندرجہ بالا غزل سے لئے ہیں۔

اقبال کے ان دو اشعار میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

دم زندگی رم زندگی غم زندگی سم زندگی
غم رم نہ کر سم غم نہ کھا کہ یہی ہے شان قلندری

کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری

یہاں تک کہ اقبال نے نظم کا عنوان بھی حضرت طاہرہ کے اس مصرعہ سے لیا ہے۔ جس میں "ما و من" کا ذکر ہے۔

بگذر ز منزل ما و من بگزین بملك فنا وطن

"بانگ درا" کے حصہ سوم میں شامل ایک اور غزل بھی حضرت طاہرہ کی اس غزل کی بحر میں ہے(۱)۔ غزل کا مطلع ہے۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

بعض جگہ علامہ نے طاہرہ کی تراکیب کو اپنایا ہے۔ مثال کے طور پر بال جبریل میں نظم " جبریل و ابلیس " کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

نظم کا یہ شعر دیکھئے۔

خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا
مرے طوفاں یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو(۲)

اس ساری نظم کا آہنگ وہی ہے جو طاہرہ کی اس مشہور غزل کا ہے۔

گر بتو افتدم نظر چهره به چهره رو برو
شرح دہم غم تو را نكته به نكته مو به مو

اقبال نے "یم بہ یم اور جو بہ جو" کی ترکیب برتی ہے جو حضرت طاہرہ کے اس شعر

---

۱- بحر کامل سالم مثمن۔ ۲- بال جبریل، ص ۲۴۔

میں ہمیں ملتی ہے۔

میرود از فراق تو خون دل از دو دیدہ ام
دجلہ بہ دجلہ یم بہ یم چشمہ بہ چشمہ جو بہ جو

## براؤن کی شاگردی

علامہ اقبال کیمبرج یونیورسٹی میں ۸-۱۹۰۵ء کے دوران زیر تعلیم رہے۔ وہاں ۱۹۰۲ء کے بعد ای جی براؤن (متوفی ۱۶ جنوری ۱۹۲۶ء) جیسا معروف مستشرق بحیثیت پروفیسر خدمات انجام دے رہا تھا۔ براؤن نے بابی اور بہائی دین پر وقیع کام کیا ہے اور اس نے ۱۸۹۱ء میں امر بہائی کے بانی حضرت بہاء اللہ سے عکا میں چار ملاقاتیں کی تھیں۔ اور وہ نو دن آپ کا مہمان رہ چکا تھا۔ کیمبرج میں قیام کے دوران پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے کے سلسلے میں براؤن سے اقبال علمی استفادہ کرتے رہے۔ پروفیسر مسعود الحسن اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

Professor Browne who wrote a classical book on the History of Persian literature was considerable help to the Allama in the study of mysticism in persia.(1)

پروفیسر ای جی براؤن کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ہمیشہ امر بابی - بہائی پر تحقیقات کرنے والوں کی رہنمائی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو اس موضوع پر لیکچر دیا کرتے تھے۔ ان لیکچروں سے علامہ عنایت اللہ مشرقی نے بھرپور استفادہ کیا تھا۔ چنانچہ علامہ مشرقی کا بیان جناب علمی نے ان الفاظ میں قلم بند کیا ہے۔

”......علامہ عنایت اللہ مشرقی بانی خاکسار تحریک جب امرت سر میں اپنی مشہور کتاب ”تذکرہ“ لکھ رہے تھے۔ ان دنوں میں بھی امرت سر گیا ہوا تھا۔ جناب برادر روحانی شیخ غلام محمد ثانی نے فرمایا کہ آج کل ایک بڑے عالم عنایت اللہ مشرقی ایک کتاب ”تذکرہ“ لکھ رہے ہیں ان سے ملاقات ہونی چاہئے چنانچہ آدمی بھیجا گیا۔ تین بجے دوپہر کے بعد وقت مقرر

---

1- Life of Iqbal Vol . I, P.45.

ہوا۔ مکان نزدیک ہی تھا۔ میں علامہ مشرقی کے پاس پہنچا ۔ نہایت خوشی سے ملے۔ پہلے اپنی کتاب "تذکرہ" کا ذکر کیا۔ پھر دوران گفتگو فرمایا کہ جب میں لندن میں تھا تو کیمبرج یونیورسٹی کے مستشرق پروفیسر ایڈورڈ براون میرے استاد تھے۔ پروفیسر براون ہفتے میں تین چار مرتبہ مفصل طور پر بہائی امر کی تاریخ اور تعلیم کا ذکر کیا کرتے تھے۔ یہ کہنے کے بعد محترم علامہ مشرقی نے امر بہائی کے ۱۲ اصول کا ایک ایک کر کے تفصیل سے بیان فرمایا اور فرماتے جاتے تھے۔ "سبحان اللہ یہ اصول بھی کس قدر معقول اور مفید ہیں"۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ایک کامل مبلغ بہائی تبلیغ کر رہا ہے۔ نہایت روح وریحان سے یہ ملاقات انجام پذیر ہوئی (۱)۔

علامہ اقبال نے ڈاکٹریٹ کا مقالہ فلسفہ ایران پر قلم بند کیا تھا۔ جس کا اردو ترجمہ "فلسفہ عجم" کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس مقالہ کے لیے انہوں نے براون کو لیکشن سے استفادہ کیا تھا۔ جہاں بابی تحریک پر کافی لڑیچر موجود ہے۔

علامہ اقبال نے اس مقالہ میں حضرت باب، حضرت بہاء اللہ اور ان کی تعلیمات کی تعریف کی ہے۔ این میری شمل لکھتی ہیں۔

"اس مقالہ کا آخری حصہ اس تجزیہ پر مشتمل ہے جو اس نے مسٹر فلیپ کی کتاب "عباس آفندی سوانح و تعلیمات" مصنفہ ۱۹۰۲ء سے لیا ہے "اقبال اس کا خود ذکر کرتے ہیں خاص طور سے "فلسفہ و نفسیات" والا باب اسی سے ماخوذ ہے ان کا آخری ایام کا فلسفہ امر بہائی کے بنیادی نظریات سے ہم آہنگ ہو گیا تھا" (۲)۔

علامہ اقبال اپنے مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں

But all the various lines of Persian thought once more find a synthesis in that great religious movement of Modern Persia- Babism Bahaism, which began as Shi'ah sect, with Mirza '

---

۱- بہائی میگزین، لاہور جولائی ۱۹۶۸ء۔

۲- دی بہائی فیتھ اینڈ اسلام۔

"Ali Muhammad Bab of Shiraz(b.1820), and became less and less Islamic in character with the progress of orthodox persecutions. The origin of the philosophy of this wonderful sect must be sought in the Shi'ah sect of the Shaikhis, the founder of which, Shaikh Ahmad, was enthusiastic student of Mulla Sadras Philosophy, on which he had written several commentaries. This sect differed from the ordinary Shi'ahs in holding that belief in an ever present Medium between the absent Imam (the 12th Head of the Church, whose manifestation is anxiously expected by the Shi'ahs), and the Church is a fundamental principle of the Shi'ah religion. Shaikh Ahmad claimed to be such a Medium; and when, after the death of the second Shaikhi . Medium - Haji Kazim- the Shaikhis were anxiously expecting the manifestation of the new Medium, Mirza Ali Muhammad Bab, who had attended the lectures of Haji Kazim at Karbala proclaimed himself the expected Medium, and many Shaikhis accepted him.

The young Persian seer looks upon Reality as an essence which brooks no distinction of substance and attribute. The first bounty or self-expansion of the Ultimate Essence, he says, is Existence. " Existence " is the "known", the "known" is the essence of "knowledge"; "knowledge" is "will" ; and "will" is "love". Thus from Mulla Sadra 's identity of the Known and the knower, he passes to his conception of the Real as Will and Love. This Primal Love, which he regards as the essence of the Real,is the cause of the manifestation of the Universe which is nothing more than the self-expansion of Love. The word creation, with him, does not mean creation out of nothing; since, as the Shaikhis maintain, the word creator is not peculiarly applicable to God

alone. The Quranic verse, that "God is the best of creators"(1) implies that there are other self-manifesting beings like God.

After the execution of Ali Muhammad Bab, Bahaullah, one of his principal disciples who were collectivelly called "The First Unity", took up the mission, and proclaimed himself the originator of the new dispensation, the absent Imam whose manifestation the Bab had foretold. He freed the doctrine of his master from its literalistic mysticism, and presented it in a more perfected and systematised form. The Absolute Reality, according to him, is not a person; it is an eternal living Essence, to which we apply the epithets Truth and Love only because these are the highest conceptions known to us. The Living Essence manifests itself through the Universe with the object of creating in itself atoms or centres of consciousness, which as Dr. McTaggart would say; constitute a further determination of the Hegelian Absolute. In each of these undifferentiated, simple centres of consciousness, there is hidden a ray of the Absolute Light itself, and the perfection of the spirit consists in gradually actualising, by contact with the individualising principle- matter, its emotional and intellectual possibilities,and thus discovering its own deep being-- the ray of eternal Love which is concealed by its union with consciousness . The essence of man, therefore, is not reason or consciousness; it is this ray of Love- the source of all impulse tc noble and unselfish action, which constitutes the real man. The influence of Mulla Sadra's doctrine of the incorporeality of Imagination is here apparent. Reason, which stands higher than Imagi

---

1.Sura 23 : v.14.

nation in the scale of evolution, is not a necessary condition, according to Mulla Sadra, of immortality. In all forms of life there is an immortal spiritual part, the ray of Eternal Love, which has no necessary connection with self-consciousness or reason, and survives after the death of the body. Salvation, then, which to Buddha consists in the starving out of the mind-atoms by extinguishing desire, to Bahaullah lies in the discovery of the essence of love which is hidden in the atoms of consciousness themselves(1) Both, however, agree that after death thoughts and characters of men remain, subject to other forces of a similar character, in the spiritual world, waiting for another opportunity to find a suitable physical accompaniment in order to continue the process of discovery (Bahaullah) or destruction (Buddha). To Bahaullah the conception of Love is higher than the conception of Will. Schopenhauer conceived reality as Will which was driven to objectification by a sinful bent eternally existing in its nature. Love or Will, according to both, is present in every atom of life; but the cause of its being there is the joy of self-expansion in the one Case, and the inexplicable evil inclination in the other. But Schopenhauer postulates certain temporal ideas in order to account for the objectification of the Primordial Will; Bahaullah, as far as I can see, does not explain the principle according to which the self-manifestation of the Eternal Love is realised in the Universe.(2)

---

1. See Phelp's 'Abbas Effendi. Chapter," Philosophy and Psychology".

2-The Development of Metaphysics in Persia ,pp.143-146

علامہ اقبال ۱۹۰۸ء میں ڈاکٹریٹ کر کے لاہور واپس آئے۔ ان کو شاعر کی حیثیت سے متعارف کروانے والے پہلے شخص شیخ عبدالقادر ہیں۔ جو ادبی مجلّہ "مخزن" نکالتے تھے۔ شیخ عبدالقادر غیر متعصب ادیب تھے۔ مرزا محمود زرقانی کی ملاقاتیں شیخ عبدالقادر اور "پیسہ اخبار" کے مدیر محبوب عالم سے ہوتی تھیں چنانچہ شیخ عبدالقادر کبھی کبھی "مخزن" میں امر بہائی کے حق میں مضامین لکھا کرتے تھے۔

اقبال نے ڈاکٹریٹ کے مقالے "Metaphysics of Persia" میں میرون ایچ فیلپس (MYron. H. Phelps) کی کتاب "Life & Teachings of Abbas Effendi" سے بھرپور استفادہ کیا تھا۔ یہ کتاب نیویارک اور لندن میں ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی۔

۱۹۲۴ء کے بعد خاص طور سے علامہ اقبال کی توجہ ایک بار پھر امر بہائی کی طرف ہوگئی تھی۔ آپ اجتہاد کے ذریعے موجودہ عہد کے سماجی واقتصادی مسائل کا حل تلاش کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت باب کے صحیفے "البیان" سے استفادہ کیا تھا انہوں نے "البیان" حاصل کرنے کے لیے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لائبریرین مرحوم مولوی محمد شفیع کو جو خط لکھے وہ "جشن اقبال" (۱۹۷۷ء) میں پہلی مرتبہ شائع ہوئے ہیں۔

۲۹ اپریل ۱۹۲۴ء کے خط میں آپ لکھتے ہیں:

## البیان کا مطالعہ

"میں ماڈرن اسلام میں اجتہاد کی آزادی پر مقالہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور اس ضمن میں ان واقعات کو سمجھنا چاہتا ہوں جو ترکی میں رونما ہو رہے ہیں۔ اس نظریہ کی تاریخ جاننے کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ مجھے ابن تیمیہ اور عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ اور غالباً ایران کی بہائی تحریک کی ابتدائی شکل کا (مطالعہ بھی کرنا ہوگا) کیا آپ ایسا مواد تجویز کر کے مجھے بھیج سکتے ہیں جو لائبریری میں موجود ہو۔ میری نظر میں یہ مواد مفید رہے گا۔ (۱) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ اسلام میں میکڈانل کا نظریہ (۲) علی محمد باب کی البیان (۳) نیا عالم اسلام مصنفہ سٹاروڈ" چنانچہ اس خط کی تعمیل فوری طور پر کی گئی مگر دوسرے روز اقبال نے

بانی ازم پر مزید دو کتابیں بھجوانے کے لیے دوسرا خط لکھا:

پیارے شفیع

بمہربانی بانی ازم پر وہ دونوں کتابیں مجھے بھجوادیں۔ جن کے نام آپ نے کل نوٹ کر لیے تھے۔...... میں یہ بھی معلوم کرنا چاہوں گا کہ اس معاملہ میں سر سید نے کیا کہا ہے۔

ان خطوط سے متعلق حاشیہ پر تحریر کیا گیا ہے کہ بانی ازم پر اس وقت مندرجہ ذیل کتابیں لائبریری میں موجود تھیں۔

۱-اے ٹریولرز نیریٹو (مقالہ سیاح) مترجمہ ای.جی براؤن مطبوعہ لندن ۱۹۱۸ء۔

۲-بانی مذہب کے مطالعہ کے لیے مواد (انگریزی) ای.جی براؤن لندن ۱۹۱۸ء۔

۳-"البیان" ترجمہ نیکولائے۔ پیرس ۱۴-۱۹۱۱ء۔

۴-سید علی محمدؐ باب اے ایل ایم نیکولائے پیرس ۱۹۱۰ء۔

۵-یوسف ہمدانی کی تاریخ جدید ترجمہ براؤن ۱۸۹۳(۱۳)

یہ کتابیں مرحوم مولوی محمد شفیع نے جناب علامہ کو مطالعہ کے لیے فراہم کیں اور آپ ان احکام سے اچھی طرح واقف ہوئے جن کا حل آپ پیش کرنا چاہتے تھے۔

اقبال جانتے تھے کہ اسلام کے بیشمار معاشرتی و اقتصادی مسائل کو اجتہاد کے ذریعے حل کرنے کی ضرورت ہے لیکن ان کی مشکل یہ تھی کہ اگر مسائل کو گذشتہ ادوار کی طرح فقہاء حل کرتے تو وہ اپنی محدودیت کے باعث ان میں بہت آگے نہیں جا سکتے تھے اور اگر سابقہ احکام کو منسوخ قرار دیں تو فقہاء ایسا کرنے کے مجاز نہ تھے کیونکہ یہ کام تو خدا کا صاحب اختیار و مجاز فرستادہ ہی کر سکتا ہے۔ اقبال کی مشکل کا اندازہ آپ کو ان کے ایک خط کے اس اقتباس سے ہو جائے گا۔ آپ لکھتے ہیں:

"...... میں نے سنا ہے کہ البانیہ کے مسلمانوں نے وضو اڑادیا اور ممکن ہے نماز میں بھی کوئی ترمیم کی ہو۔ ترکی کا حال آپ کو معلوم ہی ہے۔ مصر میں یہ تحریک جاری ہے اور عن قریب افغانستان، ایران میں بھی اس کا ظہور ہوگا ایران کو بابیت سے اندیشہ ہے"(۱)۔

---

۱-اقبال نامہ حصہ اول۔

اس زمانے میں اقبال ایک اضطرابی کیفیت میں مبتلا تھے اور گوناگوں پیچیدہ مسائل کا حتمی اور خدائی حل چاہتے تھے۔

انہی دنوں علامہ المشرقی کا "تذکرہ" نیا نیا شائع ہوا تھا جس کے اکثر فلسفیانہ مسائل میں بہائی تعلیمات کا انعکاس نظر آتا ہے۔ علامہ اقبال مؤلف "تذکرہ" کا ذکر کرتے ہوئے ایک خط محررہ ۵ ستمبر ۱۹۲۴ء میں فرماتے ہیں:

"...... جناب مشرقی جہاں تک مجھے معلوم ہے خود مدعی نہیں ہیں۔ ...... بہائی فرقہ سے بھی جہاں تک مجھے معلوم ہے ان کا تعلق نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ یوروپین افکار کی تاریخ کا اعادہ آج کل دنیائے اسلام میں ہو رہا ہے ...... دنیائے اسلام اس وقت ایک روحانی پیکار میں مصروف ہے اس پیکار و انقلاب کا رخ متعین کرنے والے قلوب و اذہان پر شک و ناامیدی کی حالت کبھی کبھی پیدا ہو جاتی ہے (۱)۔

حضرت باب نے "البیان" میں اور حضرت بہاء اللہ نے "الاقدس" میں ان قوانین کو تبدیل کر دیا جو موجودہ زمانے میں نہیں چل سکتے اور ان کی جگہ نئے قوانین دے دیئے جو انسانی سوسائٹی کو متحد کرتے اور اسے ترقی کی طرف لے جاتے ہیں۔ علامہ اقبال ایسا کام کرنے والی شخصیت کو دین میں تجدید کرنے والی شخصیت مانتے ہیں۔

"...... میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطہ نگاہ سے زمانہ حال کے جورس پروڈنس پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرانیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا۔ وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔ قریباً تمام ممالک میں اس وقت مسلمان یا تو اپنی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں یا قوانین اسلامیہ پر غور و فکر کر رہے ہیں ...... ایران میں مجتہدین شیعہ کی تنگ نظری اور قدامت پرستی نے بہاء اللہ کو پیدا کیا جو سرے سے احکام قرآنی کا ہی منکر ہے" (۲)۔

یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے کہ حضرت بہاء اللہ نے احکام قرآنی کا انکار نہیں کیا بلکہ خدا کی طرف سے مسائل کا نیا حل پیش کر کے اسلام کی ابدیت ثابت کر دی ہے۔

---

۱- اقبال نامہ حصہ اول۔ ۲- ایضاً۔

اقبال نے جو یہ کہا ہے کہ بہاء اللہ احکام قرآنی کے منکر ہیں اس سے کسی تعریض کا پہلو نہیں نکلتا بلکہ علامہ نے اپنے رنگ میں پیش کیا ہے۔

## اجتہاد

اقبال شخصی اجتہاد کے قائل نہ تھے بلکہ یہ چاہتے تھے کہ عوام کی منتخب شدہ مجلس امور میں اجتہاد کرے۔ وہ لکھتے ہیں: "......ترکوں کا اجتہاد یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے تو اس منصب کو افراد کی ایک جماعت بلکہ کسی منتخب شدہ مجلس کے ذمے بھی کیا جا سکتا ہے۔ البتہ میرا خیال ہے کہ ترکوں کا یہ نقطۂ نظر سر تا سر درست ہے اتنا درست کہ اس کی تائید میں کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی"(۱)۔

حضرت بہاء اللہ نے اس منتخب شدہ مجلس کو "بیت العدل اعظم الٰہی" کا نام عطا فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ دنیا بھر کے ذی رائے بہائی، خفیہ، عمومی اور آزاد انتخاب کے ذریعے یہ قانون ساز اور "شارع" ادارہ تشکیل دیں۔ یہ ادارہ غیر منصوص امور میں قانون بنائے گا اور اس کا فیصلہ "کتاب الاقدس" کے قوانین کا ہم پایہ اور معصوم ہے(۲)۔ چنانچہ پہلا بیت العدل اعظم الٰہی ۱۹۶۳ء میں منتخب ہوا اور اب ہر پانچ سال کے بعد اس کا انتخاب ہوتا ہے۔ علامہ اقبال جہاں بہائی فلسفہ، تعلیمات اور احکام سے متفق نظر آتے ہیں وہاں بہائی سپریم اور معصوم عن الخطاء ادارے بیت العدل اعظم الٰہی کے حق میں بھی ہیں۔ حضرت بہاء اللہ نے اجتہاد اور اس سے متعلقہ تمام امور کا حل پیش کر دیا ہے اور نسل انسانی کو متفرق ہونے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچالیا ہے۔

## میرزا منیر نبیل زادہ سے ملاقات

۱۹۲۷ء میں ایران کے معروف بہائی عالم مرزا منیر نبیل زادہ قزوینی نے ہندو پاک کا دورہ کیا۔ آپ نے محمد حسین لقمانی اور سید محفوظ الحق علمی کے ساتھ لاہور کا سفر کیا اور ایک بین المذاہب کانفرنس میں اہل بہاء کی نمائندگی کی اور خطاب کیا۔ ان کے فارسی

---

۱- تشکیل جدید، ص ۲۴۳۔

۲- Infallible .

خطاب کا جناب لقمانی نے انگریزی میں اور جناب علمی نے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ آپ کے ورود اور پروگرام کی اطلاع روزنامہ "ملاپ" لاہور میں شائع ہوئی تھی۔ جناب منیر نبیل زادہ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں :

"جب اس حقیر کی باری آئی تو میں نے رب مقتدر علام کے نام سے تقریر شروع کی جناب علمی اردو میں ترجمہ کرنے لگے۔ سامعین میں عجیب ہیجان روحانی اور بشاشت محسوس ہوتی تھی۔ وہ بار بار تالیاں بجاتے اور اخباری نمائندے مطالب لکھتے جاتے تھے۔ اس کے بعد مولوی محمد علی (قادیانی لاہوری) کی نوبت آئی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت بہاء اللہ کی نجات بخش تعلیمات کے بعد اب وہ جو بھی کہیں گے وہ ناچیز ہوگا اس لئے ان کو ایک تدبیر سوجھی۔ آپ سٹیج پر گئے اور بولے : حضرات! چونکہ قہرمان بیان فاضل ایرانی نے داد سخن دے دی ہے اور تعلیمات اسلامی کو بڑی خوبصورتی سے بیان کر دیا اس لئے میں دھرانا نہیں چاہتا اور آپ کو سننے کی زحمت نہیں دیتا کیونکہ بہائیت اسلام ہی کا ایک فرقہ ہے......"

مولوی صاحب نے اپنا مقالہ بھی سکریٹری کانفرنس کو نہ دیا اور اپنی جگہ جا کر بیٹھ گئے۔ میرزا منیر لکھتے ہیں : "میں فوراً کھڑا ہو گیا اور صدر جلسہ سے عرض کیا مسلمانوں کے نمائندے کو پندرہ منٹ دیئے گئے ہیں لیکن وہ فقط دو منٹ بولے ہیں یہاں ایک غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے اسے دور کرنا چاہتا ہوں اس پر صدر جلسہ نے حاضرین سے اجازت لینا چاہی تو سبھی نے تالیاں بجا کر اجازت دے دی لہذا میں کھڑا ہوا اور کہا بہائیت فرقہ اسلام نہیں ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی شریعت ہے۔ جس کا مقصد نوع انسانی کا اتحاد اور اس کی نجات ہے اور اس کا تعلیمات قرآن سے فرق ہے۔ یہ دین تمام آسمانی کتابوں کی تکمیل ہے۔ قرآن میں غیر مسلموں کے ساتھ عدم دوستی اور مشرکین کے قتل اور جزیہ کی وصولی اور مسلم و غیر مسلم کے درمیان حقوق میں فرق نیز مرد و زن اور آقا و غلام کے حقوق کے اندر بھی فرق ہے۔ حضرت بہاء اللہ نے یہ سارے امتیازات اٹھا دیئے ہیں"۔

حاضرین مسلسل تالیاں بجا بجا کر اپنی مسرت کا اظہار کرتے رہے۔ مولوی (محمد علی) صاحب کو اٹھ کر کچھ کہنے کی جرات نہ ہوئی۔ ہم چند روز لاہور میں قیام پذیر رہے اس دوران راجہ محمود خان، مسٹر داس اور پنالال اور چند دیگر اشخاص نے حضرت بہاء اللہ پر

اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ انہی دنوں منیر نبیل زادہ نے جناب علامہ اقبال سے مفصل ملاقات کی۔ وہ لکھتے ہیں :

"ہم پہلے سے وقت مقرر کر کے مشہور فاضل و ادیب سر محمد اقبال کی ملاقات کے لئے ان کے گھر گئے اور ان سے امری گفتگو کی" (۱)۔ علامہ اقبال سے ملاقات کا یہ واقعہ جناب علمی نے یوں لکھا ہے۔

جس سال(۱) جناب مرزا منیر نبیل زادہ نے بمبئی سے لاہور تک کا سفر تبلیغ کیا تھا۔ لاہور میں ایک ریلیجیئس کانفرنس تھی۔ جناب فاضل موصوف اس میں بہائی دین کے نمائندے تھے اور خادم (علمی) ان کا ترجمان تھا۔ ان دنوں جناب موصوف کی ملاقات جناب ڈاکٹر اقبال سے ہوئی جس کا وقت پہلے سے مقرر ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر اقبال نے مجھ سے فرمایا کہ "علمی صاحب میں فارسی میں نظم لکھتا ہوں لیکن بولنے کی عادت نہیں۔ لہذا میں اردو میں بولوں گا۔ آپ ترجمہ کرتے جائیے بلکہ مرزا منیر جو کچھ فرمائیں اس کا بھی ترجمہ کرتے رہیۓ کیونکہ یہ بہت تیزی سے بولتے ہیں ۔ پورے طور پر ان کا لہجہ سمجھ نہیں سکتا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں دونوں بزرگوں کے بیانات کا ترجمہ کرتا رہا۔ دو گھنٹے یہ مذاکرات جاری رہے۔ نہایت فلسفیانہ گفتگو تھی۔ مرزا منیر بھی نہایت فلسفی تھے۔ اس سلسلہ کلام کے بعد باہمی اظہار مسرت فرماتے رہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد اقبال نے فرمایا۔ جناب مرزا محمود زرقانی اسی میز پر ایک ایک ہفتہ مذاکرات کرتے تھے۔ مرزا صاحب نہایت خوبی سے تمام مسائل پر روشنی ڈالتے تھے۔ بڑی مسرت ہوتی تھی (۲)۔

## مارتھا روٹ کی ملاقات

مرحوم اسفندیار بختیاری (کراچی) اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ : "میں نے مارتھا روٹ اور علامہ اقبال کے ہم شہری اور ہم جماعت پروفیسر پریتم سنگھ (دیال سنگھ کالج) کی معیت میں ۲۲ جون ۱۹۳۰ء کو علامہ اقبال سے ملاقات کی۔ جناب قرۃ العین طاہرہ کے کلام کا مجموعہ "تحفہ طاہرہ" اور "بہاء اللہ و عصر جدید" ان کی خدمت میں پیش کی۔ علامہ نے یہ

---

۱- مراد ۱۹۲۷ء۔ ۲- بہائی میگزین لاہور جولائی ۱۹۶۸ء۔

دونوں کتابیں شوق سے قبول کیں اور مطالعہ کرنے کا وعدہ کیا۔ اس موقع پر علامہ اقبال نے اپنے لیکچروں کا مجموعہ "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" مارتھاروٹ کو پیش کیا تاکہ آئندہ ملاقات میں اس پر گفتگو ہو سکے۔ تین اشخاص(۱) پر مشتمل یہی وفد ۲۴ جون کو دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ختیاری صاحب لکھتے ہیں کہ: اس مرتبہ اقبال پہلے دن سے زیادہ مسرور نظر آتے تھے۔ آپ امریکن خاتون مارتھاروٹ سے بیحد احترام سے پیش آئے۔ دوران گفتگو علامہ نے بتایا کہ وہ ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ جس میں قرۃ العین طاہرہ کا ذکر کریں گے۔ آج کی ملاقات کے دوران مارتھاروٹ نے علامہ سے کہا کہ ان خطبات میں جدید عہد کے مسائل کا حل نہیں ملتا۔ اس پر علامہ مسکرا دیئے اور فوراً موضوع گفتگو تبدیل کر لیا۔(۲)

چنانچہ علامہ اقبال نے "جاوید نامہ" میں حضرت طاہرہ کو "خاتون عجم" کا لقب دیا اور ان کی ایک غزل بھی شامل کی ہے۔ یاد رہے کہ مارتھاروٹ نے علامہ کو ڈاکٹر جے ایسلمنٹ کی انگریزی کتاب "Baha'ullah & the New Eara" دی تھی اس کا اردو ترجمہ "بہاء اللہ و عصر جدید" کے نام سے ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔ ہم یہاں اس کتاب کے اردو ترجمہ کی فہرست مضامین پیش کر رہے ہیں۔ علامہ نے اس کتاب کا بھرپور مطالعہ کیا تھا۔ اس میں مندرجہ ذیل فلسفیانہ مضامین علامہ کی خاص دلچسپی کے موضوعات تھے۔ پیغمبری کے ثبوت 'قیامت' بہشت و دوزخ' عبادت 'حقیقت کی تلاش' خود شناسی' دعا' جسم و روح' اقتصادی مسائل' مساوات مرد و زن' ہنر' علوم' نسلی و ملکی تعصّبات 'جوع الارض' مجلس اقوام' اتحاد شرق و غرب' راہبانہ زندگی' حیات بعد الموت' عرفان الٰہی' وحدت بشر' خدا کی آمد' یوم اللہ' حشر، وحی تازہ کی ضرورت وغیرہ۔

---

۱- مارتھاروٹ' پریتم سنگھ' اسفندیار ختیاری۔

۲- نجم دری۔

| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| **پہلا باب** | |
| بشارت | |
| دنیا کی تاریخ کا ایک | |
| اہم ترین واقعہ | ۱۲ |
| بدلتی ہوئی دنیا | ۱۴ |
| آفتاب صداقت | ۱۶ |
| حضرت بہاء اللہ کا نام | ۱۷ |
| پیشگوئیوں کا پورا ہونا | ۱۸ |
| پیغمبری کے ثبوت | ۲۱ |
| تحقیق کی مشکلات | ۲۲ |
| اس کتاب کا منشا | ۲۳ |
| بابی تحریک کی ترقی | ۲۹ |
| **دوسرا باب** | |
| **حضرت باب مبشر** | |
| بچپن اور جوانی | ۲۷ |
| اعلان | ۲۸ |
| ملاؤں کی مخالفت | ۴۴ |
| رضوان میں اعلان | ۴۶ |
| قسطنطنیہ اور ایڈریانوپل | ۴۷ |
| الواح ملوک | ۴۷ |

| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| ظلم و ستم کا بڑھنا | ۳۱ |
| حضرت باب کی شہادت | ۳۲ |
| کوہ کرمل پر آپ کا | |
| روضہ مبارک | ۳۳ |
| حضرت باب کا کلام | ۳۴ |
| من یظہرہ اللہ | ۳۵ |
| قیامت - بہشت و دوزخ | ۳۶ |
| معاشرتی و اخلاقی تعلیمات | ۳۶ |
| حضرت باب کا شوق اور | |
| آپ کی فتح | ۳۷ |
| **تیسرا باب** | |
| **حضرت بہاء اللہ** | |
| حضرت باب کا دعویٰ | ۳۰ |
| پیدائش اور اوائل عمر | ۳۹ |
| بابیوں کے زمرہ میں آپ کی قید | ۴۰ |
| بغداد کی جلاوطنی | ۴۲ |
| بیابان میں دو سال | ۴۳ |
| مغربی ممالک کا سفر | ۸۱ |
| ارض مقدس کو واپسی | ۸۲ |
| جنگ عظیم کے ایام حیفا میں | ۸۴ |
| "سر" کا خطاب | ۸۵ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| سجن عکا | ۵۰ |
| سختی میں کمی | ۵۱ |
| دروازہ سجن کا کھلنا | ۵۱ |
| ایام بہجی | ۵۶ |
| صعود | ۵۸ |
| حضرت بہاء اللہ کا مقام | ۵۹ |
| حضرت بہاء اللہ کا کام | ۶۵ |
| حضرت بہاء اللہ کا کلام | ۶۷ |
| بہائی روح | ۶۹ |


## چوتھا باب

### حضرت عبد البہاء


| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| پیدائش اور بچپن | ۷۱ |
| جوانی | ۷۳ |
| شادی | ۷۴ |
| مرکز میثاق | ۷۵ |
| سخت قید کا دوبارہ عائد ہونا | ۷۶ |
| ترکی کمیشن | ۸۰ |
| راستبازی و امانت | ۱۱۰ |
| خود شناسی | ۱۱۱ |



| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| آخری سال | ۸۶ |
| الواح و خطابات | ۸۸ |
| حضرت عبد البہاء کا مقام | ۸۹ |
| بہائی زندگی کا نمونہ | ۹۲ |


## پانچواں باب

### بہائی کون ہے ؟


| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| بہائی طرز زندگی | ۹۳ |
| عبادت الٰہی | ۹۴ |
| حقیقت کی تلاش | ۹۶ |
| خدا کی محبت | ۹۸ |
| انقطاع | ۱۰۰ |
| اطاعت | ۱۰۱ |
| خدمت | ۱۰۳ |
| تبلیغ | ۱۰۴ |
| اخلاق و آداب | ۱۰۵ |
| چشم خطا پوش | ۱۰۷ |
| انکسار | ۱۰۸ |
| پاکیزگی اور صفائی | ۱۳۱ |
| شریعت کی اطاعت کے نتائج | ۱۳۱ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| **چھٹا باب** | |
| **دعا اور نماز** | |
| خدا کے ساتھ گفتگو | ۱۱۳ |
| حالت خضوع | ۱۱۴ |
| وسیلہ کی ضرورت | ۱۱۵ |
| دعا مانگنا یا نماز پڑھنا فرض ہے | ۱۱۷ |
| دعا محبت کی زبان ہے | ۱۱۹ |
| دعا یا عبادت باجماعت | ۱۲۰ |
| بلاؤں سے نجات | ۱۲۱ |
| دعا اور قانون قدرت | ۱۲۳ |
| بہائی دعائیں | ۱۲۴ |
| **ساتواں باب** | |
| **صحت و شفاء** | |
| جسم اور روح | ۱۲۸ |
| وحدت حیات | ۱۲۸ |
| سادہ زندگی | ۱۲۹ |
| مسکرات اور منشیات | ۱۲۹ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| مظہر اللہ بطور طبیب | ۱۳۳ |
| مادی ذرائع سے صحت | ۱۳۳ |
| غیر مادی وسائل سے شفاء | ۱۳۵ |
| روح القدس کی قوت | ۱۳۶ |
| بیمار کا فرض | ۱۳۷ |
| شفا بخشنے والا | ۱۴۰ |
| کس طرح سب مدد کر سکتے ہیں | ۱۴۲ |
| سنہری زمانہ | ۱۴۲ |
| صحت کا صحیح استعمال | ۱۴۳ |
| **آٹھواں باب** | |
| **وحدت ادیان** | |
| انیسویں صدی میں | |
| فرقہ بازیاں | ۱۴۴ |
| حضرت بہاء اللہ کا پیغام | ۱۴۶ |
| کیا انسانی طبیعت | |
| بدل سکتی ہے؟ | ۱۴۶ |
| اتحاد کی طرف پہلا قدم | ۱۴۹ |
| مسئلہ فضیلت | ۱۵۰ |

| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| لذائذ | ۱۳۰ |
| انبیاء کی عصمت | ۱۵۴ |
| ظہور اعظم | ۱۵۵ |
| ایک نئی صورت حال | ۱۵۷ |
| امر بہائی کی کاملیت | ۱۵۸ |
| بہائی میثاق | ۱۵۹ |
| امر بہائی میں پیشہ ور مذہبی پیشوا نہیں | ۱۶۲ |


نواں باب

## حقیقی تمدن


| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| دین' تمدن کی بنیاد ہے | ۱۶۴ |
| عدل | ۱۶۵ |
| طرز حکومت | ۱۶۶ |
| سیاسی آزادی | ۱۶۹ |
| حکام اور رعایا | ۱۷۰ |
| تقرری اور ترقی | ۱۷۱ |
| اقتصادی مسائل | ۱۷۲ |
| آمدنی اور خرچ | ۱۷۳ |
| خود اختیاری حصہ داری | ۱۷۴ |
| کام کرنا سب کے لئے فرض ہے | ۱۷۴ |
| تدریجی وحی | ۱۵۲ |
| تجارتی غلامی کی نہی | ۱۷۶ |
| وصیت و میراث | ۱۷۸ |
| مرد و عورت کی مساوات | ۱۷۸ |
| خواتین اور نیا دور | ۱۸۱ |
| تشدد آمیز طریقوں کی ممانعت | ۱۸۲ |
| تعلیم | ۱۸۳ |
| فطرت کے جبلی اختلافات | ۱۸۴ |
| تربیت سیرت | ۱۸۵ |
| ہنر، علوم و دستکاری | ۱۸۶ |
| مجرموں سے سلوک | ۱۸۶ |
| اخبارات | ۱۸۸ |


دسواں باب

## طریق امن


| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| اختلاف بمقابلہ اتحاد | ۱۹۰ |
| صلح اکبر | ۱۹۱ |
| مذہبی تعصبات | ۱۹۲ |
| نسلی اور ملکی تعصبات | ۱۹۴ |
| جوع ارض | ۱۹۶ |
| عالمگیر زبان | ۱۹۸ |
| مجلس بین الاقوامی | ۲۰۱ |

دولت کے اخلاقی قوانین ۱۷۵
تحدید اسلحہ ۲۰۵
عدم مزاحمت ۲۰۵
نیکی کی راہ میں کوشش ۲۰۷
اتحاد مشرق و مغرب ۲۰۹

## گیارھواں باب

## احکام و تعلیمات

راہبانہ زندگی ۲۱۱
شادی یا ازدواج ۲۱۲
طلاق ۲۱۴
بہائی تقویم ۲۱۴
محافل روحانی ۲۱۶
بہائی تہوار ۲۱۸
روزے ۲۱۹
مجالس ۲۲۱
انیس روزہ ضیافت ۲۲۲
مشرق الاذکار ۲۲۲
حیات بعد الممات ۲۲۵
بہشت و دوزخ ۲۲۷
ہر دو عوالم کی وحدت ۲۲۹
عدم وجود شر ۲۳۲
بین الاقوامی عدالت ۲۰۳

## بارھواں باب

## مذہب اور سائنس

آویزش کی وجہ غلطی ہے ۲۳۵
انبیاء کو ایذا دینا ۲۳۷
طلوع اطمینان ۲۳۸
صداقت کی تلاش ۲۴۰
حقیقی علم الوہیت ۲۴۱
عرفان الٰہی ۲۴۲
مظاہر الٰہی ۲۴۳
آفرینش ۲۴۴
ارتقائے انسان ۲۴۶
جسم اور روح ۲۴۸
وحدت انسان ۲۴۹
دور وحدت ۲۵۰

## تیرھواں باب

## پیش گوئیاں جو ظہور بہائی نے پوری کیں

خدا کی آمد ۲۵۳

حضرت باب اور حضرت بهاء الله
کے بارے میں پیشگوئیاں ۲۵۷
حضرت بهاء الله ۲۵۸
یوم الله ۲۶۰
حضرت عبدالبهاء کے بارے
میں پیشگوئیاں ۲۶۱
قیامت یا یوم العدل ۲۶۳
حشر یا بعثت ۲۶۵
مسیح کی دوبارہ آمد ۲۶۷
آخر کا وقت ۲۶۹
آسمان اور زمین پر نشانیاں ۲۷۲
ظهور موعود کس طرح ہوگا ۲۷۵

**چودہواں باب**

**پیشن گوئیاں**

کلام الٰہی کی قوت نفوذ ۲۸۰
نپولین سوم ۲۸۴
جرمنی ۲۸۵
ایران ۲۸۶
ترکی ۲۸۶
امریکہ ۲۸۹

حضرت مسیح کے بارے میں
پیشگوئیاں ۲۵۴
جنگ کے بعد معاشرتی آفتیں ۲۹۱
خدا کی بادشاہت کا آنا ۲۹۵
عکا اور حیفا ۲۹۷

**پندرہواں باب**

**یاد گزشتہ و امید آئندہ**

ترقی امر الله ۲۹۹
نظم و نسق ۳۰۲
حضرت باب اور حضرت ۳۲۰
بهاء الله کی صداقت کے ثبوت
شاندار مستقبل ۳۲۴
دین کا تازہ ہونا ۳۲۵
وحی تازہ کی ضرورت ۳۲۶
حق سب کے لئے ہے ۳۲۶
وصایائے عبدالبهاء
نیا ورق ۳۲۸
ولی امر الله ۳۲۸
ایادی امر الله ۳۲۹
مزید وصایائے عبدالبهاء ۳۳۰
جنگ عظیم ۲۹۰

# اقبال اور خاتون عجم

تاریخ ایران اور بابی تحریک کے بارے میں دنیا بھر میں لکھی جانے والی تصانیف میں حضرت طاہرہ کا ذکر ملتا ہے۔ طاہرہ کے عربی' فارسی کلام اور مکاتیب کا بیشتر حصہ دست برد زمانہ کا شکار ہو گیا مگر جو کچھ بچا وہ اہل ذوق کی آنکھوں کو خیرہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ سید علی محمد باب شیرازی کی دعوت کی مبلغہ بننے کے بعد طاہرہ پر پتھر مارے گئے قید مین ڈالا گیا جلاوطن کیا گیا فتوئے لگائے گئے۔ گھر جلایا گیا سامان لوٹا گیا' ملکہ بننے کی دعوت دی گئی۔ مگر طاہرہ کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔

قرۃ العین طاہرہ انیسویں صدی کی وہ نابغہ روزگار خاتون ہے جس نے اپنی شاعری' ذہانت' شجاعت اور علم و تقویٰ کے سبب مشرق و مغرب کے مشاہیر سے خراج تحسین وصول کیا۔

مغرب کے جن مشاہیر نے بطور خاص جناب طاہرہ کا ذکر نہایت عزت واحترام سے کیا ان میں لارڈ کرزن' ڈی گوبیو' مسیو نکلا' ڈاکٹر تی کے چینی' ینگ ھسبینڈ' ونمبری' براؤن' مارتھاروٹ' دریفوس بارنی' کلارا اے ایچ' ایساندروبوسانی اور ڈاکٹر این میری شمل قابل ذکر ہیں۔

مشرقی ممالک کے جن اہل قلم کو طاہرہ کی زندگی' شخصیت' کلام' اور فداکاری نے متاثر کیا ان میں حضرت علامہ اقبال' شیخ عبدالقادر' سلیمان ناظم بیگ' مرزا قلیچ بیگ گرختشانی' سر رائے بہادر سپرو' سروجنی نائیڈو' ٹیگور' پروفیسر ہدایت حسین اور خواجہ حسن نظامی سر فہرست ہیں۔ شہرہ آفاق مستشرق اور ایران شناس پروفیسر ای.جی براؤن قرۃ العین کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتا ہے "طاہرہ جیسی خاتون کا کسی بھی ملک یا کسی زمانہ میں ظاہر ہونا ایک عجوبہ ہے۔ مگر ایران جیسے ملک میں اس کا ظہور نادرہ روزگار بلکہ معجزہ ہے۔ حسین صورت اور سیرت اور شاندار شہادت میں وہ اپنے ہم وطنوں میں بے مثال اور غیر فانی نظر آتی ہے۔ اگر باب کے دین کی عظمت کا اور کوئی ثبوت نہ بھی ہو تو یہی کافی ہے کہ اس نے قرۃ العین جیسی ایک شیر دل عالی ہمت خاتون پیدا کی"۔

برصغیر پاک وہند میں طاہرہ کا آوازہ انیسویں صدی کے آٹھویں عشرے میں پہنچا اور پھر وہ ہمارے اہل علم کی ایک محبوب شخصیت بن گئی۔

قرۃالعین طاہرہ ۱۸۱۷ء میں قزوین (ایران) میں پیدا ہوئیں اور ستمبر ۱۸۵۲ء کو طہران کے ایلخانی باغ (گلستان) میں شہید کر دیا گیا۔ غالب نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا: وعدہ سیر گلستاں ہے خوشا طالع شوق مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں

جناب طاہرہ متبحر عالمہ' جادو بیان خطیبہ' اور نکتہ رس شاعرہ تھیں۔ عربی' فارسی اور ترکی پر یکساں عبور رکھتی تھی۔ اور تینوں زبانوں میں شعر کہتی تھیں۔

یہ شیر دل خاتون ۱۸۴۴ء میں سید علی محمد باب شیرازی کی دعوت پر مبلغ بن گئی چنانچہ اس جرم میں اس کو قید و بند میں ڈالا گیا۔ لیکن وہ نہ مصائب سے گھبرائی نہ لالچ میں ڈگمگائی۔ ملکہ ایران بنانے کے لئے شاہ ایران نے اس کو جو دعوت دی اس کے جواب میں طاہرہ نے اپنا ہی یہ شعر لکھ کر شاہ کو بھیج دیا تھا۔

تو وملك وجاه سكندری من و رسم و راه قلندری

اگر آن نکوست تو درخوری وگر این بداست مرا سزا

طاہرہ فارسی غزل میں ایک نئے لہجے کی بانی اور جدید لحن کی موجد ہے۔ یہ لہجہ و لحن بابی شاعری اور بعد میں بہائی شاعری کی خصوصیت بن گیا۔ اس کی شاعری' وسعت نظر' خلوص فن' زور بیان' شدت احساس اور جوش عشق کی آئینہ دار ہے۔ وہ شاعری میں نت نئے تجربوں کی حامی نظر آتی ہے۔

ترک رسوم' نئی قدروں کا استقبال' اتحاد بشر کا پرچار' بیداری نسواں' اور امن عالم کا قیام وہ اعلیٰ ترین مقاصد اور پاکیزہ ترین آدرش ہیں جن کے حصول کے لئے اقبال کی "خاتون عجم" نے اپنی جان کی قربانی دی۔

فلسفی شاعر حضرت علامہ اقبال نے اپنے زندہ جاوید فارسی منظومے "جاوید نامہ" میں طاہرہ کا پیغام پیش کیا ہے۔

جیسا کہ ہم اس کتاب کے شروع میں ذکر کر چکے ہیں ایران کے معروف بہائی ادیب و شاعر مرزا محمود زرقانی ۱۹۰۲ء میں لاہور آئے اور تقریباً سات سال تک انہوں نے

یہاں قیام کیا۔ اسی دوران حضرت علامہ اقبال کا ایک بہائی عالم سے پہلا رابطہ قائم ہوا۔ ظاہر ہے کہ مرزا محمود زرقانی نے سید باب کی شخصیت اور دعوت کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہو گا اور یہیں سے علامہ اقبال طاہرہ کے بارے میں جاننے لگے ہوں گے۔ کچھ بعید نہیں کہ علامہ اقبال نے ڈاکٹریٹ کے لئے "فلسفہ عجم" کا موضوع بھی مرزا محمود زرقانی کے مشورے سے لیا ہو۔ مقالے کی تیاری میں آپ نے جن بہائی مآخذ سے استفادہ کیا افسوس ہے کہ ابھی تک راقم کو ان تمام مآخذ کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ ۲۷-۱۹۲۴ء کے دوران علامہ اقبال مولوی محمد شفیع مرحوم کے ذریعے یونیورسٹی لائبریری سے "البیان" منگوا کر اس کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت علامہ کے تقریباً سات انگریزی خطوط "جشن اقبال" (۱۹۷۷ء) میں شائع ہو چکے ہیں ۔ ۱۹۳۰ء میں کراچی کے اسفندیار بختیاری نے امریکن خاتون مارتھا روٹ کے کہنے پر طاہرہ کی سات غزلوں کا مجموعہ "تحفہ طاہرہ" کے نام سے شائع کر کے پاک و ہند کے اہل علم کے لئے بھیجا۔ مرحوم بختیاری اپنی مطبوعہ اردو یادداشت "نجم دری" میں لکھتے ہیں کہ میں نے مارتھا روٹ اور پروفیسر پریتم سنگھ (دیال سنگھ کالج) کی معیت میں ۲۲ جون ۱۹۳۰ء کو علامہ اقبال سے ملاقات کی "تحفہ طاہرہ" اور "بہاء اللہ و عصر جدید" ان کی خدمت میں پیش کی۔ علامہ نے یہ دونوں کتابیں خوشی سے قبول کیں اور مطالعہ کرنے کا وعدہ کیا یہ وفد ۲۴ جون کو دوبارہ علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جناب بختیاری لکھتے ہیں کہ اس مرتبہ علامہ اقبال پہلے دن سے زیادہ مسرور نظر آتے تھے۔

آپ نے امریکن خاتون کا بے حد احترام کیا ان سے مفصل باتیں کیں اور دوران گفتگو فرمایا کہ وہ ایک کتاب میں جو زیر تنظیم ہے طاہرہ کا ذکر کریں گے۔

---

چنانچہ علامہ اقبال نے "جاوید نامہ" میں جو ۱۹۳۲ء میں طبع ہوا۔ طاہرہ کا بڑے احترام سے ذکر کیا ہے اور طاہرہ کی یہاں وہ غزل بھی دے دی ہے۔ جس کا مطلع ہے۔

گر بتو افتدم نظر چهره به چهره رو برو

شرح دهم غم تو را نکته به نکته مو بمو

"جاوید نامہ" کے فکری سفر میں علامہ اقبال فلک قمر، فلک عطارد، فلک زہرہ اور

فلک مریخ سے گذر کر جب فلک مشتری پر پہنچتے ہیں تو وہاں ان کی ملاقات ''تین ارواح جلیلہ'' حلاج، طاہرہ اور غالب سے ہوتی ہے۔ علامہ اقبال اس سفر کی کیفیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے سامنے تین پاکباز روحوں کو پایا جن کے سینوں کے اندر گیتی گداز آتش روشن تھی۔ انہوں نے سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھے اور چہرے سوز دروں سے تابناک تھے۔

اس موقع پر علامہ اقبال کے رہنما مولانا رومی ان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ تمہیں ان آتش نواؤں کے نفس سے زندہ ہونا چاہئے اگر تم نے شوق بے پروا نہیں دیکھا تو اب دیکھ لو اور اگر صہبا کی طاقت کا مشاہدہ نہیں کیا تو یہاں کرلو۔ غالب، حلاج اور طاہرہ نے جان حرم میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا ہے ان کا ثبات روح کو ثبات بخشتا ہے کیوں کہ ان کی حرارت اور گرمی درون کائنات سے ہے۔

حسین بن منصور حلاج، قرۃ العین طاہرہ اور مرزا اسد اللہ غالب تینوں عشق و شہادت کے پیامبر ہیں۔ آرزوئے شہادت میں غالب کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

عشرت قتل گہ، اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

------

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا

------

جان. دی ' دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

------

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایان دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

------

آتا ہے میرے قتل کو، پر جوش رشک سے
مرتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

-------

ہاں اہل طلب کون سنے طعنۂ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے (۱)

-----

حلاج غالب اور طاہرہ تینوں قتل و شہادت کے آرزومند تھے۔ حلاج نے کہا اقتلوانی اقتلوانی یا ثقات! طاہرہ کہتی ہے۔

گنهی بود مگر ای صنم که ز سر عشق تو دم زنم

فهجر تنی و قتلتنی و اخذ تنی بجنایتی

عصر حاضر کی معروف مستشرق این میری شمل لکھتی ہیں "آتش اندر سینہ شان گیتی گداز" والی تعریف بغداد کے صوفی شہید حلاج اور طاہرہ کے حق میں صادق آتی ہے۔ مگر دہلی کے غالب کے حق میں کیسے؟" اس کی وجہ ہمیں زندہ رود کے سوال اور غالب کے جواب میں مل جاتی ہے۔ زندہ رود پوچھتا ہے۔

صد جهان پیدا درین نیلی فضاست

هر جهان را اولیاء و انبیاء است؟

اس کا جواب غالب یوں دیتے ہیں۔

نیك بنگر اندرین بود و نبود پی به پی آید جهان اندر وجود

------

هر کجا هنگامۂ عالم بود رحمة اللعالمیی هم بود

غالب ایک ایسا صاحب نظر شاعر تھا جس کو "دین بزرگان خوش" نہیں آتا تھا۔

-----------------

۱۔ دیوان غالب۔

بقول خود:

با من میاویز ای پدر فرزند آذر را نگر

ہر کس که شد صاحب نظر دین بزرگان خوش نکر د

غالب ماضی کے خرابوں پر ایک نئے تمدن کی عمارت کھڑی کرنا چاہتا تھا اور اس مقصد جلیل کے لئے وہ قاعدۂ آسمان کو تبدیل کرنا چاہتا تھا۔

بیا که قاعدۂ آسمان بگردانیم

قضا به گردش رطل گران بگردانیم

قرۃ العین ایک نئے تمدن اور ایک نئے فکر کے بانی سید باب کی پیرو اور جان نثار تھی۔ علامہ اقبال قرۃ العین کی آتش نوائی اور جذبہ عشق کے مداح تھے۔ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم کے بقول: وہ در اصل اپنے تصور خودی اور عشق کی تعمیر قرۃ العین کی حیات میں پاتے تھے اور خاتون عجم کو عالم نسواں کا بہترین نمونہ گردانتے تھے......"۔

این میری شمل لکھتی ہیں: "اقبال اپنے نظریہ مرد مومن میں عورت کو شامل نہیں کرتے اور عورت کے لئے فقط ایک بیوی اور ماں کی ذمہ داری ہی متعین کرتے ہیں لیکن یہاں انہوں نے یہ دکھادیا ہے کہ وہ تنگ نظر نہ تھے وہ دراصل ہر اس شخصیت کے مداح تھے جس میں ان کو سچی محبت کی روشنی نظر آئے۔

یہاں طاہرہ سندھی اور پنجابی لوک داستانوں کی شجاع اور شیر دل عورتوں کی طرح مرد اور سچی طالب المولی دکھائی دیتی ہے۔ جس نے دنیا کی ہر چیز کو تج دیا اور اتحاد و محبت کی خاطر اپنے کو قربان کر دیا......"

اقبال نے طاہرہ کی زبان سے یہ اہم پیغام دیا ہے کہ ایک صاحب عشق (باب) کی جرات کے طفیل تازہ کائنات ظہور میں آرہی ہے۔ کہنگی مٹ رہی ہے۔ اس صاحب عشق کا جلوہ شہر و دشت میں دکھائی دیتا ہے وہ اپنے عصر کے ضمیر میں پوشیدہ ہے۔

از گناه بندۂ صاحب جنون

کائنات تازه ای آید برون

------

شوق بے حد پردہ ہا را بر درد
کہنگی را از تماشا می برد

------

آخر از دار و رسن گیرد نصیب
بر نگردد زندہ از کوئے حبیب

------

جلوۂ او بنگر اندر شہر و دشت
تا نہ پنداری کہ أز عالم گزشت

------

در ضمیر عصر خود پوشیدہ است
اندرین خلوت چسان گنجیدہ است

------

میں سمجھتا ہوں کہ ان اشعار میں حضرت علامہ اقبال نے حدیث دیگراں کے انداز میں اپنے نظریہ محبت وارتقاء کو پیش کر دیا ہے۔ سہ ارواح پاکباز 'حلاج' طاہرہ اور غالب تینوں شخصیات نے محبت کا پیغام دیا اور اس پیغام کے فروغ کے لئے قربانیاں دیں۔ اقبال نے زندگی کے آخری برسوں میں خاص طور سے محبت پر زور دیا جو زندگی کا ایک حرکی اصول ہے۔ خودی کی تکمیل محبت کی طاقت سے ہو سکتی ہے۔ محبت ہی فرد کو اطمینان دیتی ہے اور محبت ہی قوموں کو متحد کر کے دنیا میں امن قائم کر سکتی ہے۔ میک گیل یونیورسٹی میں ۱۹۸۴ء میں منعقد ہونے والے سیمینار میں پروفیسر این میری شمل نے "اقبال اینڈ دی بہائی فیتھ" کے عنوان سے جو مقالہ پیش کیا تھا اس میں وہ رقم طراز ہیں۔ "یہ ناممکن ہے کہ آدمی ایسی چند بنیادی مشابہتوں سے دوچار نہ ہو جو اقبال کے آخری عمر کے فلسفہ میں اور ان بنیادی نظریات میں پائی جاتی ہیں جنہیں وہ بہائی ازم کا جوہر قرار دیتے ہیں۔ خاص طور سے

تصور محبت کے حوالے سے جو زندگی کا اصل مقصد ہے۔" حلاج، طاہرہ اور غالب کی ہی طرح اقبال بھی تقلید، تعصب، جمود اور رسم و رواج کے خلاف تھے۔ ان کے نزدیک "آئین نو" سے ڈرنا اور "طرز کہن" پر اڑنا قوموں کی زندگی میں کٹھن منزل ہے۔ وہ عشق کے معجزات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

عشق را از تیغ و خنجر باک نیست

اصل عشق از آب و باد و خاک نیست

-------

از نگاہ عشق خارا شق شود

عشق حق آخر سراپا حق شود

-------

اب ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ ان تینوں شخصیتوں میں وہ کون سی قدر مشترک تھی جس نے علامہ اقبال کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ حلاج، طاہرہ اور غالب تینوں ایسے شاعر و مفکر اور انقلاب آفریں انسان تھے جو جمود کے خلاف اور ارتقائے حیات کے نقیب تھے۔ تینوں عشق و محبت کے پیامبر تھے تینوں آئیڈیل پر قربان ہو جانے کو حیات جاوید سمجھتے تھے۔ ان تین میں سے حلاج اور طاہرہ تو واقعاً شہید ہو گئے جبکہ غالب شوق شہادت میں بیتاب رہا۔

حلاج، طاہرہ اور غالب کی شخصیت کردار اور شوق شہادت نے علامہ اقبال کو بے حد متاثر کیا تھا۔ یہاں پر میں ان تینوں شخصیتوں کا مختصر سا تعارف کرانے کی اجازت چاہوں گا۔ حسین ابن منصور حلاج شیراز کے قریہ طور میں ۲۴۴ھ میں پیدا ہوا اور ۳۰۹ھ میں بغداد میں اسے شہید کر دیا گیا۔ اس نے ۹ سال تک قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں۔ حلاج کے بارے میں راقم نے ۱۹۷۴ء میں جو رائے قائم کی تھی اسے یہاں دہرانا مناسب رہے گا۔

"......حیات حلاج کا مطالعہ اس کے عہد یعنی خلیفہ المقتدر باللہ (۲۹۵-۳۲۰ھ) کے سیاسی و اقتصادی پس منظر میں کیا جا سکتا ہے۔ حلاج ایک مصلح تھا اور کسی بھی اصلاحی

تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے افراد میں احساس خودی پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے مقام سے آگاہ ہو کر حقوق کے حصول کی سعی کر سکے اس دور کی شخصی بادشاہتوں اور استحصالی نظاموں نے فرد کی اہمیت سے انکار کر کے اسے استبداد کی مشین کا کل پرزہ بنا دیا تھا۔ ایسے وقت میں حلاج نے نعرہ لگایا کہ میں معاشرے کا فرد ہوں اور اپنی انفرادی شخصیت اور اہمیت کا مالک ہوں۔ میرا وجود بر حق ہے اور میرے حوائج و حقوق بھی جایز و مسلم ہیں" (۱)۔

علامہ اقبال نے "نوائے حلاج" کے عنوان سے اپنی غزل میں نظیری کے اس مشہور مصرعہ پر گرہ لگائی ہے۔

به ملك جم ندهم مصرع نظیری را

"کسی که کشته نه شد از قبیلهٔ ما نیست"

------

اگر چه عقل فسون پیشه لشکری انگیخت

تو دل گرفته نباشی که عشق تنها نیست

ہم دیکھتے ہیں کہ حلاج سے طاہرہ تک عشق کبھی تنہا نہیں رہا۔ اقبال حلاج کی زبان سے یہ پیغام دیتے ہیں۔

مرید همت آن رهروم که پا نگذاشت

به جاده ای که در او کوه و دشت و صحرا نیست

علامہ اقبال بنیادی طور پر فلسفی تھے۔ شاعر ہونا ان کی ثانوی حیثیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حق کی تلاش و جستجو میں رہے کچھ دیر کے لئے ایک چمکدار پتھر کو ہیرا سمجھ لیتے اور پھر اسے پھینک کر اصل ہیرے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے اور آخر کار ان کو ۱۹۳۵ء میں اعلان کرنا پڑا کہ : میرے نزدیک قادیانیت سے بہائیت زیادہ ایمان دار ہے (۲)۔ اس طرح وہ سحر سامری کو رد کر کے اعجاز موسوی کے معترف ہو گئے۔

---

۱- مقدمہ : حسین بن منصور حلاج۔

۲- زمیندار ۵ مئی ۱۹۳۵ء۔

۱۹۳۵ء میں علامہ اقبال نے احمدیت سے اپنا ذہنی تعلق (اگر تھا) بالکل منقطع کرلیا۔ اور ۱۹۱۱ء کے اپنے خطاب علی گڑھ پر یہ نوٹ تحریر کرکے صاف پیش گوئی کردی کہ ایک دن پوری کی پوری احمدی جماعت امر بہائی کو قبول کرکے جامعہ بہائی میں داخل ہو جائے گی کیونکہ احمدیت اسی کا چربہ اور مثنیٰ ہے۔ یقین ہے کہ جس طرح حضرت اقبال کی دیگر درجنوں پیش گوئیاں پوری ہو چکی ہیں یہ پیش گوئی (Prediction) بھی پوری ہو کر رہے گی (انشاء اللہ) اور جلد ہی یہ فرقہ من حیث الجماعت امر بہائی کی آغوش میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائے گا۔

اقبال اپنے لیکچر ''ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر'' کے آخر میں اپنے نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:

This lecture was delivered at Aligarh in 1911 . The remark about the Qadianis in this lecture must be revised in the light of the revelation of the spirit of the movement since 1911. The Qadianis still appear to be Muslims in externals. Indeed they are very particular in the matter of externals but the spirit of the movement as revealed often is wholly inimical to Islam.

Out wordly they look Muslims and anxious to look so; but inwordly their whole mentality is Magian. It is probable that eventually the movement will end in Bahaism from which it originally appears to have received inspiration.

Md. Iqbal

21st October 1935.

[illegible]

This lecture was delivered at Aligarh in 1911. The remarks about the Qadianis in this lecture must be revised in the light of the revelation of the spirit of the movement since 1911. The Qadianis still appear to be Muslims in externals. Indeed they are very particular in the matter of externals but the spirit of the movement as revealed often is wholly inimical to Islam.

Outwardly they look Muslims and anxious to look so, but inwardly their whole mentality is Magian. It is probable that eventually the movement will end in Bahaism from which it originally seems to have received inspiration.

Md. Iqbal

21st October 1935

# باب چہارم

## قیامت

# قیامت

قیامت ایک ایسے تاریخی دور کا نام ہے جس کا آغاز مظہر ظہور کے آنے سے ہوتا ہے۔ اہل بہاء کے عقیدہ کی رو سے آسمانی صحیفوں نے جس قیامت کے آنے کا وعدہ دیا تھا وہ ۱۸۴۴ء میں پورا ہو گیا جب حضرت سید علی محمد باب کی بعثت ہوئی۔

قیامت کے موضوع پر ہم یہاں حضرت علامہ محفوظ الحق علمی کی ایک تحریر کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔

اصطلاحات قیامت کی وضاحت کے بعد اقبال کے ایسے اشعار کو آسانی سے سمجھا جاسکے گا۔ جن اشعار میں انہوں نے قیامت کی علامات و اصطلاحات استعمال کی ہیں۔

قیامت کے معنی ہیں اُٹھ کھڑا ہونا۔ جب کوئی پیغمبر خدا کے حکم سے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ تو لوگ بھی نئی زندگی میں برپا ہوتے ہیں۔ پیغمبر کی بعثت سے وفات کے دن تک یوم قیامت کہلاتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ کی بعثت سے وفات تک یہودیوں کی قیامت تھی جبکہ حضرت عیسیٰ نے قائم ہو کر نئی زندگی میں لوگوں کو برپا کیا اور حضرت رسول اللہؐ کی بعثت سے وفات تک عیسائیوں کی قیامت تھی ۔ اور حضرت باب کی بعثت سے شہادت تک مسلمانوں کی قیامت تھی۔ جبکہ حضرت باب نے لوگوں میں نئی زندگی کی روح پھونکی اور سب کو نئے دور میں برپا کیا اور حضرت بہاء اللہ کے ظہور سے صعود تک بابیوں کی قیامت تھی جب حضرت بہاء اللہ نے اعلان حق کا صور پھونکا اور لوگ نئی زندگی میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور تمام دنیا میں نئی لہر چلنے لگی۔

اب قیامت سے متعلق چند اصطلاحات کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔ بہائی لٹریچر میں قیامت سے متعلق جو اصطلاحات، علامات اور تلمیحات ملتی ہیں وہی علامہ نے بھی اپنے کلام میں برتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر "ضرب کلیم" سے ہی ہم یہ علامات جمع کریں تو ان کی فہرست کچھ یوں ہوگی۔ زمین، آسمان، تقدیر، قبر، کافر، مومن، جنت، حور، اسرافیل، صوت قم باذن اللہ۔

## بعثت

بعثت کے معنی ہیں کسی آدمی کو بھیجنا۔ اٹھانا۔ قیامت کے دن جب خدا پیغمبر کو بھیج
ہے تو وہ لوگوں کو اُٹھاتا ہے۔ نئی زندگی میں قائم کرتا ہے۔ غفلت و گمراہی کی قبروں میں سے
نکال کر نئی زندگی اور ہدایت عطا کرتا ہے۔ خدا سب سے اول پیغمبر کو مبعوث و قائم کرتا ہے
اور اس کے بعثت و قیام سے سب لوگ مبعوث اور قائم کئے جاتے ہیں۔ زندگی کا نیا دور چ
ہے جو لوگ ایمان لاتے ہیں۔ اعلیٰ زندگی اور ترقی پاتے ہیں۔

## موت و حیات

موت کے معنی ہیں۔ زندگی کا نہ رہنا۔ یہ بھی موت ہے کہ انسان کی روح بدن سے
نکل جائے۔ اور جب کوئی انسان مر جاتا ہے تو فوراً اپنے اعمال کے مطابق اچھی حالت یا بُر
حالت میں جا پہنچتا ہے۔ جسم سے روح الگ ہو جاتی ہے تو یہ جسم کی موت ہے اسی طر
روحانی موت یہ ہوتی ہے۔ کہ دنیا میں زندہ رہتے ہوئے روح مردہ ہوتی ہے۔ یعنی روح کی
زندگی جو خدا کی محبت و اطاعت اور نیکی و ایمان داری ہے باقی نہیں رہتی۔ صفاتِ کمال انسا
میں سے گم ہو جاتی ہیں۔ ایسی حالت جب عام طور پر ہوتی ہے تو قومی موت کہلاتی ہے۔ جب
قوم روحانی موت میں مبتلا ہوتی ہے تو ایسے وقت میں خدا کی طرف سے نئی قیامت کا ظہور ہو
ہے۔ اور پیغمبر وقت کی بعثت ہوتی ہے مردہ قوم کو زندہ کیا جاتا ہے۔

## قبر

قبر یعنی وہ چیز جو ڈھانک لیتی ہے۔ ہر انسان اپنے حال کے مطابق ایک قبر
ہے۔ غفلت ایک قبر ہے۔ جس میں انسان پڑا رہتا ہے اور اس کے کمالات سب ڈھکے ر
ہیں۔ جہالت ایک قبر ہے جس میں انسان دبا ہوا ترقیات سے محرم رہتا ہے۔ کفر ایک قبر
جس میں آدمی ایمانی زندگی سے دُور اور حیاتِ حقیقی سے بے بہرہ ہوتا ہے۔
علم صحیح اور عمل صحیح کے ہاتھوں انسان کی یہ قبر استعداد کھلتی ہے اور کمالات ان

ظہور میں آتے ہیں اور نئی قیامت میں نئی زندگی پاتے ہیں۔ قیامت میں قبروں سے اُٹھنے کی یہی سچی حقیقت ہے۔

## عذاب قبر

قوم جو مردہ ہو چکی اور غفلت و جہالت اور کفر و عصیان کی قبروں میں پڑی ہے وہ عذاب قبر میں گرفتار ہوتی ہے۔ طرح طرح کے دکھ اپنی قبر میں پاتی ہے۔ اس قوم کے افراد کے پاس خدا کے فرشتے بھیجے ہوئے مبلغ جاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے ؟ تمہارا رب کون ہے ؟ تم اس شخص - یعنی (پیغمبر وقت) کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ جو لوگ حقیقت ایمان سے خالی ہوں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو نہیں جانتے۔ جو کچھ سب لوگ کہتے ہیں۔ وہی ہم کہتے ہیں جو لوگ قبر غفلت میں سے چونک کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ظہور حق کو پہچان لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ ظہور حق ہے۔ منجانب اللہ دلائل کے ساتھ ظاہر ہوا ہے۔ تب منکرین پر حجت قائم ہوتی ہے اور وہ عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں۔ [مومن]وں پر خدا کی رحمت ہوتی ہے۔ وہ ترقیات کی جنت میں داخل ہوتے ہیں اور جب یہ منکر [او]ر مومن دنیا سے جاتے ہیں تو منکر کی قبر جہنم کا ایک گڑھا اور مومن کی قبر جنت ہو جاتی ہے۔ منکر عذاب میں اور مومن راحت میں ہوتا ہے۔

## پل صراط

صراط یعنی راستہ یا شریعت جسے ایک پل سے مشابہت دی گئی۔ پل صراط خدا کی [شریع]ت ہے۔ جو نئے پیغمبر کے قیام و ظہور کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ اس پر چل کر مومن [رضائ]ے حق کی جنت میں پہنچتا ہے اور منکر نامرادی و قہر الٰہی کی آگ میں گر جاتا ہے۔ جو لوگ [دی]ن کی بصیرت رکھتے ہیں۔ ان کیلئے پلِ صراط بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہو جاتا ہے۔ [کیون]کہ واقعی دینی بصیرت سے محروم لوگوں کے لئے مسائل الٰہی نہایت دقیق و مشکل ہوتے [ہیں ا]ور نئی شریعت کے احکام انہیں تلوار سے تیز محسوس ہوتے ہیں۔

بہت سے لوگ حیرت زدہ ہو کر پل صراط پر ہی کھڑے رہ جاتے ہیں جنت لقائے [الٰہی م]یں داخل نہیں ہو سکتے۔ اور بہت سے کٹ کٹ کے گر جاتے ہیں۔ کئی ہزار سال سے

یہودی تورات کے پلِ صراط پر اٹکے ہوئے ہیں۔ دو ہزار سال ہونے کو آئے، عیسائی انجیل کے پلِ صراط پر کھڑے ہیں اور ہزاروں لاکھوں گذرنے والے گذر گئے ہیں۔

## میزان عدل

میزان کے معنی ترازو کے ہیں۔ قیامت کے دن جو میزان قائم ہوتی ہے۔ وہ خدا کا کلام ہے جو پیغمبر کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔ انسان کے جو اعمال اس میزان پر ٹھیک اُترتے ہیں وہ انسان کی نجات کا باعث ہوتے ہیں اور جو کام اس ترازو میں ہلکے اُترتے ہیں وہ انسان کو سزا کے لائق ٹھہراتے ہیں۔ ہر پیغمبر کی کتاب اپنے دور میں میزان ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ کے دور میں کتاب "تورات" میزان تھی اور حضرت عیسیٰ کے زمانے میں "انجیل" میزان تھی اور حضرت رسول اللہؐ کے دَور میں "قرآن" میزان تھا۔ رسول اللہؐ کی بعثت سے حضرت باب کی بعثت تک بے شمار انسان حضرت رسول اللہؐ کی ترازوے عدل میں تُل کر جہنم میں سزا پا رہے ہیں اور بے شمار مومن صالح جنت میں پہنچ کر خوشیاں منا رہے ہیں پھر حضرت باب کے زمانے میں کتاب "بیان" میزان تھی اور اب حضرت بہاء اللہ کے دور میں کتاب "الاقدس" میزان ہے۔ اس میزان پر سب لوگوں کے اعمال تولے جاتے ہیں۔

## حساب

قیامت میں سب کا حساب لیا جاتا ہے یعنی خدا اپنے پیغمبر کے ذریعے بندوں کے سامنے اپنا امر جدید پیش کرتا ہے جو آدمی قبول کرتا ہے وہ مقبول بارگاہ ہوتا ہے اور جو آدمی امر اللہ کا انکار کرتا ہے وہ خدائی حساب میں ناکام ہو جاتا ہے۔

## کتاب

قیامت کے دن کتاب لوگوں کو دی جاتی ہے۔ یہ وہی کتاب ہوتی ہے جو پیغمبر پر نازل کی جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کے سیدھے ہاتھ میں کتاب پہنچتی ہے یعنی وہ لوگ اسے قبول کر کے عمل کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں اور جو لوگ اُلٹے ہاتھ میں کتاب لیتے ہیں۔ یعنی کتاب کی باتیں صحیح طور سے نہیں سمجھتے اور اس کے حکموں پر عمل نہیں کرتے وہ غافل او

مجرم ہوتے ہیں۔ خدا کی نئی کتاب لوگوں کے امتحان کا ذریعہ ہوتی ہے۔ سچا مومن ہی اس امتحان میں کامیاب ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر عیسائی یہ سمجھ لیتے کہ حضرت رسول اللہؐ کا ظہور بڑی شان کے ساتھ بعینہ حضرت عیسیٰ کا ظہور تھا۔ اور قرآن حقیقت میں انجیل ہی کا شان دار نزول ہے تو وہ کتاب قرآن کو سیدھے ہاتھوں میں لے کر قبول کرتے اور خدا کے مقرّب ہو جاتے۔

موجودہ دور میں حضرت بہاء اللہ کے ذریعے جو کتاب الٰہی نازل ہوئی ہے۔ سب پیغمبروں کی کتابیں اسی میں آگئی ہیں اور حضرت بہاء اللہ کا ظہور بطور اکمل کل پیغمبروں کا ظہور ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے اور ماننے والے خدا کے محبوب ہیں۔ اور اس بڑی قیامت میں کامیاب ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

## جنت

قیامت کے دن جنّت ظاہر ہوتی ہے۔ جنّت دراصل خدا کی خوشنودی ہے جو اس کے ظہور پر ایمان لانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے جب کسی پیغمبر کا ظہور ہوتا ہے تو اہل ایمان رضائے الٰہی کی جنت میں داخل ہوتے ہیں۔ ایمان اور نیک عمل خود جنت ہے۔ ہر چیز کی جنّت اس کا کمال ہے۔ انسان جب ظہور حق پر ایمان لاتا ہے۔ اور عمل صالح کرتا ہے تو مقام کمال پر پہنچتا ہے۔ یہ انسان کی جنت ہے جو اسے اسی زندگی میں ملتی ہے اور جو شخص زندگی میں جنتِ کمال حاصل کر لیتا ہے وہ مرنے کے بعد فوراً اس جنّت میں پہنچتا ہے جو بعد موت ملتی ہے۔ جس کی پوری کیفیت دنیا میں کوئی نہیں جان سکتا۔

## دوزخ

سب سے برا مقام دوزخ خدا کے ظہور کو نہ پہچاننا ہے۔ جب ایک پیغمبر حق ظاہر ہوتا ہے اور انسان اس کا انکار کرتا ہے تو یہی نفسِ انکارً جہنم ہے جس میں پڑ کر انسان کی حقیقت و اصلیّت جل جاتی ہے۔ ایمان و عملِ صالح نابود ہو جاتا ہے۔ نیکوکار کے لئے عمل خیر جنت اور عمل شر دوزخ ہے۔ عمل خیر حیات ابدی کا موجب ہوتا ہے۔ عمل شر ہلاکت و بربادی ہے اور جو شخص دُنیا میں رہتے ہوئے انکار حق یا عمل بد کی جہنم میں رہتا ہے

کرتا ہے۔ جسمانی موت کے بعد فوراً عالم آخرت کی جہنم میں جا نکلتا ہے۔

## خدا کا دیدار

قیامت کے دن جو خدا کے دیدار کا ذکر ہے۔ اُس سے مراد یہ ہے کہ خدا کے مظہر ظہور کو لوگ چشم عرفان سے دیکھیں گے۔ جب قیامت ہوتی ہے۔ خداوند قیوم کا مظہر پیغمبر ظاہر ہوتا ہے۔ پاک دل انسان چشم بصیرت سے اس مظہر میں خدا کی تجلّیات دیکھتے ہیں اور انکار کرنے والے بد اعمال اس دیدار سے محروم رہتے ہیں۔ مظہر ظہور کی ملاقات سے ہی خدا کی ملاقات حاصل ہوتی ہے۔ اس دنیا میں خدا نے یہی قانون مقرر فرمایا ہے کہ پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ پیغمبر کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ پیغمبر کی ملاقات میں خدا کی ملاقات ہے۔ کیونکہ مظہر الہٰی کی ذات کے آئینے میں خدا کی تجلیات ہی نظر آتی ہیں۔ قیامت میں خدا کا دیدار ہوگا۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ مظہر ظہور کے ذریعہ تجلی الہٰی نظر آئے گی۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات خدا کی ملاقات تھی۔ حضرت باب کی ملاقات خدا کی ملاقات تھی۔ حضرت بہاء اللہ کی ملاقات خدا کی ملاقات ہے۔

## مظہر ظہور

عالم میں جو کچھ ہے۔ خدا کی صفات اور قدرت کا مظہر ہے۔ ہر ذرّے میں اس آفتاب حقیقی کے آثار نمودار ہیں۔

سب مخلوق میں سے انسان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اسماء و صفات الہٰی انسانی مظاہر کے ذریعے اکمل و اشرف طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔

مظاہر ظہور انسانوں میں سب سے کامل تر اور اعلیٰ ترین خدائی نمائندے ہوتے ہیں وہ غیب الغیب کے آئینہ ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی صفات، علم، قدرت، حکومت، رحمت وغیرہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان مقدس ہستیوں کی ملاقات سے خدا کی ملاقات حاصل ہوتی ہے۔ ان کے علم سے خدا کا علم ان کے چہرے میں خدا کا چہرہ نظر آتا ہے۔

ذاتِ الہٰی کے عرفان وادراک کے لئے سب دروازے بند ہیں۔ صرف یہی ایک

دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے کہ مقدس مظاہر کا جمال خدا کے جمال کا جلوہ دکھاتا ہے۔ خدائے پاک نزول و صعود، دخول و خروج، اور حلول وغیرہ جسمانی اُمور سے ہمیشہ منزّہ ہے بلکہ انسانی تصوّر سے بھی بالاتر رہا ہے اور رہے گا۔

## سلسلۂ قیامت

تجلی الٰہی کا اپنے مظہر کلی میں قیام کرنا مظہر امر کا خدا کے حکم پر قیام کرنا۔ بندوں کا خدا کے لئے قیام کرنا قیامت ہے۔ خدا جب اپنے مظہر امر کے ذریعے تجلی فرماتا ہے۔ اس دن سے زیادہ باعظمت کوئی دن نہیں اور اس قیامت سے بڑھ کر کوئی قیامت نہیں ہوتی۔ اس وقت ایک عمل ہزار سال کے عمل سے بڑھ کر ہے بلکہ اس سے زیادہ افضل ہے۔

موت وحیات جو مقدس کتابوں میں مذکور ہے۔ اس کا مطلب ایمانی موت وحیات ہے۔ روحانی طور پر ہی بعثت حشر اور قیامت ہمیشہ مُراد ہوتی ہے۔ دنیا کے فنا ہونے کا نام قیامت نہیں ہے اور کوئی وقت ایسا نہ آئے گا جبکہ کل کائنات فنا اور معدوم ہو جائے اور پھر دوبارہ زمین میں سے مُردے جسمانی طور پر نکلیں، یہ نہ کبھی ہوا نہ کبھی ہوگا۔ اُمتوں کا پیغمبروں کے ذریعہ اُٹھنا ہی قیامت کا مقصود اصلی ہے۔ ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح کی آمد قیامت تھی۔ حضرت رسول اللہؐ کی بعثت قیامت تھی۔ حضرت باب کی تشریف آوری قیامت تھی۔ حضرت بہاء اللہ کی جلوہ گری قیامت کبری ہے۔ اور آئندہ بھی قیامتیں ہوتی رہیں گی پہلے بھی بے شمار قیامتیں ہوتی رہی ہیں یہ سلسلہ دائمی ہے۔

## برزخ

جب خدا کی عظیم الشان نئی تجلی سے مظہر اتم قائم ہوتا ہے اور نئی قوم برپا ہوتی ہے تو وہ زمانہ یوم قیامت ہے۔ یعنی نئے قیام و نظام کا دن کہلاتا ہے اور جب پیغمبر جو آفتاب حق ہے۔ غروب ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت سے دوسرے وقت ظہور تک جو زمانہ ہوتا ہے وہ برزخ کہلاتا ہے۔ بالفاظ دیگر دو ظہوروں کے درمیان کا فاصلہ برزخ کہلاتا ہے۔

## نفخِ صور

صور پھونکنے سے مراد پیغمبر خدا کے ذریعہ خدائی ندا کا بلند ہونا ہے پیغمبر، خدا کا منادی ہوتا ہے۔ اس کی دعوت، دعوتِ الٰہی ہوتی ہے۔ اس کی ندا خدائی ندا ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا جو کچھ وحی الٰہی نازل ہوتی ہے وہی کہتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت رسول اللہ صلعم نے خدائی اعلان لوگوں کو سنایا تو وہ ایک صور تھا جو پھونکا گیا۔ اور اس کے اثر سے مردہ زندہ ہونے لگے۔ جب حضرت باب نے ندائے الٰہی بلند کی تو ایسا صور پھونکا گیا کہ ہل چل مچ گئی اور ہزاروں پاک روحیں اس آواز پر شیدا ہو کر عالم شہادت میں داخل ہوئیں۔ جب حضرت بہاء اللہ نے صور پھونکا تو قیامت کبریٰ برپا ہو گئی اور عالم میں انقلاب رونما ہو گیا۔ اور مسلسل انقلابات ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ دور قیامت کبریٰ کے نتائج عظیمہ بر آمد ہوں گے اور دنیا اعلیٰ درجہ کمال تک پہنچ جائے گی۔ دین بر حق تمام عالم میں پھیل جائے گا سارے جہاں میں وحدت و یگانگت کا دَور دورہ ہو گا۔ سب لوگ امن و امان اور محبّت سے رہیں گے۔

## زمین و آسمان

قیامت کے بیان میں جہاں زمین و آسمان کا ذکر آیا ہے وہاں زمین سے مراد علم و معرفت کی زمین ہے اور آسمان سے دین کے آسمان مراد ہیں۔ آسمان سے بلندی و برتری کی جہت مراد ہے جو پیغمبروں کے ظہور کا مقام ہے کیونکہ پیغمبر حقیقت میں حکم خدا کے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور قدرت کی بلندی پر ظہور فرماتے ہیں۔ مشیت کے اُونچے مقام سے مبعوث ہوتے ہیں۔ قیامت میں آسمان پھٹنے کا مطلب یہ ہے کہ دین کا آسمان نئے ظہور میں بلند ہوتا ہے اور بعد کے ظہور میں پھٹ جاتا ہے۔ یعنی محو و منسوخ ہو جاتا ہے۔ قیامت کے دن ظاہری آسمان فنا نہیں ہوتے بلکہ دین کے آسمان پھٹتے اور دلوں کی زمین بدل جاتی ہے جس کا اثر مادی زمین پر بھی پڑتا ہے۔

## شمس و قمر

قیامت کے بیان میں "شمس و قمر" اور "نجوم و کواکب" کا جو ذکر ہوا وہ بھی دینی نظام کے شمس و قمر ہیں۔ شمس سے مراد مظاہر کلی یعنی پیغمبر ہیں جو خدا کی مشیت کے مشرق سے طلوع ہوتے ہیں۔ "قمر" سے مراد پیغمبر کے خلیفہ اور نائب ہوتے ہیں جنہیں آئمہ کہتے ہیں۔ "نجوم" و "کواکب" سے مراد اولیاء اور علماء ہیں جو ایک ظہور میں روشن ہوتے ہیں اور ظہور بعد میں انکار حق کر کے تاریک ہو جاتے اور آسمان دین کی بلندی سے جھڑ کر گر جاتے ہیں۔ آفتاب کا تاریک ہو جانا۔ چاند کا ماند پڑ جانا' ستاروں کا گر جانا۔ ان سب کا مطلب علماء کا گمراہ ہو جانا اور شریعت کے احکام کا منسوخ ہو جانا ہے۔ یہ مسلّم ہے کہ پہلے ظہور کے علوم و احکام' اوامر و نواہی اور معارف کے وہ آفتاب و ماہتاب جس کے زیر اثر پہلے زمانہ کے لوگ روشنی حاصل کرتے تھے بعد کے ظہور میں محو و تاریک ہو جاتے ہیں یعنی ان کا دور حکومت اور اثر ختم ہو جاتا ہے۔ قیامت میں نیا دور شروع ہوتا ہے۔ نیا آسمان' نئی زمین' نیا سورج' نئے چاند' ستارے برپا ہوتے ہیں۔

## جبال

جبل ہر سخت اور بڑی چیز کو کہتے ہیں۔ قیامت کے بیان میں جو ذکر آتا ہے کہ پہاڑ اُڑا دیئے جائیں گے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ بڑے بڑے لوگ پست کر دیئے جائیں گے۔ جبال راسخ الاعتقاد مومنوں کو بھی کہا گیا ہے اور احکامِ شریعت کو بھی جبال کہا گیا ہے اور ہر لفظ کے اطلاق کا کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ اول درجے میں روحانی معنی مُراد ہوتے ہیں۔ اور پھر ہوتے ہوتے ظاہری اور مادّی معنی بھی اگر کلام الٰہی کے خلاف نہ ہوں تو مراد لئے جاتے ہیں۔ یہی حال لفظ جبال کا بھی ہے کہ پہلے روحانی طور پر جبال سے مراد مومنِ راسخ اور احکام شریعت ہیں اور اُن سے اتر کر جس موقع پر مناسب ہو ظاہری پہاڑ بھی مراد ہو سکتے ہیں جن میں اب طرح طرح کے تغیرات رونما ہو رہے ہیں اور ہوں گے۔

## قیامت کبریٰ

ہر پیغمبر کی بعثت قیامت ہے۔ لیکن آدم سے تا حضرت خاتمؐ ایک سلسلہ تھا جسے دور نبوت کہتے ہیں۔ دور نبوت میں بھی ہر پیغمبر مستقل کی آمد سے ایک قیامت برپا ہوتی رہی۔ ساتھ ہی دورِ نبوت میں آنے والوں کا ایک بڑا کام قیامت کبریٰ کی بشارت تھی۔ سب پیغمبر یہ کہتے تھے۔ کہ ہماری آمد قیامت ہے اور ہم ایک عظیم الشان قیامت کی خبر دیتے ہیں۔ جس میں خدا کا ظہور اعظم ہوگا۔ اس قیامت کو قیامت کبریٰ کہتے ہیں۔ تمام عالم اس دَور میں عظیم الشان ترقیات کرے گا۔ مردہ قومیں زندہ کی جائیں گی۔ لوگ غفلت وجہالت کی قبروں سے اٹھیں گے۔ جو لوگ ظہور اعظم پر ایمان لائیں گے۔ حیات ابدی پائیں گے۔ اور جو لوگ عرفان حق سے محروم رہیں گے وہ قومی اور شخصی طور پر ہلاکت کی قبر کے عذاب میں پڑے رہیں گے۔ پُل صراط کو پار نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ ان کے اعمال کا فیصلہ خدا کی میزان عدل میں یہی ہوگا اور جن لوگوں کے اعمال مقدس ہوں گے۔ وہ رضائے الٰہی کی جنت میں داخل ہوں گے۔ اُن کا حساب آسان اور صاف ہوگا۔ اور بد عمل لوگوں کا حساب سخت ہوگا۔ اور وہ تباہی میں مبتلا ہوں گے۔ صور پھونکا جائے گا۔ لوگ نئی زندگی میں اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ دین اور قوم کے آسمان و زمین بدل جائیں گے۔ نئے آسمان نمودار ہوں گے۔ پہلا آفتاب رسالت چھپ جائے گا۔ پھر وہی آفتابِ حقیقت نئی شان سے جلوہ گر ہوگا۔ علماء جو آفتاب دین ہوتے ہیں بے نور ہو جائیں گے۔ ستارے جو اولیاء ہیں ماند پڑ جائیں گے۔ نئے آفتاب اور نئے ستارے نمودار ہوں گے۔ مومن جو مضبوط پہاڑ کی طرح دین میں قائم ہوتے ہیں۔ ایمانی لحاظ سے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے جب کہ وہ نئے ظہور کا انکار کر دیں گے۔ اور جو اقرار کریں گے وہ قائم رہیں گے اور سر بلند ہوں گے۔

ہر پیغمبر نے اپنی اپنی اُمت کو اس عظیم الشان آنے والے دور کی خوشخبری دی تھی اور تاکید کی تھی کہ جب وہ وقت آجائے تو سب دل و جان سے متوجہ ہوں اور ظہور حق کو قبول کر کے مقبول بارگاہ الٰہی ہوں(۱)۔

---

۱۔ ماخوذ: کتاب قیامت۔

## یا جوج و ماجوج

علامہ اقبال یا جوج و ماجوج کے کھلنے کو نئے ظہور اور روز قیامت کی ایک علامت قرار دیتے ہیں یہ نظم ملاحظہ ہو:

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے
دیکھئے ہوتا ہے کس کس کی تمناؤں کا خون
حکمت و تدبیر سے یہ فتنہ آشوب خیز
ٹل نہیں سکتا " و قد کنتم بہ تستعجلون "
"کھل گئے" یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف " ینسلون " (۱)

نیا دور ارتقاء جسے دینی اصطلاح میں قیامت کہا گیا ہے۔ اس کی علامات میں سے ایک علامت احادیث وروایات میں یہ بیان کی گئی ہے کہ یاجوج وماجوج کا خروج ہوگا۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ذوالقرنین نے جب دیوار بنادی تو پیش گوئی کردی کہ جب وعدۂ حق آئے گا تو یہ دیوار گر جائے گی اور یاجوج و ماجوج نکل آئیں گے۔ قرآن نے ذوالقرنین کی اس پیش گوئی کی تائید کرتے ہوئے فرمایا۔

قال هذا رحمة من ربّی فاذا جآء وعد ربّی جعله دکّاء وکان وعد ربّی حقا(۲).

ترجمہ: (ذوالقرنین بولا) اس دیوار کا بنانا میرے رب کی رحمت ہے، پس جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا۔ تو وہ اسے گرا دے گا اور میرے رب کا وعدہ تو برحق ہے۔

سورہ انبیاء میں یاجوج و ماجوج کے خروج کا ذکر اس طرح آیا ہے۔ حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج وهم من کل حدب ینسلون و اقترب الوعد الحق(۳)۔

ترجمہ: یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے

---

۱۔ بانگ درا۔ طبع بست و سوئم جون ۱۹۶۵ء ۲۔ الکھف آیہ ۹۸۔
۳۔ الانبیاء آیہ ۹۷-۹۶۔

دوڑ رہے ہوں گے اور سچا وعدہ قریب آن لگے گا۔

یاجوج و ماجوج کون لوگ ہیں' اس ضمن میں ہم چند جید اور سقہ علماء کی آرا پیش کرتے ہیں۔

علامہ جمال الدین القاسمی اپنی تفسیر محاسن التاویل میں لکھتے ہیں۔

یہ قوم قفقاز کے پہاڑوں کے پیچھے رہتی ہے جو داغستان میں واقع ہیں۔ یہ دو قبیلے ہیں ایک کا نام آقوق اور دوسرے کا نام ماقوق ہے۔ عربوں نے معرب کر کے انہیں یاجوج اور ماجوج بنا لیا۔ ان قبیلوں کی نسلیں روس اور ایشیا کے شمال مشرق میں رہتی ہیں (۱)۔ مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے یاجوج و ماجوج کے بارے میں جو تحقیق کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یاجوج سے مراد روس' اور شمالی چین کے وہ قبائل ہیں جو تاتاری' منگولی اور ھن کے ناموں سے مشہور ہیں، یہ قدیم زمانے میں ایشیا اور یورپ کے نشیبی ممالک پر حملے کرتے رہے ہیں' ان کے حملوں سے بچنے کے لئے قفقاز کے جنوبی علاقے میں دربند اور داریال کے محکم بند تعمیر کئے گئے تھے۔

"......ان کے کھول دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گے جیسے کوئی شکاری درندہ یکایک پنجرے سے چھوڑ دیا گیا ہو' وعدۂ حق پورا ہونے سے مراد یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج کی یہ خوفناک یورش آخری زمانہ میں ہو گی۔ اور اس کے بعد جلد ہی قیامت آ جائے گی۔ مسلم نے حذیفہ ابن سید الغفاری سے روایت نقل کی ہے۔ قیامت قائم نہ ہو گی جب تک تم اس سے پہلے دس علامتیں نہ دیکھ لو۔ ان دس علامات میں ایک یاجوج و ماجوج کی یلغار ہے۔ ایک اور حدیث میں ان اقوام کی یورش کا ذکر کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

اس وقت قیامت اس قدر قریب ہو گی جیسے پورے پیٹوں کی حاملہ کہ نہیں کہہ سکتے وہ کب بچہ جن دے۔ رات کو یا دن کو" (۲)۔

اس دیوار کا ٹوٹنا اور یاجوج و ماجوج کا کھلنا قرب قیامت کی ایک نشانی تھی۔ چنانچہ

---

۱- التصریح بما تواتر فی نزول المسیح۔ ۲- سیرت سرور عالم' ج ۱' ص ۴۵۰۔

۱۸۴۴ء میں حضرت باب نے ظہور فرما کر قیامت برپا کر دی۔ حضرت باب فرماتے ہیں۔

"...... مراد از یوم قیامت یوم ظہور شجرۂ حقیقت است " (۱)

حزقائیل میں یاجوج و ماجوج کا ذکر اس طرح سے آیا ہے۔

و انت یا ابن آدم تنبّا علی جوج و قل . ھکذا قال السیّد الرب. ھا انا ذا علیك یاجوج رئیس روش ماسك و تو بال(۲)۔

ترجمہ :اے آدم زاد جوج کی طرف جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبل کا فرمان روا ہے متوجہ ہو اور اس کے خلاف نبوت کر۔

یہاں "روش" سے مراد روس "مسک" سے مراد ماسکو اور "توبل" سے مراد ٹومالسک ہے۔ یاد رہے کہ بادشاہ ذوالقرنین نے ایک مضبوط دیوار بنائی تھی جو دربند میں واقع تھی۔ یہ دیوار روسی اقوام کو ایران اور ترکی کی طرف بڑھنے سے روکتی تھی۔

جب اللہ کا سچا وعدہ قریب آنے لگا اور حضرت مہدی و مسیح کا ظہور نزدیک آگیا۔ تو اللہ نے اس محکم دیوار کو گرا دیا۔ یاجوج وماجوج کو کھول دیا گیا یعنی روسی اور یورپی اقوام نشیبی ممالک پر چڑھ دوڑیں۔

ان چڑھائیوں کے واقعات اس طرح ہیں۔

روس کے حکمران الیگزنیڈر اوّل نے ۱۸۰۶ء میں فرانس پر حملہ کر دیا اس کے بعد اسی روسی قوم نے سویڈن کے خلاف ۱۸۰۹ء میں جنگ لڑی۔ ۱۸۱۲ء میں روسی اقوام ترکی کے خلاف صف آرا ہوئیں۔ الیگزنیڈر اوّل کا بھائی نیکولس حکمران بنا تو اس نے ایک بار پھر ترکوں کے ساتھ ۱۸۳۷ء میں جنگ چھیڑی جو تین سال تک جاری رہی۔ فرانس کے فوجی حکمران نپولین نے ۱۸۱۲ء میں روس پر حملہ کیا۔ ۱۸۴۴ء میں سید علی محمد باب نے قائم آل محمد ہونے کا اعلان فرمایا اور قرآن حکیم کی پیش گوئی پوری ہو گئی اقترب الوعد الحق۔

زیر نظر نظم میں علامہ نے دو آیات قرآنی کا حوالہ دیا ہے۔ پہلی سورہ یونس کی آیہ ۵۱ ہے اور دوسری سورہ الانبیاء کی آیہ ۹۷-۹۶۔ سورہ انبیاء کی مذکورہ بالا آیہ کا پس منظر اور

---

۱-بیان (دوسرے واحد کا ساتواں باب)۔ ۲-حزقی ایل ۳۸ آیہ ۱-۲۔

پیش منظر پیش کیا جا چکا ہے۔ سورہ یونس کی آیہ ۴۷ میں کہا گیا ہے کہ ہر امت کا ایک رسول ہوتا ہے جب وہ آتا ہے تو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔

کہہ دو کہ میں تو اپنے نفع و نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ مگر جو خدا چاہے ہر ایک امت کے لئے وقت مقرر ہے۔ جب وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ آیہ ۵۱ میں کہا گیا ہے۔ کیا جب وہ (وعدہ) واقع ہو گیا تو اب ایمان لاؤ گے۔ حالانکہ تم اس کے لئے جلدی کرتے تھے۔

اقبال کے اس قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ بات خوب جانتے تھے کہ ہر امت کی میعاد مقرر ہے اور میعاد پوری ہونے پر نیا رسول خدا' نیا قانون لے کر آتا ہے۔

علامہ اقبال نے "میعاد" سے متعلق ایک قطعہ اس طرح کہا ہے۔

۱- گرچہ تو زندانی اسباب ہے ' قلب کو لیکن ذرا آزاد رکھ
۲- عقل کو تنقید سے فرصت نہیں ' عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ
۳- اے مسلماں ہر گھڑی پیش نظر آیۂ " لایخلف المیعاد " رکھ (۱)
۴- یہ " لسان العصر " کا پیغام ہے۔ " ان وعدہ اللہ حق " (۲) یاد رکھ (۳)

یہاں مسلمانوں سے کہا گیا کہ ان کی میعاد پوری ہو گئی اور قیامت آگئی ہے کیونکہ اللہ کا وعدہ یہی تھا اور وہ وعدے میں تخلف کبھی نہیں کرتا۔ آخری مصرعہ میں صاف کہہ دیا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے قران کی یہ آیہ مبارکہ اس طرح ہے۔

**و کذالك اعثرنا علیهم لیعلموا انّ وعد الله حق و اَنّ الساعة لاریب فیها**

ترجمہ : اور اس طرح ہم نے (لوگوں کو) ان (کے حال) سے باخبر کر دیا تاکہ وہ جانیں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (جس کا وعدہ کیا گیا) اس میں کچھ بھی شک نہیں (۴)۔

---

۱- آل عمران آیہ ۹۔ ۲- الکهف آیہ ۲۱۔ ۳- بانگ درا' ص ۲۱۹- ۴- ترجمہ از مولانا فتح محمد خاں جالندھری۔

قوم کی روحانی موت اور قیامت کے موضوع پر علامہ اقبال کے یہ اشعار بھی ملاحظہ فرمایئے جو کلیات فارسی سے لئے گئے ہیں :

آه قومے دل ز حق پرداخته (ص ۸۱۲)
مُرد و مرگ خویش را نشناخته

------

قم باذنی گوے و او را زنده کن
در دلش الله هو را زنده کن (ص ۸۴۶)

------

بنده مومن سرافیلی کند
بانگ او هر کهنه را برهم زند (ص ۸۷۶)

------

بیا نقش دگر ملت بریزم (ص ۸۹۷)
که این ملت جهان را بار دوش است

------

خیز و جان نوبده هر زنده را
از قم خود زنده تر کن زنده را (ص ۱۰)

------

ساقیا بر جگرم شعله نمناک انداز
دگر آشوب قیامت بکف خاک انداز (ص ۴۲۱)

------

مشرق خراب و غرب ازان بیشتر خراب
عالم تمام مرده و بے ذوق جستجوست (ص ۴۴۲)

------

نظام تازه بچرخ دو رنگ می بخشند
ستاره هائے کہن را جنازہ بر دوش اند (ص ۵۱۳)

------

این عبدالّلہ فریبش خوردہ است
رستخیزے بر عرب آوردہ است (ص ۶۴۳)

------

عالمے در سینۂ ما گم ہنوز
عالمے در انتظار قُم ہنوز (ص ۶۵۵)

------

بگذر از مرگے کہ سازد بالحد
زانکہ این مرگ است مرگ دام ودد (ص ۷۷۳)

------

گماں مبرکہ خرد را حساب و میزان نیست
نگاہ بندۂ مومن قیامت خرد است (ص ۸۰۱)

# باب پنجم

## رجال اقبال - الف

حضرت علامہ اقبال سے جن بہائی علماء کی ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک ملاقاتیں رہیں ان میں پروفیسر پریتم سنگھ، مرزا محمود زرقانی، مارتھا روٹ، اسفندیار بختیاری، مرزا منیر نبیل زادہ اور سید محفوظ الحق علمی (مدیر بہائی میگزین لاہور) قابل ذکر ہیں افسوس کہ ان حضرات کی ملاقاتوں کا حال علامہ کے پاس بیٹھنے والے حضرات کی تحریروں میں نہیں ملتا۔ اس خاموشی کی بڑی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ یہ لوگ کچھ تو متعصب ہوں گے اور آزاد خیال ہوں گے انہوں نے یہی مناسب سمجھا ہوگا کہ وہ ایک جدید امر کے پیروؤں کا اقبال سے تعلق دکھا کر ان کے لئے کوئی مشکل نہ کھڑی کر دیں۔ اس لئے انہوں نے ان گفتگوؤں اور ملاقاتوں کا حال ناگفتہ چھوڑ دیا۔ یوں وہ اگرچہ "فساد خلق" سے تو بچ گئے لیکن علمی بد دیانتی اور کتمان حق و حقیقت گناہ کے مرتکب ہو گئے۔

اب آیئے یہ دیکھیں کہ مذکورہ بہائی مبلغین سے علامہ اقبال کی شناسائی کیسے ہوئی اور اقبال کا رویہ کیسا رہا۔

سب سے پہلے ہم جناب پروفیسر پریتم سنگھ کے بارے میں یہ معلومات فراہم کرنا چاہتے ہیں۔

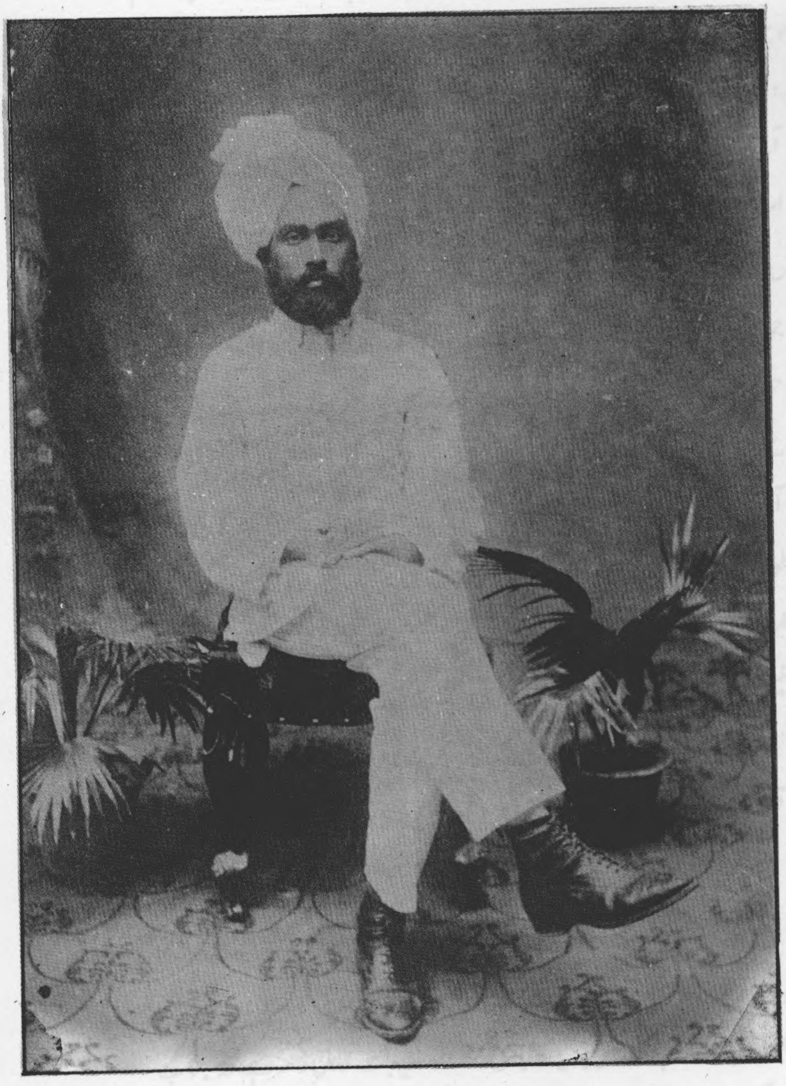

پروفیسر پریتم سنگھ

# پروفیسر پریتم سنگھ (۱۹۵۹ء-۱۸۸۱ء)

سیالکوٹ شہر نے متعدد مشاہیر علم وادب کو جنم دیاہے۔ ان میں علامہ عبدالحکیم، ڈاکٹر اقبال اور پروفیسر پریتم سنگھ سر فہرست ہیں۔

پروفیسر پریتم سنگھ برصغیر پاک وہند کی بہائی تاریخ میں اس لحاظ سے ہمیشہ منفرد ہیں گے کہ آپ سکھ قوم کے پہلے فرد ہیں۔ جو حضرت بہاء اللہ پر ایمان لائے۔ آپ نے ساری زندگی امرِ مبارک کی تبلیغ کے لئے وقف کر دی ۔ مرحوم پروفیسر نے برصغیر کے طول و عرض میں بارہا سفر کئے اور دین بہائی کا ابلاغ کیا۔ ۱۹۳۰ء میں مسِ مارتھاروٹ کے ہمراہ اردو ترجمان کی حیثیت سے ان کا سفر پنجاب و ہند یادگار سفر تھا۔

مرحوم پروفیسر ۱۶/ نومبر ۱۸۸۱ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد وہاں ے مشہور جج تھے۔ آپ نے سیالکوٹ کے بعد امرتسر اور لاہور میں تعلیم پائی۔ تعلیم مکمل رنے کے بعد آپ نے ملازمت اختیار کرلی اور ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک راج کمار کالج لاہور استاد کے طور پر کام کرتے رہے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب آپ کا ایران کے مشہور بہائی مبلغ ضرت مرزا محمود زرقانی سے تعارف ہوا۔ بعد میں آپ بمبئی میں ایک اور نامور مبلغ مرزا رم سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ ۱۹۰۹ء میں آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے کلکتہ چلے گئے چنانچہ آپ ے کلکتہ یونیورسٹی سے اقتصادیات میں ایم اے کیا اور پھر ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۰ء تک الہ آباد نیورسٹی میں اقتصادیات کے ریڈر رہے۔ اور اسی زمانہ میں باقاعدہ طور پر بہائی جامعہ میں ل ہوئے۔

آپ نے ۱۹۲۷ء تک متعدد یونیورسٹیوں میں پروفیسر کی حیثیت سے پڑھایا۔ امر کی تبلیغ آپ کی زندگی کا مقصد وحید تھا۔ مرحوم جس یونیورسٹی میں تعینات ہوتے وہاں پروفیسروں اور طلباء کو کھلم کھلا امرجدید کا ابلاغ کرتے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جناب فیسر کا تعلق سیالکوٹ کے امیر ترین سکھ خاندان سے تھا۔ آپ کے والد لاکھوں میں کھیلتے ۔ خاندان والوں نے جب دیکھ لیا کہ وہ کسی اور حربے سے آپ کو دین بہائی سے برگشتہ نہیں سکتے تو اقتصادی دباؤ سے کام لینا چاہا۔ اس کی ایک مثال حضرت مختیاری نے دی ہے۔

جب پروفیسر پریتم سنگھ شرفِ ایمان سے فائز ہوئے تو آپ کے والد نے جس کا شمار سیالکوٹ کے مشہور وکلاء میں ہوتا تھا اپنے وصیت نامہ میں ایک لاکھ روپیہ اور اپنی عمارات میں سے ایک عمارت بنام پروفیسر پریتم سنگھ مخصوص کرتے ہوئے یہ شرط رکھی کہ جب تک پریتم سنگھ عدالت میں آکر یہ اقرار نہ کرے کہ وہ سکھ ہے اور بہائی دھرم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اُس کو یہ دونوں چیزیں نہ دی جائیں اس وصیت نامہ سے اُس کا یہ مقصد تھا کہ بیٹا پریتم دین بہائی کا انکار کردے اور اس عقیدہ کو ذہن سے نکال دے۔

جب پروفیسر پریتم سنگھ کے پاس اس وصیت نامہ کی نقل پہنچی تو آپ نے فوراً ایک مؤدبانہ خط اپنے والد کو لکھا! "ابا جان! کیا آپ جیسے دانش مند اور بزرگ والد کے لئے یہ بات باعثِ ننگ نہیں ہوگی کہ لوگ آپ سے کہیں کہ تمہارے بیٹے نے پتھر اور گارے سے بنی ہوئی ایک عمارت اور ایک لاکھ روپیہ کے ارزاں داموں میں اپنا ایمان فروخت کردیا۔ مجھے اس بات پر یقین نہیں آتا کہ آپ اس بدنامی پر خوش ہوں گے۔ لہذا میں ایسا کام ہرگز نہیں کرسکتا"۔

جب مال و دولت کا لالچ بھی کارگر نہ ہوا تو جناب پروفیسر سے یہ استدعا کی گئی کہ آپ خاندان کی اچھی شہرت کے پیشِ نظر ایسا تو نہ کریں کہ کھلم کھلا تبلیغ کرتے پھریں۔ لیکن ان کی نظر میں عشقِ خداوندی تمام دنیوی مال و منصب سے زیادہ قیمتی تھا اس لئے لوگوں کی ایک نہ مانی۔ اور یہ ساری ترغیبات و ترہیبات آپ کو متزلزل نہ کرسکیں۔

چنانچہ جناب پروفیسر مال و دولت اپنے بھائیوں کو بخش کر خود خدمت امر کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ وہ ایک درویش صادق اور عاشق زاہد کی طرح تبلیغ کرتے رہے۔ آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تو ایک ایرانی بچی زرانگیز کو گود لے لیا۔

لاہور میں قیام کے زمانہ میں آپ کی دوستی علامہ اقبال سے ہوئی آپ اکثر اُن کے پاس جایا کرتے اور حضرت بہاء اللہ کے دینِ مبارک پر گفتگو فرماتے۔ آپ نے یہاں تشکیلات میں بھی اہم خدمات انجام دیں۔ آپ محفلِ مقدسِ ملّی ہند و برما کے کئی برسوں تک سیکرٹری رہے۔

پروفیسر پریتم سنگھ ایک ممتاز اُستاد اور کامیاب مبلغ ہی نہ تھے بہائی صحافی

تھے۔ آپ تنِ تنہا لاہور سے "دی بہائی" کے نام سے ایک انگریزی ہفت روزہ نکالتے رہے۔ "دی بہائی" کی پیشانی اسمِ اعظم سے مزین ہوتی تھی۔ یہ بڑی تقطیع کا اخبار تھا جو ۶ سے ۸ صفحات پر مشتمل ہوتا اور ۵۰۰ کی تعداد میں چھپتا تھا۔ اس کا پہلا شمارہ ۷ جنوری ۱۹۳۱ء کو شائع ہوا۔ "دی بہائی" کا دفتر ۳۹ ٹمپل روڈ لاہور تھا۔ اس کی سرپرستی محفلِ ملیّ کرتی تھی۔ مگر مالک و مدیر پریتم سنگھ ہی تھے۔ "دی بہائی" ۹ لانگ لے روڈ اور ہوٹو سنگھ روڈ لاہور سے بھی نکلتا رہا۔

اولین شمارہ کے اداریہ میں مرحوم پروفیسر لکھتے ہیں۔ "تمام ادیان کے جوانان کے لئے مشترک پلیٹ فارم مہیا کرنے کے لئے یہ اخبار نکالا گیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے اپنے ادیان سے متعلق مسائل و عقائد پر گفتگو کریں۔ اس میں بہائی تعلیمات اور مشرق و مغرب کو نزدیک لانے کے لئے ان امری فتوحات کی بشارات بھی پیش کی جائیں گی جو حضرت شوقی ربانی کی قیادت میں حاصل ہو رہی ہیں۔ "دی بہائی" میں کسی پارٹی یا گروپ کے جذبات کو مجروح کرنے والی تحریر سے احتراز کیا جائے گا۔ (ترجمہ)

اخبار کے شروع میں الواح کا انگریزی ترجمہ اور بہائی کتب کی فہرست ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں اسلام پر مقالات شائع ہوتے تھے۔ سوال و جواب اخبار کا مستقل کالم تھا۔ جناب پریتم سنگھ نے "لاہور اسٹڈی سرکل" کے نام سے ایک حلقۂ تحقیق بنا رکھا تھا۔ جس میں شائقین تشریف لاتے اور گوناگوں علمی و ادبی اور عمرانی مسائل پر گفتگو کرتے۔ "دی بہائی" ۱۹۳۳ء تک چھپتا رہا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جناب پریتم سنگھ اور ان کی بیگم نے ۱۹۲۱ء میں کوئی بہائی اخبار نکالنے کا پروگرام بنایا تھا۔ اور اس سلسلے میں حضرت عبدالبہاء سے رہنمائی کی استدعا کی تھی۔ چنانچہ حضرت عبدالبہاء نے آپ کے نام مکتوب ارسال فرمایا جس کے ذریعے اُن کو مبارک باد دی گئی اور اخبار کے مقاصد بتلائے گئے۔

یہاں ہم اصل مکتوب مبارک پیش کرکے اس کا اردو ترجمہ دے رہے ہیں۔

"مستر پریتم سنگھ و حرم محترمه علیها بهاء الله الابهی - ای دو نفس مبارک نامهٔ شما بجناب عزیز الله خان بهادر رسید. از

مضمون معلوم گردید که روزنامه ای تأسیس نموده اید۔ و مقصد هدایت خلق۔ این نیّت بهترین نیّتهاست بلکه انشاء اللّٰه سبب شود که کورها بینا گردند و گوشهائے کرشنوا۔ ولی باید ابداً تعرض بامور سیاسی منمائید۔مضمون جمیع وصایای جمال مبارک باشد که در الواح موجود است ۔ و هم چنین ترویج وحدت عالم انسانی و قلع و قمع تقالیدبوسیده و القاء محبت و الفت بین بشر و خدمت بعالم اخلاق و تربیّت نفوس و اطاعت و صداقت به حکومت و بیاناتی که مورث روحانیت و نورانیت قلوب گردد و بیان نفوذ کلمة اللّٰه و انتشار نفحات اللّٰه و علیکم البهاء الابهی۔

عبدالبهاء عباس ' ۲۹ اپریل ۱۹۲۱ء

ترجمہ : ”مسٹر پریتم سنگھ و حرم محترمہ علیہا بہاء اللہ الابہی 'اے دو نفس مبارک تمہارا خط جناب عزیز اللہ خان بہادر کو مل گیا ہے۔ مضمون سے معلوم ہوا کہ تم نے کسی روزنامہ کی بنیاد رکھی ہے۔ اور مقصد ہدایت خلق ہے۔ نیتوں میں یہ بہترین نیت ہے۔ بلکہ انشاء اللہ (یہ اخبار) سبب بنے کہ اندھے بینا اور بہرے کان شنوا ہو جائیں۔ لیکن چاہئے کہ امورِ سیاسی میں قطعاً دخل نہ دیا جائے۔ تمام تعلیمات جمال مبارک کا مضمون ہونا چاہئے جو الواح میں موجود ہیں۔ اسی طرح وحدتِ عالم انسانی کی ترویج بوسیدہ تقالید کا قلع قمع اور بشر کے درمیان محبت و الفت کا القا عالم اخلاق کی خدمت نفوس کی تربیّت حکومت کی اطاعت و راست بازی اور ایسے بیانات جو قلوب میں روحانیّت و نورانیّت پیدا کریں اور کلمۃ اللہ کے نفوذ و انتشار نفحات کا بیان ہونا چاہئے“۔

مرحوم پریتم سنگھ کے نام حضرت عبدالبہاء کی ایک لوح یہ ہے۔

” ای مهتدی بنور هدی“ ۔ حافظ شیرازی می گوید ۔

شکرشکن شوند همه طوطیان هند

زین قند پارسی که به بنگاله می رود

حال این حلاوت هدایت پارسی به ہندوستان رسیده ۔ امید چنانست که طوطیان ہند کام شیرین کنند و مذاق شکرین! علی العجاله تو طوطی شکر شکن شدی و شهباز افگن ۔ پروازی کن و آوازی بلند نما و رازی بگو و دمسازی بجو ۔ شاید سبب شوی و بنفس رحمانی جغد ان را بازان سپید نمائی و زاغ و زغن را طوطی شکر شکن فرمائی ۔ از خدا خواهم که در شبستان ہندوستان سراج رحمان گردی و در دبستان شرق ادیب اہلِ حق شوی اطفال را ببلوغ رسانی و اسرارِ آلہی بیاآموزی ۔ بیگا نگان را آشنا کنی و محرومان را محرم راز فرمائی۔

و علیك التحیّه و الثناء

(بواسطه حضرت آقا میرزا محمود زرقانی)

جناب پریتم سنگھ ممتاز مصنّف بھی تھے ۔ ادیان کے تعارف اور ظہور حضرت بہاء اللہ کے سلسلے میں اُن کے متعدد تعارفی پمفلٹ شائع ہو کر مقبول ہوئے۔ اُن میں یہ پمفلٹ قابل ذکر ہیں۔ اسلام 'دین موسوی 'دین مسیحی 'ہندو دھرم 'جین دھرم 'بدھ دھرم 'دین بہائی۔ ہمارے مربی اور ان کی تعلیم۔ پروفیسر صاحب کئی دیگر زبانوں کے علاوہ فارسی بھی خوب جانتے تھے اور ایران سے بر صغیر آنے والے بہائی مبلغین کی اردو اور انگریزی میں ترجمانی فرمایا کرتے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی آپ لاہور ہی میں رہتے تھے۔ مگر چونکہ مرحومِ محفل مقدس ملّی کے عضو تھے اور یہ محفل ہند و برما اور پاکستان کی مشترک محفل تھی جس کا دفتر دہلی میں تھا۔ اس لئے آپ محفل کے اجلاسوں میں شرکت کرنے کے لئے قیام پاکستان کے بعد بھی دہلی جایا کرتے تھے۔ آپ کی زندگی کس قدر سادہ تھی اور آپ ثروت اور اہل ثروت کو کس حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اس بارے میں حضرت مختیاری لکھتے ہیں۔

''آپ کا شمار ہندوستان کے قدیم اور باوفا دوستوں میں ہوتا ہے۔ آپ سے میری پہلی ملاقات ۱۹۲۱ء میں بہائیان ہند و برما کے دوسرے کانونشن میں ہوئی اور ۱۹۵۷ء تک جب ہند و برما کا کانونشن ایک ہی جگہ منعقد ہوتا تھا اغلب اوقات محفل اور سفر میں ہم ساتھ ساتھ رہے۔ بلکہ آخری ایام میں جب کہ بندہ امین صندوق محفلِ ملّی کے معاون کے فرائض

انجام دے رہا تھا اور دہلی میں محفل ملّی کے دفتر میں جناب پریتم سنگھ کے ساتھ ایک ہی کمرے میں رہتے تھے۔ ہمارے شب و روز نہایت سادگی اور قناعت سے بھرپور تھے لیکن ہم انتہائی مسرت و شادمانی و روحانیت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

ہندوپاکستان کی تقسیم کے بعد لاہور کے بعض مشہور اشخاص جو دہلی جاکر برسرِ اقتدار آئے یا منفعت بخش کاموں میں مشغول ہوئے۔ اکثر آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے اور دوستی و آشنائی کا اظہار کرتے۔ ان میں سے لاہور کے ایک ہندو جج تھے۔ ان کو کافی املاک کے علاوہ مہاراجہ کا ایک محل ملا تھا۔ وہ اس میں اپنے بیٹوں کے ہمراہ رہتے تھے۔ اُن کے بیٹے حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔

ایک دن اس جج نے اپنی دولت مندی اور خیر اندیشی کے خیال سے جناب پریتم سنگھ کو اپنے گھر پر دعوت دی۔ دوسرے روز صبح کے وقت حسبِ معمول جب ہم چہل قدمی کرتے ہوئے اس محل کے نزدیک پہنچے تو جناب پریتم سنگھ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: "لالہ جی نے مجھے تنہائی میں ملاقات کی دعوت دی ہے۔ آپ تھوڑی دیر باہر چہل قدمی فرمائیں میں لالہ جی سے مل آؤں"۔

یہ فرماکر پروفیسر صاحب محل میں داخل ہوگئے پھر جلد ہی ہنستے مسکراتے باہر تشریف لے آئے۔ محفلِ ملّی کے دفتر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے مجھے بتایا کہ "لالہ جی نے مجھے چند کمرے، خدمت گار اور نوکرانیاں دکھائیں اور کہا تمہارے لئے یہاں راحت و آسائش کے اسباب و وسائل موجود ہیں۔ خدمت گار تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ بہتر ہوگا کہ تم اپنے عقیدے اور بہائی جماعت کو چھوڑ کر یہاں آجاؤ اور ہمارے ساتھ زندگی بسر کرو۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے جو تم ایک ایرانی کے ساتھ دفتر کے ایک کونے میں بسر کر رہے ہو۔ صبح سے لے کر شام تک کام کرنا سونا جاگنا سب اسی جگہ پر ہے۔"!

میں (مختیاری) نے پوچھا۔ آپ نے اس کا کیا جواب دیا: فرمایا۔ "میں نے کہا واہ لالہ جی، تم ہماری ساری عمر کی کمائی چھیننا چاہتے ہو۔ مجھے وہاں کوئی تکلیف نہیں میں بہت خوش ہوں"۔

صعود سے چند سال قبل جناب پریتم سنگھ امرتسر چلے گئے تھے۔ اور وہاں کے

سکھوں کے سنہری گردوارہ کے نزدیک رہتے اور ان لوگوں کو حضرت بہاء اللہ کا پیغام سنایا کرتے تھے۔ گرمیوں کا موسم تھا اس لئے یہاں آپ حسبِ رواج اپنے دیگر ہمسائیوں کے ساتھ گھر کے باہر ایک قطار میں چارپائی بچھا کر رات بسر کیا کرتے اور صبح سب سے پہلے بیدار ہو کر اپنا بستر لپیٹ کر گھر کے اندر رکھتے اور چہل قدمی کے لئے نکل جاتے۔ ۲۵ اگست ۱۹۵۹ء کی صبح کو ہمسایوں نے دیکھا کہ جناب پریتم سنگھ ابھی تک سو رہے ہیں انہوں نے آپ کو آواز دی کوئی جواب نہ ملا۔ قریب ہو کر دیکھا تو اس روح پاک کو ابدی نیند میں پایا۔ چونکہ یہ سب لوگ جانتے تھے کہ آپ بہائی ہیں اس لئے انہوں نے محفلِ ملی بہائیان ہند کو آپ کے صعود کی اطلاع بذریعہ تار دی۔ محفلِ مقدس ملّی کی طرف سے جنابان موہن داس اور ہمت لال کو بھیجا گیا۔ مرحوم کی منہ بولی بیٹی وکٹوریہ (زرانگیز) اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ جالندھر سے امرتسر آ گئی۔ اس طرح کئی دیگر احباب کی مدد سے مرحوم پریتم سنگھ کو شریعت بہائی کے مطابق امرتسر میں دفنایا گیا۔

اس وقت آپ کی عمر ۸۲ سال تھی۔ مرحوم فاضل نوگانوی نے جناب پریتم سنگھ کا قطعۂ وفات اس طرح کہا ہے۔

پریتم سنگھ جن کو یاد کر کے ہر اک اہل بہاء نوحہ کناں ہے
انہیں کے غم میں آنکھیں رو رہی ہیں کلیجہ شق ہے اور دل خوں چکاں ہے
لکھا فاضل نے اُن کا سالِ رحلت پریتم سنگھ گل باغ جناں ہے(۱)

-----------

۱۹۵۹ء

-----------

۱- نجوم ہدایت۔

## مرزا محمود زرقانی

مرزا محمود زرقانی ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء میں شیراز کے نزدیک قریہ زرقان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد اسماعیل تھا جو پڑھے لکھے آدمی نہ تھے ان کا ذریعہ معاش کفش دوزی تھا۔ مگر چھوٹی موٹی کھیتی باڑی بھی کرتے تھے۔ محمود نے ابتدائی نوشت و خواند کی تعلیم گاؤں میں پائی اور پھر کفش دوزی میں والد کا ہاتھ بٹانے لگے۔ محمود کو بچپن سے ہی علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ شاعری کی طرف بھی میلان طبع رکھتے تھے۔

اس زمانے میں مرزا محمود نے زرقان ہی کے ایک عالم اور بہائی شاعر ملا عبداللہ متخلص بکا سے علم وادب کی تحصیل کا آغاز کیا۔ ملا عبداللہ کے ذریعے ہی محمود حضرت باب پر ایمان لائے یہ ملا عبداللہ بعد میں واعظ زرقانی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ملا عبداللہ ۷ ۳ سال کی عمر میں حاجی مرزا حسن واعظ خراسانی کے ذریعے حضرت باب پر ایمان لائے تھے۔

میرزا محمود اب واعظ زرقانی کی تربیت سے اب ثابت قدم اور سرگرم بہائی بن گئے تھے۔ اس کے بعد محمود زرقانی ایران کے دو مشہور بہائی شعراء جناب نیر اور سینا سے علمی وادبی استفادہ کرنے لگے۔ یہ دونوں سگے بھائی تھے اور انہی کے ذریعے محمود حضرت بہاء اللہ پر ایمان لا کر بہائی کہلائے۔ اب محمود وطن کو خیرباد کہہ کر نیر و سینا کے ہم سفر ہو گئے۔ چنانچہ اصفہان میں نیر' سینا اور نعیم اصفہانی نے مل کر ایک ادبی انجمن کی طرح ڈالی تو محمود بھی ان حضرات کے محضر سے استفادہ کرنے لگے۔

کچھ عرصہ کے بعد مرزا محمود کی ملاقات بہائی مبلغ جناب مرزا حیدر علی اصفہانی سے ہوئی' مرزا محمود نے ان کے ہمراہ طہران' خراسان' نخجوان' تفلیس اور عشق آباد (ترکمانستان) کا سفر کیا۔ ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء میں مرزا محمود نے مرزا حیدر علی کے ہمراہ عکا کا سفر کیا اور حضرت عبدالبہاء کے حضور مشرف ہوئے۔ اس وقت مرزا محمود کی عمر ۲۶ سال تھی۔ تب حضرت عبدالبہاء کے حکم سے مرزا محمود نے تبریز' طہران' اصفہان' یزد' شیراز کا سفر کیا۔

اس کے بعد ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء میں حضرت عبدالبہاء نے مرزا محمود کو مامور کیا

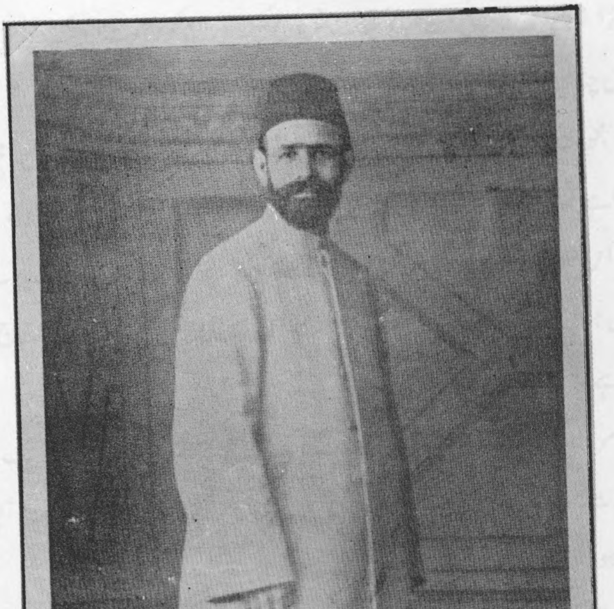

مرزا محمود زرقانی

## مرزا محمود زرقانی

مرزا محمود زرقانی ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء میں شیراز کے نزدیک قریہ زرقان



[illegible] کی عمر ۲۶ سال

کی جب حضرت عبد البہاء نے [illegible] تحریر "طہران الصلوٰۃ" پر [illegible] شیراز

کا سفر کیا۔

اس کے بعد ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء میں حضرت عبد البہاء نے مرزا محمود کو مامور کیا

کہ وہ بر صغیر جائیں اور امر اللہ کی تبلیغ کریں۔

مرزا محمود غالباً ۱۹۰۲ء میں لاہور میں وارد ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں آپ نے لاہور سے ہی مرزا غلام احمد قادیانی سے خط و کتابت شروع کی۔ اور ان کو دعوت دی کہ وہ امر بہائی کو قبول کرلیں چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں :

مجھ سے ایک حکیم مرزا محمود ایرانی نے آج ۳ ستمبر ۱۹۰۲ء کو بذریعہ خط کے دریافت کیا ہے کہ (اس) آیہ کے کیا معنی ہیں۔ **وجدها تغرب فی عین حمئة** (۱)

اس سوال کا جواب قادیانی صاحب نے کیا دیا یا دیا بھی کہ نہیں اس کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ سورہ الکھف کی آیہ ۸۶ ہے اس میں ذوالقرنین 'یاجوج و ماجوج اور نفخ صور کا ذکر ہے۔

مرزا محمود زرقانی مختلف اسفار کے دوران جو ۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۶ء تک جاری رہے۔ بھارت کے شہروں حیدر آباد 'بمبئی' پونہ 'دہلی اور پاکستان کے گجرات' پشاور' سیالکوٹ 'لاہور اور کراچی وغیرہ کا دورہ کرتے رہے۔

جناب علمی کی روایت ہے کہ حضرت زرقانی نے چار ماہ تک گجرات (پنجاب) میں قیام کر کے امر بہائی کی تبلیغ کی تھی۔

مرزا محمود زرقانی عالم و ادیب اور شاعر تھے۔ انہوں نے طب یونانی میں خاصی مہارت حاصل کر رکھی تھی۔ چنانچہ آپ "حکیم ایرانی" کے نام سے مشہور تھے۔

لاہور میں وارد ہونے کے بعد مرزا صاحب نے انار کلی کے ایک بالا خانے میں رہائش اختیار کی اور یہ بورڈ لگا رکھا تھا۔ "حکیم مرزا محمود ایرانی"۔

لاہور میں قیام کے دوران جو ۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۸ء تک جاری رہا۔ چند اہم واقعات پیش آئے۔ جن کی تفصیل جاننا ضروری ہے۔ ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ لاہور میں دو امریکائی بہائی ھیرس ہوپر اور ہارلن ایف اوبر کے علاوہ مرزا محرم 'سڈنی سپراگ اور ابن ابہر بھی تبلیغ

---

۱۔ لیکچر سیالکوٹ (حاشیہ)۔ ترجمہ اس (ذوالقرنین) نے (سورج) کو ایسا پایا کہ ایک کیچڑ کی ندی میں ڈوب رہا ہے

کے لئے آئے تھے۔ مرزا محمود زرقانی نے "پیسہ اخبار" کے مدیر سے دوستی پیدا کرلی تھی۔ جو عربی و فارسی کے عالم اور شعر شناس بزرگ تھے۔

انہی دنوں علامہ اقبال کی ملاقات جناب محمود زرقانی سے ہوئی اور اقبال امر بہائی کی تاریخ تعلیمات اور قرۃ العین طاہرہ سے روشناس ہوئے۔ دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو امر بہائی کی طرف دعوت دی۔ ان کو مجلس میں مذاکرہ کرنے اور اپنی صداقت ثابت کرنے کے لئے چیلنج کیا۔ مگر مرزا قادیانی کنی کترا گئے اور کبھی مقابلے پر نہ آئے۔ ان واقعات کی تفصیل اس طرح ہے۔ منشی محبوب عالم (۱۹۳۳ء - ۱۸۶۲ء) فارسی، اردو اور پنجابی کے عالم تھے۔ سعدی، حافظ، رومی، خیام، نظامی اور جامی ان کے پسندیدہ شاعر تھے۔ انہوں نے ۱۹۰۱ء میں "پیسہ اخبار" نکالا۔ اخبار کا دفتر انارکلی کے ایک کوچے میں ہوتا تھا۔

مرزا محمود زرقانی کی ان سے دوستی ہو گئی تھی۔ اور اکثر ملاقاتیں رہا کرتی تھیں، ان کی محفل میں فارسی شعر و شاعری کا چرچا رہتا۔ منشی محبوب عالم غیر متعصب اور کھلے دل و دماغ کے آدمی تھے۔ منشی صاحب علامہ اقبال کے بھی دوست تھے اور علامہ کا کلام "پیسہ اخبار" میں شائع کیا کرتے تھے۔

پروفیسر پریتم سنگھ علامہ اقبال کے ہم شہری یعنی سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ وہ سیالکوٹ کے معروف سکھ مجسٹریٹ چتر سنگھ کی اکلوتی اولاد تھے۔ ان کے مفصل حالات اس کتاب میں کسی اور جگہ آرہے ہیں۔

پروفیسر پریتم سنگھ کی علامہ اقبال سے دوستی ۱۹۰۱ء سے لے کر علامہ کی وفات تک برقرار رہی ہے۔

پروفیسر دیپ چند کھیانڑا لکھتے ہیں: کہ ایک دن پریتم سنگھ انارکلی سے گذر رہے تھے۔ تو ان کی نظر اچانک ایک سائن بورڈ پر رک گئی لکھا تھا: "حکیم مرزا محمود ایرانی"۔ چنانچہ پروفیسر پریتم سنگھ اوپر چلے گئے۔ مرزا محمود کو سلام کیا اور مذاق سے کہا: "میری نبض دیکھئے۔ میں بیمار ہوں"۔ مرزا محمود نے سنجیدگی سے کہا "میں روحانی بیماریوں کا علاج کرتا ہوں" چنانچہ آپ نے پروفیسر کو امر بہائی سے روشناس کرایا تو پروفیسر بہت مسرور ہوئے۔ پروفیسر

پریتم سنگھ کی جو اس وقت زیر تعلیم تھے۔ چند دنوں کے بعد اقبال سے ملاقات ہوئی۔ تو انہوں نے مرزا محمود زرقانی سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا۔ اب اقبال کے دل میں بھی شوق پیدا ہوا کہ اس شخص سے جو ایران سے آیا ہے اور شاعر بھی ہے ملاقات کرنی چاہئے۔ چنانچہ یہ دونوں دوست ایک دن مرزا محمود زرقانی سے ملاقات کے لئے ان کی رہائش گاہ پر حاضر ہو گئے۔ حکیم زرقانی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ نہائت ملنسار اور مودب عالم تھے۔ ان میں فخر و غرور کا شائبہ تک نہ تھا۔ بہت اچھے ادیب اور خطیب تھے۔ خود بھی شاعر تھے اور دوسرے ایرانی شعراء کا کلام یاد تھا۔ خاص طور سے وہ جناب طاہرہ اور مرزا نعیم اصفہانی کا کلام سنایا کرتے تھے۔ مرزا محمود کے یہ اوصاف اقبال پر جادو کا اثر کر گئے' پھر ان کی ملاقاتیں ۱۹۰۵ء تک برابر ہوتی رہیں" (۱)۔

میرا خیال یہ ہے کہ اقبال نے فارسی زبان و ادب کا مطالعہ مرزا محمود کے محضر میں ہی کیا ہو گا۔ بابی و بہائی دین کے بارے میں وسیع معلومات بھی اقبال نے انہی سے حاصل کی ہوں گی۔ اس خیال کی تائید جناب علمی کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ جہاں وہ لکھتے ہیں۔

"......(اقبال کے) جناب مرزا محمود زرقانی سے ایک ایک ہفتہ مسلسل صبح سے شام تک مذاکرات ہوتے رہے ہیں۔ صبح سے سلسلہ کلام شروع فرماتے۔ دوپہر تک جاری رہتا (اقبال کہتے تھے) کھانا بھی ہم دونوں اسی میز پر کھاتے اور شام تک سلسلہ گفتگو چلتا رہتا (۲)۔

مرزا محمود زرقانی شیخ عبدالقادر سے بھی اکثر ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔ اقبال کے مجموعۂ کلام "بانگ درا" کا مقدمہ شیخ صاحب نے لکھا تھا۔ اور سب سے پہلے اقبال کا کلام شیخ عبدالقادر نے ہی اپنے مجلّہ "مخزن" میں شائع کرنا شروع کیا تھا۔ انہوں نے "مخزن" میں کئی مضامین امر بہائی پر بھی شائع کئے تھے۔ ان میں دو مضمون بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک مضمون حضرت عبدالبہاء کے حالات زندگی اور شخصیت پر ہے جو مارچ ۱۹۰۸ء کے "مخزن" میں شائع ہوا۔ دوسرا مضمون "فرقۂ بہائیہ کے داعی" کے عنوان سے ہے جو اپریل ۱۹۰۸ء کے

---

1-Immortals ۔ ۲-بحوالہ بشارت' جنوری ۱۹۵۸ء۔

"مخزن" میں شائع ہوا تھا(۱)۔

جناب محمود زرقانی کا زیادہ تر قیام تو لاہور میں ہی رہا مگر اطراف پنجاب کا دورہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ شہر گجرات اور سیالکوٹ خاص طور سے ان کی توجہ کا مرکز رہے۔ گجرات میں آپ نے قرآن فہمی کی تحریک شروع کی نتیجہ یہ ہوا کہ گجرات نے چند معروف اہل قرآن پیدا کئے۔ سید محفوظ الحق علمی کی روایت ہے کہ سیالکوٹ کے مشہور اہل حدیث عالم دین مولوی محمد ابراہیم میر نے علمی صاحب سے فرمایا:

"...... میرے دل پر دنیا میں صرف دو اشخاص کا اثر ہے۔ جن میں سے ایک مرزا محمود زرقانی ہیں۔ تمام عمر بھی انہیں فراموش نہیں کر سکا۔ اس قدر شیریں زبان اور بااخلاق تھے کہ میں نے دنیا میں ایسا آدمی نہیں دیکھا(۲)"۔ جناب محفوظ الحق علمی لکھتے ہیں:

"...... حضرت مرزا محمود زرقانی کے ادب و اخلاق سے ہر شخص ایسا متاثر ہوتا تھا کہ خوب مودب بن جاتا تھا۔ باوجود اختلاف خیال کے علماء و فضلاء انہیں نہائت قدر و عظمت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اگر کوئی معترض شخص کچھ دل آزار باتیں کرتا تو مرزا محمود اس کی بالکل پروا نہیں کرتے تھے۔ ان کی اس بے نیازی سے اکثر آدمی خود دل میں شرمندہ ہو جاتا تھا۔ اگر کبھی کوئی شخص بار بار سخت الفاظ بولتا تو نہایت نرمی سے فرماتے:

شما طنز و کنایه می کنید امّا جواب سوال شما اینست

اتنا فرما کر اصل مطلب بیان فرمانے لگتے تھے (۳)۔

مرزا محمود زرقانی پنجاب میں تقریباً سات سال قیام فرما کر ۱۹۰۸ء میں ارض اقدس (عکا - حیفا) چلے گئے۔ اور حضرت عبدالبہاء کی خدمت اقدس میں رہنے لگے۔ اسی زمانے میں اقبال یورپ میں اپنے چار سالہ قیام کے بعد لاہور واپس آئے۔ مگر غالباً آپ کے آنے سے قبل ہی مرزا محمود زرکانی عکا تشریف لے جا چکے تھے۔

حضرت عبدالبہاء ۱۹۱۱ء میں یورپ و امریکہ کے دو سالہ سفر پر روانہ ہوئے تو

---

۱- یہ دونوں مضامین اس کتاب میں شامل ہیں۔ ۲- بحوالہ بشارت، کراچی جنوری ۱۹۵۸ء۔

۳- ایضاً

آپ نے جہاں اسد اللہ قمی، احمد سہراب اور ڈاکٹر امین اللہ فرید کو بطور سکریٹری منتخب فرمایا وہاں مرزا محمود زرقانی کو بھی اپنے سٹاف میں شامل فرمایا اور اپنے ہمراہ لے گئے۔ حضرت عبدالبہاء ۲۵ مارچ ۱۹۱۲ء کو اسکندریہ سے بحری جہاز کے ذریعے جس کا نام سدریک تھا۔ امریکہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔

مرزا محمود زرقانی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ سفر مبارک کی تمام تفصیلات اور حضرت عبدالبہاء کی گفتگو اور خطابات کو قلم بند کرتے رہے۔ بعد میں یہ سفرنامہ "بدائع الآثار" کے نام سے دو جلدوں میں بمبئی میں شائع ہوا۔ حضرت عبدالبہاء تین سال کے طویل اور پر برکت سفر کے بعد ۶ دسمبر ۱۹۱۳ء کو حیفا کی بندرگاہ پر اترے۔ واپس تشریف لانے کے بعد حضرت عبدالبہاء نے مرزا علی اکبر نخجوانی کو روس کے علاقہ کاکیشیا میں اور مرزا محمود زرقانی کو انڈیا میں تبلیغ کے لئے مامور فرمایا۔ چنانچہ مرزا محمود زرقانی ۱۹۱۴ء کے اوائل میں دوسری بار انڈیا آئے اور پہلی عالم گیر جنگ کے دوران (۱۹۱۸ء - ۱۹۱۴ء) یہیں قیام کر کے امر بہائی کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے میں مشغول رہے۔ انہی برسوں کے دوران آپ نے حضرت عبدالبہاء کے اسفار غرب کی یادداشتوں کی جلد اول "بدائع الآثار" کے نام سے شائع کی، دوسری جلد ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی، آپ ۱۹۱۹ء میں پھر عکا چلے گئے اور تیسری بار ۱۹۲۰ء میں انڈیا تشریف لائے۔ ۱۹۲۱ء میں حضرت عبدالبہاء کا صعود واقع ہوا تو آپ کی ہمشیرہ حضرت ورقہ علیا نے مرزا محمود زرقانی کو انڈیا سے ارض اقدس بلوالیا۔ مرزا صاحب وہاں پہنچ کر حضرت شوقی افندی کے سکریٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دینے لگے۔ اور ساتھ ساتھ توقیعات مبارکہ کی کتابت بھی کرتے رہے۔ ۲۴-۱۹۲۱ء کے دوران آپ یہ خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۲۴ء میں ولی امر جناب شوقی افندی نے مامور کیا کہ مرزا صاحب پھر انڈیا چلے جائیں اور امر اللہ کی تبلیغ کریں۔ یہ مرزا محمود کا چوتھا سفر ہند تھا۔ آپ نے ۲۷-۱۹۲۴ء کے دوران انڈیا میں اور خاص طور سے دکن حیدر آباد میں رہائش اختیار کی۔ سید محفوظ الحق علمی کی مرزا محمود زرقانی سے ملاقات دکن میں ہی ہوئی اور یہیں وہ حضرت بہاء اللہ پر ایمان لائے۔ اس کی تفصیل جناب علمی کے سوانح میں آئے گی۔ ۱۹۲۷ء میں علامہ محمود زرقانی ایران چلے گئے اور اسی سال آپ کا صعود رشت میں اور وہیں

قبرستان مدیریہ میں دفن ہوئے۔

جناب محمود زرقانی خطیب ، مبلغ، سیاح، مصنف اور شاعر تھے۔ ذیل میں ان کی تصانیف کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱- جواب لیکچر جناب قادیانی۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے لیکچر لاہور کے جواب میں مرزا محمود زرقانی نے فارسی میں یہ مقالہ تحریر کیا تھا۔ جس کا اردو ترجمہ "روزنامہ پیسہ اخبار" (لاہور) میں ۱۹۰۴ء میں شائع ہوا۔ ترجمہ جناب سید مصطفیٰ رومی نے کیا تھا۔ پہلی بار یہ ترجمہ کتابی صورت میں ۱۹۰۸ء میں رنگون میں چھپا۔ اس کا چوتھا ایڈیشن ۱۹۴۶ء میں طبع ہوا۔

## ۲-احقاق الحق

جناب مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور نے رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں ایک مضمون "بہائی مذہب" کے نام سے لکھا تھا جو امر بہائی کی تردید میں تھا، جناب زرقانی نے ۱۹۰۸ء میں اس کا مفصل و مدلل جواب تحریر کیا اور شائع فرمایا۔ اس کا جواب ابھی تک جماعت احمدیہ پر قرض ہے۔

## ۳-بدائع الآثار

یہ حضرت عبدالبہاء کے سفر دیار مغرب کی روداد ہے جو دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ علاوہ ازیں "شرح اسرار النشور" اور "بدو طلوع امر" کے نام سے بھی مرزا محمود زرقانی نے دو تصانیف مرتب کی تھیں جو طبع نہیں ہوئیں۔

مرزا محمود زرقانی صاحب کے سوانح اور ان کے علمی و ادبی مقام پر گفتگو کرنے سے ہمارا مدعا اتنا ہی ہے کہ ہمارے قارئین کو معلوم ہو جائے کہ آپ کتنے بڑے عالم و شاعر تھے۔ اور یہ کہ علامہ اقبال جیسی بڑی علمی شخصیت نے ان سے کس ذوق و شوق سے استفادہ کیا ہوگا۔ فارسی ادبیات کے حوالے سے اور بہائی معلومات کے حوالے سے بھی۔

بہائی عالم مہر محمد خان شہاب مرزا محمود زرقانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"...... حضرت میرزا محمود زرقانی نے ابھی بہت کم باقاعدہ درسیات کا مطالعہ کیا تھا

کہ ایران کے انقلابات اور خدمتِ دین کے شوق کی وجہ سے گھر سے بے گھر ہونا پڑا۔ چنانچہ منجملہ دورۂ اول کے مبلغین کے دو سید برادران تھے۔ جن میں سے ایک کا تخلص "نیر" تھا اور دوسرے کا "سینا" یہ دونوں بزرگ ایران کے علماء کبار اور شعرائے نامدار میں سے تھے بہائی ہونے کے بعد ہمیشہ بغرض تبلیغ امر اللہ سیر و حرکت میں رہتے تھے۔ ان کے پاس سواری کیلئے ایک جانور تھا۔ جس پر دونوں باری باری سوار ہو جایا کرتے اور اپنا سفر تبلیغ کرتے تھے۔ حضرت محمود کو بچپن میں ان دونوں بزرگ سیدوں کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ مدتوں آپ ان کے ساتھ سفروں میں رہے۔

حضرت حاجی میرزا حیدر علی اولین مبلغین و خادمین امر اللہ میں سے تھے۔ اور انہوں نے امر اللہ کیلئے برسوں کی قید اور جلاوطنی کی مصیبتیں برداشت کی تھیں۔ جب انہوں نے حضرت عبدالبہاء روحی لہ الفداء کے عہد مبارک میں ایران کا سفر کیا تو حضرت میرزا محمود بھی ہمسفر تھے۔ یہ عہد میرزا محمود کے عنفوان شباب کا تھا۔

۱۹۰۰ء تک حضرت میرزا محمود ایران میں رہے اور اس کے بعد جو ایران سے نکلے تو ۱۹۲۷ء میں گئے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ حضرت میرزا محمود ان لوگوں میں سے تھے۔ جو اپنی ہمت سے علوم و کمالات حاصل کرتے ہیں کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔ جب آپ ہندوستان میں آئے تو اس وقت جوان تھے۔ ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں آپ نے سفر کیا۔ اور ندائے امر اللہ کو بلند کیا۔ ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں حضرت میرزا محمود کے جاننے والے اور کمالات کے معترف لوگ پائے جاتے ہیں۔

حضرت میرزا محمود اُردو زبان بھی ایک حد تک جانتے تھے۔ اور جو لوگ فارسی نہ جانتے ہوں یا کم جانتے ہوں ایسے حضرات کے لئے کوشش کیا کرتے تھے کہ اپنے مطلب کو اُردو میں سمجھادیں۔ اسی طرح آپ انگریزی میں بھی حسبِ ضرورت اپنی خداداد قابلیت کے ساتھ گفتگو فرمالیا کرتے تھے۔

حضرت میرزا محمود کی زندگی کے تین بڑے کارنامے ہیں۔ جو تاریخ امر بہائی میں ہمیشہ تابناک حروف میں نمایاں رہیں گے۔ بلحاظ تاریخ کے اول جناب میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو چیلنج ہے۔ جو آپ نے "پیسہ اخبار" کے ذریعے جو پنجاب کا اولین اخبار تھا۔ ۱۹۰۴ء

میں دیا تھا۔ جس کے جواب میں جناب قادیانی نے فرمایا تھا مجھے فرصت نہیں۔ اس کے جواب میں حضرت میرزا محمود نے لکھا تھا کہ اچھا اگر آپ کو اب فرصت نہیں تو جب تک ہم اس نواح میں ہیں آپ ہم سے تبادلۂ خیالات کر سکتے ہیں۔ مگر جناب میرزا صاحب قادیانی نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ لب نہ کھولے۔ یہ واقعہ قادیان کی تاریخ میں بھی قیامت خیز ثابت ہوا۔ اور قادیانی جماعت کو جب تک یہ باقی ہے۔ ساکت و صامت کر گیا۔

دوسرا واقعہ آپ کا حضرت عبدالبہاء روحی لہ الفداء کے ہمرکاب سفر یورپ و امریکا ہے۔ متعدد احباب سفر مبارک میں ہمرکاب تھے۔ مگر جو شخص ابتدا سے انتہا تک حضور میں رہا وہ حضرت میرزا محمود تھے۔ جس کا نتیجہ ہم "بدائع الآثار" کی دو شاندار جلدوں کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ "بدائع الآثار" حضرت عبدالبہاء کا سفرنامہ مبارک ہے۔ جس کے مؤلف حضرت میرزا محمود ہیں۔ اس سفرنامہ کو دیکھ کر حضرت میرزا محمود کی قوت انشاء پردازی کا سکہ دل پر بیٹھ جاتا ہے۔

علاوہ سفرنامہ کے جو خود روحانیات اور ادبیات کا نہایت دلکش مجموعہ ہے آپ نے حضرت عبدالبہاء کے یورپ و امریکہ کے خطابات کو قلمبند فرمایا تھا جن کا حصہ اول چھپ چکا ہے۔

تیسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جیسا کہ حضرت عبدالبہاء نے اپنی وصیت مبارک میں فرمایا تھا کہ مبلغین کو چاہئے کہ حضرت شوقی آفندی کی کمک کریں۔ حضرت ولی امراللہ کی خدمت میں جس بزرگ کو خدمت کا موقعہ ملا وہ حضرت زرقانی ہی ہیں۔ حضرت عبدالبہاء کے صعود کے بعد آپ ارضِ مقصود تشریف لے گئے۔ حضرت ولی امراللہ کے سکریٹری کی خدمات انجام دینے لگے۔

۱۹۲۴ء میں چند ماہ کیلئے حضرت علامہ شیخ محی الدین صبری کے ساتھ ہندوستان کا سفر کیا۔ اور یہی آپ کا آخری سفر ہند ثابت ہوا۔ حضرت شیخ تو آگرہ میں مخالف آب و ہوا کے باعث سخت بیمار ہو کر بمبئی کو لوٹ گئے۔ مگر حضرت محمود نے آگرہ دہلی، مالیر کوٹلہ، امرتسر، پھلور، لاہور، بٹالہ وغیرہ کا سفر فرمایا۔

جس وقت حضرت میرزا محمود آگرہ میں تھے۔ اسوقت تو چند گھنٹہ کے لئے ملاقات

ہوتی تھی۔ لیکن جب سے آپ نے پنجاب کا سفر کیا اور آپ مالیر کوٹلہ میں بھی تشریف لے گئے تو میں بھی مالیر کوٹلہ میں تھا۔ آپ پہلے سرائے میں چلے گئے پھر مجھ سے ملنے کے لئے مکان پر تشریف لائے۔ میں اصرار کر کے اپنے مکان پر اسباب اُٹھوا لایا۔ ہر چند فرمایا کہ سرائے میں مجھے تکلیف نہیں۔ میں نے عرض کیا جب خدا کے فضل سے گھر میں اتنا بڑا مردانہ مکان موجود ہے۔ یہ کس دن کیلئے ہے۔ شاید آٹھ نو روز مالیر کوٹلہ میں رہے۔ شب و روز میں خدمت میں رہتا تھا۔ انہی دنوں میں کتابِ اقدس' میں نے آپ سے پڑھی۔ وہاں کے بعض عمائدین نے آپ کی ملاقاتیں اور ضیافتیں کیں۔ اور آپ کے کمالات کا اعتراف کیا۔

میں نے سب سے بڑی بات آپ میں یہ دیکھی کہ نہایت سنجیدگی' آہستگی اور ملائمت اور بشاشت کے ساتھ گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا لباس قدیم ایرانی وضع کا تھا۔ ایرانی ٹوپی پہنتے تھے۔ کشیدہ قامت جسم مناسب بادامی آنکھ' خوبصورت داڑھی۔ جواب بہت حد تک سفید ہو گئی تھی۔

اُردو بولنے کے علاوہ تھوڑی بہت لکھ پڑھ لیتے تھے۔ فارسی نثر و نظم میں استادانہ مہارت تام اور کمال رکھتے تھے۔ میں نے آپ کی عربی تصانیف تو نہیں دیکھیں البتہ ڈاکٹر سید محمد علی صاحب سندھی نے فارسی میں آپ سے چند سوالات کئے تھے۔ جواب میں آپ نے ایک مفصل خط عربی زبان میں لکھا تھا۔ وہ عربی شیریں اور دلکش ہونے کے علاوہ حضرت محمود کے تسلط زبان عرب پر دال تھی۔

ہندوستان کے تمام بڑے شہروں میں آپ کے دوست موجود ہیں۔ اُردو زبان کے اخباروں اور رسالوں اور بعض تالیفات میں آپ کا ذکر نہایت ادب و احترام سے کیا گیا۔ ۱۹۲۵ء میں جب میں لاہور گیا ہوا تھا اور وہاں ڈاکٹر سر اقبال بالقابہ سے ملاقات ہوئی۔ اور حضرت محمود زرقانی کا تذکرہ آیا تو سر اقبال نے حضرت میرزا محمود کی محبّت و کمالات کا ذکر فرمایا۔ حیدر آباد کے نواب عزیز جنگ صاحب کی ایک کتاب میں حضرت میرزا محمود کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں کیا گیا ہے۔

مسز ہمایوں مرزا کے "سفرنامہ یورپ" اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم کے "سفرنامہ بلاد اسلامیہ" میں آپ کا ذکر نہایت احترام کے ساتھ موجود ہے۔ رسالہ

"مخزن" جبکہ سر عبد القادر بالقابہ کی ادارت میں نکلتا تھا۔ اس کے دور اول میں حضرت محمود کا ذکر موجود ہے۔ حضرت عبد البہاء روحی فداہ کا عکس بھی اس پرچہ میں انہی دنوں میں شائع ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ مالیر کوٹلہ میں جب اہل علم حضرات کے مجمع میں بعض موضوعوں پر بحث ہوئی تو وہاں کے بعض ممتاز لوگوں نے کہا تھا کہ اس شخص کے علم کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ کتنا وسیع ہے۔ آپ بہت حلیم الطبع تھے۔

اردو زبان میں سب سے پہلے آپ نے امر بہائی کو پیش کیا۔ "مقالۂ سیاح" کا ترجمہ جو حضرت سید مصطفےٰ رومی نے کیا تھا آپ نے زبانِ اُردو کے علماء کی تصحیح کے بعد اُسے شائع کرایا۔ "شش الواح" حضرت بہاء اللہ کا ترجمہ آپ نے علمائے زبان اُردو سے کرایا جو بعد میں شائع کیا۔ قادیان کے جواب میں پہلا مضمون "جواب لیکچر جناب قادیانی" فارسی میں اور دوسرا مضمون جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے کے جواب میں اُردو میں لکھا جو "احقاق الحق" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

ہندوستان کے ہندو اور مسلمان حکمرانوں میں سے اکثر و بیشتر کو آپ نے تبلیغ کی۔ ابلاغ کلمہ آپ کا فرض تھا۔ جو بہ نہایت حُسن و خوبی آپ نے ادا کر دیا۔ جو شخص آپ سے ملتا تھا اس کے دل پر آپ کی محبت و عظمت کا سکہ جم جاتا تھا۔ میں نے جب کہیں سفر کیا ہے اگر کوئی شخص مجھے ایسا ملا ہے جو امر بہائی سے کسی حد تک اطلاع رکھتا ہے تو وہ حضرت میرزا محمود سے بھی ضرور آشنا ہے۔

آپ بہت بڑے انشاء پرداز تھے۔ جب آپ لیکچر دیتے تو اس طرح کہ گویا مسکرا مسکرا کر محبت کے پھول مسلسل آہستہ آہستہ برساتے جاتے۔ سامعین آپ کے بیان سے ایک روحانی محبت سے بھر جاتے تھے۔ میں نے سنا تھا کہ آپ کا لوح پڑھنے کا طریق بہت مؤثر ہے۔ مالیر کوٹلہ میں جب رات دن کا ساتھ ہوا تو میں نے ایک دن صبح کے وقت نماز سے فارغ ہونے کے بعد عرض کیا۔ میں لوح سننا چاہتا ہوں مجموعہ ادعیۂ محبوب دیا۔ آپ نے لوح پڑھی۔ سُبحان اللہ! ایسی دلکش آواز اور مؤثر لہجہ اور ایسا پیارا اور مترنم انداز تھا۔ کہ میں اس کی کیا تعریف کروں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے ریشہ ریشہ میں برق دوڑتی تھی۔ اور میری روح اہتزاز کی حالت میں تھی۔ آواز آہستہ سے بلند ہوتی اور بلندی بتدریج آہستہ آہستہ ایسی

گہرائیوں میں ڈوب جاتی تھی جیسی گونج آہستہ آہستہ غائب ہوا کرتی ہے۔ آوازِ روح کی گہرائیوں سے بلند ہو کر روح کی گہرائیوں ہی میں بیٹھ جاتی تھی۔ آپ نے ساری عمر خدمتِ امر میں صرف کر دی۔ چونکہ حضرت بہاء اللہ کی تعلیمات میں سے ایک یہ ہے کسی نہ کسی کسب و کار میں مشغول رہنا عبادت میں شامل ہے۔ اس لئے آپ مختصر تجارت بھی کیا کرتے تھے۔ بعض سفروں میں آپ کے ساتھ تجارتی سلسلہ کی کچھ چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً پرانی تصویریں، پرانی چیزیں جو ایران میں مقبول ہوں۔ ایرانی مصنوعات جو بیرونی تجارت میں مقبول ہوں۔ فارسی میں آپ کی زبردست کتاب "بدائع الآثار" کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ آپ کی نظموں کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ ایک کتاب اور لکھی تھی جس کا نام "شرح اسرار النشور" ہے جس میں مسئلہ قیامت کے متعلق بحث ہے۔ یہ کتاب ابھی شائع نہیں ہوئی۔ آپ کا خط نہایت حسین تھا۔ ہندوستان میں امر بہائی کی جب تاریخ لکھی جائے گی۔ تو حضرت میرزا محمود زرقانی کا نام جلی حروف سے لکھا جائے گا۔ آپ کی عمر اس وقت ۵۵ سال سے شاید متجاوز ہو گی۔ جس شخص نے بچپن سے آخر دم تک خدمتِ امر اللہ کی ہو اس کی خوش بختی قابلِ صد رشک ہے۔

اخلاق ایسے تھے کہ جو شخص ملتا کبھی بھولتا نہ تھا۔ اور وقار ایسا کہ جس قدر ہم صحبت رہیئے دل میں احترام بڑھتا جائے۔ مالیر کوٹلہ میں ایک دن ایک مجلس میں ایک صاحب نے باتوں باتوں میں کہا کہ آپ کو تکلیف ہوتی ہو گی۔ فرمانے لگے کہ میں نے اپنی زندگی میں ایسی ایسی تکالیف اٹھائی ہیں کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں ہو سکتیں۔ اور ایسی ایسی راحت حاصل کی ہے کہ انتہا کہنا چاہئے۔ اس لئے اب تکلیف و راحت کے بارے میں حالت یہ ہے کہ دُکھ سے دل پریشان نہیں ہوتا اور خوشی و راحت سے دل بھٹکتا نہیں۔ دونوں آنی اور فانی چیزیں ہیں۔

دل کی مضبوطی کی یہ حالت تھی کہ جس دن ناصر الدین شاہ کو رضا خان کرمانی نے جو سید جمال الدین افغانی کے تابعین میں سے تھا، وہی سید جمال الدین جن کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد نے "الہلال" کے سلسلہ جدید میں لکھا ہے کہ وہ جائز سمجھتے تھے کہ جو شخص ان کے مقاصد میں روک ہو اس کو راستہ سے ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے انہوں نے مصر

کے مشہور عالم مفتی محمد عبدہ کو جوان کے شاگرد تھے توفیق پاشا خدیو مصر کے قتل کے لئے آمادہ کیا تھا۔ اپنے ذاتی انتقام میں قتل کردیا۔ اور لوگوں نے اس کو بابی اور بہائی بتایا۔ یہ وقت ایران کے بہائیوں پر بہت سخت تھا۔ ان کے قتل و غارت کو مباح خیال کیا گیا۔ حتی کہ طہران میں حضرت ورقا اور ان کے دوازدہ سالہ فرزند حضرت روح اللہ کو شہید کیا گیا۔ بہائی علماء اور سرکردگان نے صدر اعظم مرزا علی اصغر خان کے نام ایک خط لکھا جس میں اس الزام کی تردید تھی کہ رضا خان بہائی ہے اور درخواست کی تھی کہ کامل تحقیقات کی جائے چنانچہ کامل تحقیقات کے بعد معلوم ہوا اور خود اس نے اقرار کیا کہ میں بہائی نہیں ہوں میں نے ذاتی وجوہ کیلئے شاہ کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ صدر اعظم نے تمام دنیا میں تار کے ذریعے اعلان کیا کہ رضا خان بہائی نہیں اور یہ واقعہ تاریخ ایران میں درج ہے۔ اس دن اس خط کا پہنچانا فرشتۂ موت سے مصافحہ کے برابر تھا۔ لیکن جو شخص اہل بہاء کا یہ پیغام لیکر صدر اعظم کے دربار میں گیا وہ یہی حضرت میرزا محمود تھے۔

آپ کے کوئی اولاد نہیں آپ کی پہلی شادی حضرت میرزا ہادی شیرازی کی قرابت دار خاتون ضیا خانم سے ہوئی تھی۔ مگر ان کا انتقال وضع حمل کے ساتھ ہی مستیا ہسپتال بمبئی میں ہو گیا تھا۔ میں نے مرحومہ اور معصوم مردہ بچہ کی تصویر جبکہ لاش کے پاس حضرت محمود نہایت افسردہ حالت میں کھڑے ہیں دیکھی ہے۔ اس کے بعد تھوڑا عرصہ ہوا آپ نے فاضل میرزا منیر نبیل زادہ کی بھانجی سے قزوین میں شادی کی تھی۔ یہ خاتون علاوہ فارسی و عربی کے انگریزی زبان میں بھی درک رکھتی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اس کے تھوڑی ہی مدت بعد حضرت کا صعود ہو گیا۔ اس خاتون کو یہ صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ آپ کے ایک بھتیجے جن کا نام میرزا ذبیح اللہ زرقانی ہے۔ رنگون میں تشریف رکھتے ہیں۔

۲۳ اکتوبر ۱۹۲۷ء روز یکشنبہ محفل مقدس روحانی بمبئی نے حضرت میرزا محمود زرقانی کی ترحیم کیلئے ایک مجلس تعزیت منعقد کی(۱)۔

مرحوم پروفیسر پریتم سنگھ مرزا محمود زرقانی سے انار کلی لاہور میں اپنی ملاقات کا

---

۱۔ کوکب ہند ۲۴ نومبر ۱۹۲۷، دہلی۔

حال اس طرح لکھتے ہیں :

"...... جناب میرزا محمود زرقانی مرحوم سے اول ملاقات دسمبر ۱۹۰۵ء میں انار کلی بازار لاہور کے نزدیک ایک مکان پر ہوئی۔ آپ ایک نہایت ہی خوبصورت ایرانی جوان جبہ ایرانی میں ملبوس اور چہرے پر روحانیت کی چمک فرش پر تشریف فرما تھے۔ بندہ یہ خیال کر کے کہ آپ حکیم ہیں۔ دوائی لینے کے لئے بالاخانہ گیا۔ میرزا صاحب نے ایک چھوٹا سا انگریزی کا پمفلٹ عنایت فرما کر کہا کہ ہم تو جسمانی بیماریوں کا علاج کرنا نہیں جانتے۔ ہم روحانی حکیم ہیں۔ مجھے اس زمانہ میں (ایم اے کا طالب علم تھا) یہ فرق اسی دن معلوم ہوا۔ اس کے بعد مفصل ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کے مکان پر بھی ملاقات ہوئی جب میرزا صاحب نہایت ہی نفیس فارسی میں ڈاکٹر کے سامنے حضرت باب اور بہاء اللہ کے متعلق کچھ بیان فرما رہے تھے۔ انہیں دنوں میں میرزا محرم مرحوم اور سڈنی سپراگ ایک امریکائی بہائی سے بھی جناب میرزا محمود صاحب کے مکان پر ملاقات ہوئی۔ میں ان دنوں لاہور راج کمار کالج میں ملازم ہو گیا تھا۔ اور میرزا صاحب بمعہ تین احباب کے جن میں سے دو امریکائی جناب مسٹر ہیرس ہوپر اور مسٹر ہارلن ایف اوبر اور ایک نہایت ہی نامور مبلغ اور زندہ شہید جناب ابن ابہر تھے میرے مکان پر ایک مہینے تک مہمان رہے اور میری سرافرازی کا باعث ہوئے۔ میرزا صاحب اس وقت بھی تھوڑی انگریزی بول سکتے تھے۔ اور بعد میں تو زیادہ استعداد پیدا کر لی تھی۔ ۱۹۱۷ء کا ذکر ہے۔ مجھے اس زمانہ میں قادیانی تحریک کا کچھ علم نہیں تھا۔ یہاں میرزا صاحب کے مکان پر اکثر قادیانیوں سے بحث مباحثہ ہوتے سنا تھا۔

ایک دفعہ میں جناب میرزا (محمود) صاحب مرحوم کو امرتسر ملنے بھی گیا وہاں بھی یہی دیکھا کہ میرزا صاحب تقریباً ہر وقت صبح سے شام تک گفتگو میں مشغول تھے۔ پھر میرزا صاحب ہندوستان میں مختلف مقامات کا سفر کرتے رہے۔ چنانچہ انہوں نے بمبئی، رنگون اور حیدر آباد کا سفر کئی مرتبہ کیا۔ ناظرین کو میرزا صاحب کی مترجمہ کتاب "باب الحیات" کا حال معلوم ہوگا۔ وہ کتاب ان کی زیر نگرانی لاہور میں ہی چھاپی گئی۔ ایک بے نظیر یادگار احبائے الٰہی کیلئے چھوڑ گئے ہیں۔ بندہ بہت عرصہ تک پٹیالے میں رہا۔ اور اس کے بعد الہ آباد اور کانپور میں رہنے کا موقعہ ہوا۔ میرزا صاحب سے ملاقات کے موقعے کم ہوئے۔ پھر

جب دسمبر ۱۹۰۰ء میں کانونشن بہائیان ہندوبرما کی بنیاد ڈالی گئی۔ میرزاصاحب مرحوم کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اس کانونشن کے روح و رواں جناب میرزاصاحب ہی تھے۔ صبح سے شام تک ایک منٹ کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ جو خدمات جناب میرزا نے ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۷ء تک ہندوستان کے لئے کی ہیں وہ ظاہر اور ہویدا ہیں۔ آپ بمبئی کی دوسری کنونشن اور پونا اور کراچی کی کنونشوں میں بھی تشریف فرما تھے اور پانچویں اور آخری کنونشن ہند میں بھی شامل تھے۔ اس کے بعد آپ حیفا تشریف لے گئے۔ اور وہاں بھی ہندوستان کے لئے کام کرتے رہے۔ ایک سب سے بڑا کام جو آپ نے نہایت ہی کامیابی سے اختتام تک پہنچایا وہ "بدائع الآثار" سفر نامہ حضرت عبدالبہاء ہے جو دو جلدوں میں باتصویر ہے۔ ایک بے نظیر اور لاثانی کتاب ہے۔ امریکائی بہائیوں نے انگریزی میں ترجمہ کرنے کا خیال کیا ہے۔ میرزاصاحب مرحوم نہایت ہی خوش قسمت تھے جو امریکا اور یورپ کے سفروں میں حضرت عبدالبہاء کے ہمرکاب تھے۔ میرزاصاحب مرحوم کا نام زندۂ جاوید رہے گا۔ اور وہ سفر نامہ آنے والی نسلوں کیلئے ایک بڑا خزانہ رہے گا۔ ہر ایک دن کا پورا حال اور نطق مبارک اس کتاب میں درج ہے۔

میرزا قادیانی کے دعاوی کے متعلق "احقاق الحق" کے نام سے ایک کتاب میرزا صاحب کے قلم سے شائع ہوئی۔ اور اسی سلسلہ میں "جواب لکچر جناب قادیانی" بھی لاجواب ہے۔ جو خدمات جناب میرزا نے مبلغ ہونے کی حیثیت میں کیں اُن کا ذکر ہی کیا۔ غرضیکہ اپنی عمر کے بڑے بھاری حصے کو ہندوستان اور برما کیلئے صرف کر دیا اور حافظ شیرازی کے اس شعر کی پیشن گوئی کو پورا کر دکھایا:

شکر شکن شوند همه طوطیان هند

زین قند پارسی که به بنگاله می رود

آپ کی خدمات نے ایک ایسا اثر اہل ہند پر ڈالا جس کی نظیر نہیں ہے۔ جو کام سینٹ پال نے عیسائی مذہب کیلئے کیا اس درجے کا کام جناب میرزا محمود زرقانی نے ہندوستان میں بہائیت کے لئے کیا۔ آج ان کی یاد میں ہندوستان کی محلی محفلوں میں دعائیں ہوں گی۔ بندہ نے بھی مرحوم کے ساتھ اپنے تیس سالہ تعلقات کا مختصر سا بیان "کوکب ہند" کے ناظرین کی

مرزا منیر نبیل زاده

خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ محزون

پریتم سنگھ :از لاہور(۱)

## مرزا منیر نبیل زادہ (۱۹۵۰ء - ۱۸۷۴ء)

مرزا منیر نبیل زادہ ادیب شاعر اور عالم تھے منیر تخلص کرتے تھے آپ کے والد کا نام حاج شیخ محمد علی نبیل ابن نبیل قزوینی ہے جو آقا شیخ محمد نبیل کے بیٹے تھے۔ جو قزوین میں حضرت باب کے اولین مومنین میں شمار ہوتے تھے۔ منیر نبیل زادہ ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء میں قزوین میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قزوین میں ملا علی مقدس سے حاصل کی۔ اس کے بعد بہائی لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ تاریخ ادیان، فن استدلال اور فلسفہ میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ انہوں نے شروع میں تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ لیکن پھر تبلیغ کے لئے سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ قفقاز میں کچھ عرصہ تبلیغ کرتے رہے۔ وہاں سے رشت لوٹ آئے اور تجارت میں مشغول ہو گئے۔ ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء میں پھر سفر پر نکلے اور بادکوبہ' عشق آباد' قفقاز' سمرقند' تاشکند اور تفلیس میں بیس سال تک امر بہائی کی خدمت کرتے رہے۔ ۱۹۱۰ء میں تقریباً پانچ ماہ تک میرزا منیر نبیل زادہ رملہ (مصر) میں حضرت عبدالبہاء کے حضور میں خدمات انجام دیتے رہے۔

مرزا منیر نے حضور مبارک کے حکم سے ارض اقدس جا کر مقام اعلیٰ اور روضۂ مبارکہ کی زیارت کی۔ یہاں سے ترکستان' خراسان اور ایران کے شہروں میں تبلیغ کرتے رہے۔

غالباً ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء میں حضرت ولی امر شوقی آفندی نے میرزا نبیل زادہ کو برصغیر میں ابلاغ کلمۃ اللہ کے لئے روانہ فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر ترپن (۵۳) برس تھی۔ آپ کئی برسوں تک پاکستان اور بھارت کے شہروں میں تبلیغ کرتے اور کانفرنسوں میں خطاب فرماتے پھر ایران جا کر وہاں کے مختلف شہروں میں تبلیغ کرتے رہے آپ نے ۱۹۵۰ء میں طہران میں صعود فرمایا۔

---

۱- کوکب ہند جلد پنجم نمبر دہم۔

مرزا منیر شاعر ہونے کے علاوہ مؤلف و محقق بھی تھے۔ آپ کے اس خطاب کا متن موجود ہے جو آپ نے بین المذاہب کانفرنس منعقدہ لاہور (۱۹۲۷ء) میں فرمایا تھا۔ ایک کتاب '' تبیین حقیقت '' بھی ان کی یادگار ہے۔

'' تذکرہ شعرای قرن اول بہائی کے مؤلف جناب ذکائی بیضائی کو جناب منیر نبیل زادہ کی چند ملاقاتیں میسر آئی تھیں۔ آپ لکھتے ہیں: بسیار فروتن و مودب و خوش صحبت بود در اقامه براهین و اوله اثباتیه چنان تسلط و احاطه ای داشت که طرف مقابل را هر قدر محیط بر آیات و احادیث و اخبار بود' با چند جمله و در مدت کوتاهی ملزم و مفحم می نمود۔(۱)

جناب مرزا نبیل زادہ نے جو خطاب بین المذاہب کانفرنس لاہور میں ۱۹۲۷ء میں فرمایا تھا اور پھر جس سنجیدگی و متانت سے علامہ اقبال کے سامنے بہائی تعلیمات پیش کیں اس سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ جناب ذکائی بیضائی نے مرزا صاحب کی شخصیت، علم، اخلاق اور انداز گفتگو کے بارے میں جو رائے اوپر دی ہے وہ حرف بحرف درست ہے۔

اقبال سے مرزا منیر نبیل زادہ کی ملاقات کا حال جناب سید محفوظ الحق علمی نے لکھا ہے۔ علمی صاحب مرزا منیر کے ترجمان تھے اور اس ملاقات کے دوران موجود تھے۔ آپ لکھتے ہیں ''...... جس سال مرزا نبیل زادہ نے بمبئی سے لاہور تک کا سفر کیا تھا- لاہور میں ایک ریلیجس کانفرنس تھی- جناب فاضل موصوف اس میں بہائی دین کے نمائندے تھے- اور خادم (علمی) ان کا ترجمان تھا' ان دونوں جناب موصوف کی ملاقات ڈاکٹر اقبال سے ہوئی جس کا وقت پہلے سے مقرر ہو گیا تھا' ڈاکٹر اقبال نے مجھ سے فرمایا کہ '' علمی صاحب! میں بھی فارسی نظم لکھتا ہوں لیکن بولنے کی عادت نہیں ہے۔ لہذا میں اردو میں بولوں گا۔ آپ ترجمہ کرتے جایئے 'بلکہ مرزا منیر جو کچھ فرمائیں اس کا بھی ترجمہ کرتے رہئے' کیونکہ یہ بہت تیزی سے بولتے ہیں' پورے طور پر ان کا لہجہ سمجھ نہیں آسکتا''۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں دونوں بزرگوں کے بیانات کا ترجمہ کرتا رہا- دو گھنٹے یہ سلسلہ مذاکرات جاری رہا نہایت فلسفیانہ

---

۱- تذکرہ شعرای قرن اول- بہائی' ص ۴۰۰۔

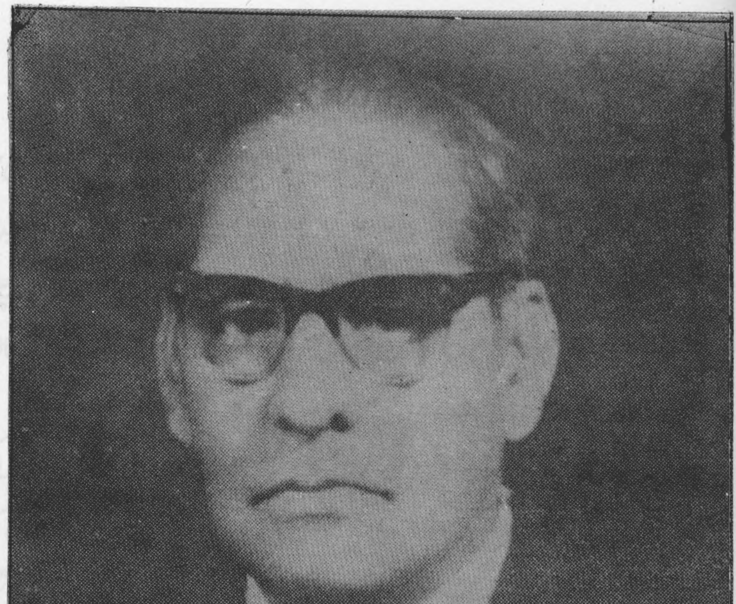

سید محفوظ الحق علمی

مرزا ضمیر شاعر ہونے کے علاوہ عالم و محقق بھی تھے۔ آپ کے اس خطاب کا

متن موجود ہے جو آپ نے [illegible] کانفرنس منعقدہ لاہور (۱۹۲۰ء) میں فرمایا تھا

گفتگو تھی۔ مرزا منیر بھی نہایت فلسفی تھے۔ (۱)

## سیّد محفوظ الحق علمی (۱۸۹۴ء-۱۹۷۸ء)

ممتاز بہائی عالم، صحافی، شاعر، مصنف اور مبلغ حضرت سید محفوظ الحق علمی کا آبائی وطن بنگلہ دیش ضلع چاٹگام میں قصبہ ساتبار یہ ہے۔ آپ کے والد محترم مولانا سیّد عبدالحمید سادات کے واسطی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ترک وطن کر کے ہندوستان چلے گئے تھے۔ انہوں نے اسلامی علوم کی تحصیل وہیں کی تھی۔ علمی صاحب کے دادا جناب امان اللہ عارفانہ جذبات میں سرشار رہتے تھے۔

مولانا سیّد عبدالحمید عالم دین ہونے کے علاوہ ممتاز خطاط بھی تھے۔ آپ نے ضلع علی گڑھ کے قصبہ دادون میں مولانا سخاوت حسین سہسوانی کی دختر سے عقد ازدواج کیا اور یہیں آباد ہو گئے اور بعد میں آپ حبیب گنج چلے گئے۔ اُن کے درس میں سینکڑوں طلبہ شریک ہوتے اور ان کا سارا سارا دن درس و تدریس میں ہی گزرتا تھا۔

حضرت علمی کی والدہ محترمہ توقیر النساء نے اسلامی علوم کی تحصیل اپنے والد سے کی تھی۔ وہ عالمہ و فاضلہ تھیں اور بہت عمدہ تقریر کرتی تھیں۔

علمی صاحب کے دو ماموں بھی اپنے وقت کے مشہور علماء میں شمار ہوتے تھے۔ اُن میں مولانا قطب الدین سہیل ہند سحر بیان مقرر تھے۔ جناب علمی فرماتے تھے کہ انہوں نے طرز تقریر جناب قطب الدین سے سیکھا ہے۔

حضرت علمی ضلع علی گڑھ کے شہر حبیب گنج میں ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا کوئی بھائی نہ تھا البتہ بہنیں دو تھیں۔ ویسے تو آپ نے ہر استاد سے فیض اٹھایا تھا لیکن آپ کے اساتذہ میں مولانا احمد الدین غیور کا نام سر فہرست آتا ہے جن کے کردار و عمل سے علمی صاحب، بے حد متاثر ہوئے تھے۔ مولانا غیور صوابی ضلع پشاور کے اصل باشندہ تھے۔ اور

---

۱- بہائی میگزین لاہور جولائی ۱۹۶۸ء۔

دار العلوم دیوبند کے ابتدائی ایام میں یہاں وہ مدرس رہے تھے۔ علمی صاحب مسلسل ۱۳ برس تک ان سے مختلف علوم عربیہ پڑھتے رہے۔ یہ استاد شاگرد ایک دوسرے پر زندگی بھر فخر کرتے رہے۔ ۱۹۲۰ء میں جناب علمی نے مولوی فاضل کی سند پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔ اور پھر مسند تدریس پر بیٹھ کر درس دینے لگے۔ شروع شروع میں آپ بدایون کے مدرسہ "شمس العلوم" میں کئی برسوں تک تعلیم دیتے رہے۔ اس کے بعد کانپور کے "مدرسہ الٰہیات" سے وابستہ ہوئے۔ اسی مدرسہ میں مشہور عالم دین مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی بھی استاد تھے۔ جنہوں نے بمبئی میں بہائی مبلغین سے کئی مرتبہ ملاقات فرمائی تھی۔ علمی صاحب کے بقول مولانا سبحانی بہائی طرز تبلیغ کو بہت پسند کرتے اور کہا کرتے۔ "ایسی حکمت و محبّت سے تبلیغ کرنی چاہئے جیسے بہائی کرتے ہیں"۔

درس و تدریس کے ساتھ ساتھ حضرت علمی اخبارات و رسائل میں مضامین بھی لکھا کرتے جو پسند کئے جاتے تھے۔ علوم ظاہریہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد علمی صاحب کا رجحان تصوف و عرفان کی طرف ہوگیا اور آپ اہل اللہ کی تلاش میں سفر کرتے رہے۔ بدایوں کے مشہور بزرگ مولانا شاہ عبدالمقتدر زبردست عالم دین اور پرہیزگار شخص تھے۔ علمی صاحب کئی برسوں تک اُن کے نزدیک رہے اور اُن سے بیعت کرلی۔ جناب علمی کا کہنا ہے کہ شاہ صاحب نے بیعت کے دوسرے روز علمی صاحب سے کہا۔ اب تک بہت سے لوگوں نے مجھ سے بیعت کی ہے جن کی مختلف اغراض ہیں مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے محض للہ بیعت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو معرفت تامہ عطا فرمائے گا۔ "مدرسہ الٰہیات" (کانپور)' میں دوبارہ آپ کو دعوت دی گئی تو آپ وہاں جاکر درس دینے لگے۔ ان دنوں کانپور میں ایک قادیانی وفد آیا ہوا تھا۔ جس کے سربراہ حافظ روشن علی تھے۔ علمی صاحب ان سے گفتگو اور تحقیق و مطالعہ کے بعد وفات مسیح کے قائل ہوگئے اور قادیان چلے گئے۔ تقریباً سات سال تک احمدّیت کی تبلیغ کے لئے ہندوستان کا سفر کرتے رہے۔ علاوہ ازیں قادیان کے "مدرسہ احمدیہ" میں آپ درس بھی دیا کرتے تھے۔ آپ اخبار "الفضل" کے کئی برسوں تک نائب مدیر رہے اور خود اپنا مجلّہ "رفیقِ حیات" بھی شائع کرتے رہے۔ یہ تقریباً ۲۰-۱۹۱۹ء کا واقعہ ہے اسی زمانہ میں مرزا بشیر الدین محمود نے علمی صاحب کو چند بہائی کتابیں

دیں۔ اور کہا ان کے رد میں مضامین لکھیئے۔ ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد علمی صاحب کو امر بہائی کے بارے میں یہ معلومات حاصل ہوئیں کہ مرزا غلام احمد سے بہت پہلے ایران میں مہدی اور مسیح کا ظہور ہو چکا ہے۔ حالانکہ مرزا غلام احمد نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ میرے سوا اس وقت تک کسی نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔

ایک دن علمی صاحب قادیان کے اخبار "البدر" کا پرانا فائل پڑھ رہے تھے اس میں مرزا غلام احمد کا یہ بیان درج تھا کہ ایک صاحب حکیم مرزا محمود نام ایرانی لاہور میں فروکش ہیں اور وہ بھی ایک مدعی مسیحیت کے معتقد ہیں اور مجھ سے مقابلہ کے خواہش مند ہیں۔

جناب علمی کو بڑا تعجب ہوا کہ مرزا غلام احمد تو لکھتے ہیں کہ مجھے فرصت نہیں کہ میں ان سے ملاقات کروں۔ اس کے بعد بالکل خاموشی ہی اختیار کرلی۔ اور حضرت بہاء اللہ کی کبھی تکذیب نہیں کی۔

جناب محفوظ الحق علمی نے تمام علمائے قادیان سے فرداً فرداً امر بہائی کے متعلق دریافت کیا۔ اکثر نے کہا ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ حافظ روشن علی نے کہا کہ میں حضرت بہاء اللہ کی تکذیب نہیں کر سکتا اور کہا مولانا نورالدین بہائیوں کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ بلکہ انہوں نے مصر کے مشہور بہائی عالم ابو الفضائل گلپایگانی سے چند سوالات بھی کئے تھے جن کا جواب انہوں نے دیا تھا۔ (یہ رسالہ الدرر البہیہ کے نام سے شائع ہو چکا ہے)۔

تب قادیان میں علمی صاحب کے خلاف شور مچ گیا۔ قادیانیوں کا ایک تحقیقاتی کمیشن بیٹھا اور جناب علمی سے امر بہائی کے متعلق طرح طرح کے سوالات کئے گئے۔ آپ نے ہر سوال کا تسلی بخش جواب دیا۔ جس کی رپورٹ "الفضل" میں شائع ہو چکی ہے۔

ایک دن امام جماعت احمدیہ نے جلسۂ عام میں علمی صاحب کے خلاف تقریر کی۔ اخبار "الحکم" کا خاص نمبر چھاپا گیا اور علمی صاحب کے خلاف بائیکاٹ کا اعلان کر دیا گیا۔

ان واقعات کے دوران علمی صاحب نے ایک خواب دیکھا جس کی تفصیل وہ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"...... دیکھا کہ میں ایک خوبصورت نئے شہر میں ہوں۔ اس نئے شہر میں جس چیز نے مجھے متوجہ کیا وہ دو ستون تھے جن سے چند قدم کے فاصلے پر دو مقدس شخص کھڑے تھے۔

اُن کی موجودگی کی وجہ سے سارا ماحول روشن تھا۔ اور دونوں بڑے دلکش انداز میں مقدس آیات تلاوت فرمارہے تھے۔ اس منظر سے میں بہت مجذب ہوا۔ اور اُن کے اِردگرد کھڑے لوگوں سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں ؟ اُن لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ دونوں مقدس انسان بہائی مبلغ ہیں۔ یہ خواب میرے ذہین میں بڑے گہرے نقوش چھوڑ گیا۔ کچھ سال گزرنے کے بعد مجھے مشہور بہائی مبلغ جناب مرزا محمود زرقانی سے دکن میں شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ آپ نے پہلی ملاقات میں ہی بہائی الواح میں سے چند آیات تلاوت فرمائیں۔ جس وقت آپ مقدس آیات تلاوت فرمارہے تھے آپ کی رسیلی آواز سے میرے ذہن میں ایک شعلہ سا لپکا اور مجھے وہ خواب یاد آ گیا۔ مرزا محمود زرقانی جو کچھ تلاوت فرمارہے تھے وہ وہی مقدس آیات تھیں جو میں خواب میں پہلے ہی سُن چکا تھا جس سے زمین چاندی کی مانند چمکتی دکھائی دے رہی تھی۔ یہ میرے لئے ایک طرح کا معجزہ تھا۔ آخر کار کافی عرصہ تحقیق و مطالعہ کے بعد میں جنوری ۱۹۲۴ء میں حیدر آباد (دکن) میں امر بہائی پر ایمان لے آیا......(۱)"۔

سید محفوظ الحق علمی نے ۱۹۲۴ء میں آگرہ سے "کوکب ہند" کے نام سے بہائی ہفت روزہ جاری کیا۔ اس میں ایک سلسلۂ مضامین شروع کیا جس کا عنوان تھا "جماعت احمدیہ کو دعوت وبشارت" اس سلسلۂ میں بتلایا گیا کہ ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں حضرت سیّد علی محمد باب نے مہدی ہونے کا اعلان فرمایا۔ حضرت باب کے انیس سال بعد حضرت بہاء اللہ نے مسیح موعود کی حیثیت سے ظہور فرمایا۔ اسلام میں مسلمہ طور پر مہدی و مسیح دو الگ الگ وجود ہیں اور یہی صحیح ہے۔

مرزا غلام احمد تو مہدی اور مسیح کو ایک ہی شخصیت کہتے ہیں، جو دلائل کی بنا پر صحیح نہیں ہے۔ اُن کا یہ کہنا بھی صحیح نہ رہا کہ مجھ سے پہلے کسی نے دعویٰ نہیں کیا۔ مرزا غلام احمد نے مہدی و مسیح کے جو جو مقامات ظہور بیان کئے ہیں اُن کی رو سے بھی ان کا دعویٰ صحیح نہ رہا مثلاً یہ کہ مہدی موعود مکہ معظّمہ میں اپنا اعلان کریں گے۔ حضرت سیّد علی محمد باب نے مکہ معظّمہ میں ہی اپنا اعلان ظہور فرمایا تھا۔ مگر مرزا غلام احمد تو مکہ معظّمہ جا ہی نہ سکے تھے۔ یا

---

۱۔ نجوم ھدایت، ص ۲۶۲۔

یہ کہ یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے کہ مسیح موعود کا ظہور یروشلم میں ہوگا اور حضرت بہاء اللہ کا ظہور یروشلم میں ہوا۔ مرزا صاحب کو اس سرزمین سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

حضرت علمی مشہور بہائی خطیب تھے بہائی اور غیر بہائی کانفرنسوں سے ان کا خطاب حاصل اجتماع ہوتا تھا۔ ان کے خیالات واضح 'بیان شائستہ 'انداز مسحور کن 'دلائل روشن اور ادا دلبرانہ تھی۔

برصغیر پاک و ھند کی مذاہب کانفرنسوں میں عموماً جناب علمی اہل بہاء کی نمائندگی کیا کرتے تو نمائندگی کا حق ادا کر دیتے۔ وہ عربی و فارسی کے نامور عالم اور اردو کے مسلم شاعر و ادیب تھے۔ قرآن و حدیث پر اُن کی نظر گہری تھی۔ قرآن کی تفسیر صوفیانہ رنگ میں کیا کرتے تھے۔

جناب علمی' صاحب بصیرت محقق اور مستند اسکالر تھے۔ آپ نے ساری زندگی تعلیمی و تبلیغی اسفار میں گزاری۔ برصغیر کا کوئی علاقہ ایسا نہیں جہاں آپ کا قدم مبارک نہ پہنچا ہو۔ اس کے علاوہ آپ نے برما' ایران اور ارض اقدس کا دورہ بھی کیا۔ برما میں آپ چھ ماہ تک مسلسل سفر کرتے رہے۔ اس سفر میں آپ کے ترجمان ڈاکٹر سیدّ حشمت علی شاہ تھے۔ جو اس وقت وہاں زیر تعلیم تھے اور بعد میں پاکستان میں کرنل کے عہدے پر فائز رہے۔

جناب سیدّ علمی نے کشمیر کے متعدد سفر کئے تھے۔ ایک سفر میں جناب مختیاری اُن کے ہمراہ تھے۔ بہائی سنٹر سری نگر میں ایک دن ایک جلسۂ عام کیا گیا۔ علمی صاحب نے "قیامت" پر تقریر فرمائی۔ ایک صاحب نے ۲۵ آیات مسئلہ قیامت سے متعلق پیش کیں اور اُن کا جواب چاہا۔ آپ نے تسلی بخش جواب دیئے تمام حاضرین حیرت و مسرّت کی کیفیت سے سرشار تھے۔ مولانا محمد عبداللہ وکیل نے اختتام جلسہ پر اٹھ کر فرمایا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ آج کی تقریر نہایت اعلیٰ پیمانہ کی تقریر تھی بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ روح القدس کی تقریر تھی۔"

سید علمی نے مرزا محمود زرقانی کے ساتھ کئی مہینے برصغیر کے مختلف مقامات کے سفر کئے۔ ایادی امر اللہ جناب طراز اللہ سمندری جناب اشراق خاوری جناب احمد یزدانی اور جناب میرزا [illegible] زادہ کے ساتھ مترجم کی حیثیت سے پاکستان بھر کے کئی سفر کئے

نے پاکستان کے کونے کونے کا سفر کیا۔ میرپور اور مظفر آباد کا بھی آپ نے دورہ فرمایا تھا۔

برصغیر کے ان تاریخی اسفار کے دوران جناب علمی نے سینکڑوں دوست اور امر اللہ کے محب پیدا کر لئے تھے جو اُن کے علم و فضل کے مداح اور امر بہائی کی عظمت کے معترف تھے۔ علمی صاحب کے ان دوستوں میں علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خان، ڈاکٹر یوسف حسین، مولانا اسلم جیراجپوری، علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی، مولانا مودودی، ڈاکٹر محمد یوسف، شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ، شمس العلماء محمد عمر داؤد پوتہ، سادھوٹی، ایل وسوانی، شمس العلماء ولایت اللہ (ناگپور)، ملا نظر علی، سوامی دیانند سناتن دھرمی، اور شیخ الاسلام موسیٰ جار اللہ وغیرہ شامل ہیں(۱)۔

علمی صاحب جتنے بڑے جادو بیان خطیب تھے اتنے ہی قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ آپ ابتدائی تعلیم کے دوران شاعری میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ اس زمانے میں آپ غزل زیادہ کہتے تھے۔ آپ اس تیزی سے کلام کہتے کہ وہ بولتے جاتے اور لکھنے والا لکھتا جاتا۔ ایک ہی نشست میں سات سات غزلیں لکھوا دیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد غزل سے جی بھر گیا اور اسلام کے تناظر میں نظمیں لکھنے لگے پھر نعت گوئی کی طرف توجہ ہوگئی۔ آپ نے نعت مبارک میں طرز ایجاد کی کہ قرآن پاک کی کسی آیۂ مبارکہ یا حدیث شریف کے مفہوم کو منظوم کر دیتے۔

بہائی ہونے کے بعد آپ کا کلام اُسی رنگ میں رنگا گیا۔ آپ کی بہائی منظومات بہائی مجلّوں میں پچاس برس تک شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان منظومات میں امر بہائی کی حقانیت کے دلائل بھی ملتے ہیں۔ اور تعلیمات مبارکہ کی تشریح بھی۔ مرزا نعیم اصفہانی کے بعد سیّد علمی دوسرے شاعر ہیں جو بہائی دلائل و تعلیمات کو اتنی شرح و بسط اور رنگارنگی سے منظوم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ آپ کے اردو کلام کا ایک مجموعہ "صور اسرافیل" کے نام سے بہت پہلے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔ دوسرا مجموعہ "نغماتِ روح" کے نام سے حال ہی میں چھپا ہے۔

---

۱۔ امر بہائی کے بارے میں ان بزرگوں کے خیالات معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو "بہائی میگزین" کراچی جنوری، فروری ۱۹۸۰ء۔

کتاب کا نام ”صور اسرافیل“ اس رعایت سے رکھا گیا کہ قیامت آچکی ہے۔ اور اسرافیل نے صور پھونک دیا ہے۔ وہی صور جس کا دینی کتابوں میں ذکر ہے۔ اور اس قیامت و صور سے مراد حضرت بہاء اللہ کا ظہور مبارک ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اقبال نے ”بال جبریل“ کا نام پہلے ”صور اسرافیل“ ہی رکھا تھا۔

آپ آگرہ، دہلی، بمبئی، علی گڑھ، لاہور اور کراچی سے ”کوکب ہند“ ”پیامبر“ ”بہائی“ ”بہائی میگزین“ اور ”بشارت“ کے نام سے بہائی مجلہ باقاعدگی سے پچاس سال تک نکالتے رہے۔ آپ ”بہائی میگزین“ ۱۹۳۲ء میں لاہور میں نکالتے رہے۔ اسی دوران آپ کی ملاقاتیں جناب علامہ اقبال سے ہوتی رہیں جن کا ذکر علیحدہ آرہا ہے۔

علمی صاحب کی ادارت میں پہلا بہائی مجلہ ”کوکب ہند“ کے نام سے ۱۹۲۴ء میں آگرہ سے شائع ہونا شروع ہوا۔ جو ہفت روزہ تھا۔ ۱۹۲۵ء میں ”کوکب ہند“ دہلی منتقل ہو گیا۔ اس کا دفتر محلہ لال کنواں اور پھر قرول باغ میں رہا۔ پھر ”کوکب ہند“ ماہانہ شائع ہونے لگا۔ اور ۱۹۳۷ء تک چھپتا رہا۔ اس کے ساتھ فارسی صفحات کا اضافہ کر دیا گیا۔ ۱۹۲۸ء میں ”کوکب ہند“ کا نام ”بہائی“ ہو گیا اور بمبئی سے شائع ہونے لگا۔ اس کے فارسی حصہ کے مدیر جناب اسفندیار بختیاری اور خداداد رشید علیانی تھے۔ مجلہ ”بہائی“ دو سال تک بمبئی سے چھپتا رہا۔ جولائی ۱۹۴۰ء سے یہ مجلہ ”پیامبر“ کے نام سے دہلی سے شائع ہونا شروع ہوا۔ فارسی حصہ کے مدیر جناب نور اللہ اختر خاوری تھے۔ جو چند سال قبل یزد میں شہید کر دیئے گئے ہیں۔ ”پیامبر“ ۱۹۵۰ء تک چھپتا رہا۔ آخری برسوں میں بہائی شاعر منشی احمد علی یزدانی معاون مدیر کے طور پر کام کرتے رہے۔ جناب علمی پاکستان آئے تو ۱۹۵۱ء میں ”بشارت“ کے نام سے بہائی ماہنامہ کراچی سے شائع ہونے لگا۔ یہاں علمی صاحب کے ساتھ مرحوم محمد حسین صابری مدیر معاون کی حیثیت سے معاونت فرماتے رہے۔ فارسی صفحات جناب محمد حسین افنان مرتب فرماتے تھے۔ اس رسالہ کے پبلشر جناب فریدون یزدانی تھے۔ ”بشارت“ کراچی سے ۱۹۶۱ء تک مسلسل نکلتا رہا۔

پھر ”بہائی میگزین“ اکتوبر ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۸ء تک لاہور میں جناب علمی کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔

۱۵ اگست ۱۹۶۸ء میں "بہائی میگزین" کراچی منتقل ہو گیا۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۶۸ء تک کے طویل دور میں جناب علمی بہائی مجلّہ کے مدیر رہے اور نہایت قابلیت، پابندی اور لگن سے اُسے شائع فرماتے رہے۔

علمی صاحب نے اپنے پچاس سالہ دورِ صحافت میں سینکڑوں مقالے سپردِ قلم کئے اور ہزاروں اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ ان کا سفر تقریر میں اور حضر تحریر میں گزرا۔ بہائی میگزین نے جو کئی ناموں کے ساتھ کئی شہروں سے ایک ہی مشن کی تبلیغ کے لئے شائع ہوتا رہا۔ برصغیر پاک و ہند کے ہزاروں طالبانِ حقیقت کی رہنمائی کی، اور اُن کو تقلید و تعصّب کے ظلمات سے نکال کر نور کی راہ دکھائی۔ عام محققین اور خود اہلِ بہاء اس مجلّہ کے ذریعے بہائی علم کلام اور طرزِ استدلال سے آگاہ و مستفید ہوتے رہے۔ بہائی تعلیمات، تاریخ، دلائل، اخلاقیات، احکام اور تشکیلات جیسے اہم موضوعات پر یہ مجلّہ بہترین علمی و تحقیقی مقالات پیش کرتا رہا۔

یہ بہائی مجلّہ، اردو اور فارسی کے بہائی شعراء کا کلام پیش کر کے شاعری کے نئے افق دکھاتا رہا۔ اور امر اللہ پر لکھی گئیں انگریزی کتب سے اقتباسات شائع کر کے انگریزی دان طبقہ کو دینِ بہائی سے روشناس کراتا رہا۔ اس میں بے شمار عربی و فارسی الواح و آثار مبارکہ کے اردو تراجم شائع ہوئے۔

جناب سیّد محفوظ الحق علمی برصغیر کے بہائی جامعہ میں ایک بڑے مصنف اور مترجم تسلیم کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے ویسے تو لاتعداد الواح عربی و فارسی کا اردو ترجمہ بہائی مجلّوں میں شائع کیا لیکن اُن کی مستقل تصانیف پمفلٹ اور تراجم جو آج تک طبع ہو چکے ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

تصانیف :

| | |
|---|---|
| ۱- قیامت | پمفلٹ : |
| ۲- رسالت آلھیہ | ۵- آفتاب ظہور |
| ۳- صور اسرافیل | ۶- تلاش حق |
| ۴- نغمات روح | |

ترجمہ :　۷- کلمات آلھیہ　۸- سورۃ الملوک

۹- شش الواح ۱۰- لوح ابن ذئب ۱۱- کلمات مکنونہ

۱۲- ادعیۂ مبارکہ

سیّد علمی بے حد محنتی اور سخت کوش بزرگ تھے۔ یہ وجیہہ اور بسطۃً فی العلم والجسد بزرگ ۱۹۶۸ء کے بعد بتدریج کمزور ہوتے چلے گئے اور مثانے کی تکلیف بڑھ گئی۔ اب آپ لاہور میں ہی رہنے لگے تھے۔ اور سفر نہ کر سکتے تھے۔ فروری ۱۹۷۸ء میں تکلیف بڑھ گئی تو علاج کیلئے آپ کو فاطمہ جناح ہسپتال میں داخل کرادیا گیا۔ چنانچہ اس علاج سے کافی فائدہ ہوا۔ اور آپ اپنی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے مگر کچھ دنوں کے بعد دوبارہ تکلیف شدت اختیار کر گئی تو فیملی ہسپتال میں داخل کرادیا گیا۔ اس عظیم عالم و شاعر کا صعود ۸ فروری ۱۹۷۸ء کو لاہور میں ہوا اور دوسرے دن گلستانِ جاوید میں عزت واحترام کے ساتھ دفن کیا گیا۔

علامہ سیّد محفوظ الحق علمی لاہور میں حضرت اقبال سے اپنی ملاقاتوں کا حال ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

"...... ۱۹۳۲ء میں بہائی میگزین لاہور سے نکلتا تھا' اور کشمیر بلڈنگ میں دفتر تھا جو اس وقت (۱) لاہور ہوٹل ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم میکلوڈ روڈ پر رہتے تھے۔ اور مولانا ظفر علی صاحب اپنے دفتر اخبار "زمیندار" میں تشریف رکھتے تھے تمام سال میں کافی مرتبہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے پاس جانا ہوا۔ اُدھر سے مولانا ظفر علی خان صاحب آجاتے تھے اور کشمیر بلڈنگ سے ہم دونوں ساتھ جاتے تھے اور ساتھ ہی واپس آجاتے تھے' اس مجلس میں اکثر امر بہائی پر بھی علمی گفتگو ہوتی تھی' ڈاکٹر اقبال مرحوم عموماً امری باتوں کی تائید کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بڑے پرزور لہجے میں کہا کہ میں سید باب کو شارع اعظم سمجھتا ہوں اس قسم کی باتیں وہ اکثر فرمایا کرتے تھے' اس مجلس میں ایک دن مولانا ظفر علی خان صاحب نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: "علمی صاحب! آج ختم نبوت کے بارے میں بہائی نقطۂ نظر کی وضاحت کیجئے"۔ میں نے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ "قانون قدرت کے مطابق ہر چیز جس کی ابتداء ہے اس کی انتہا بھی ہے' دور نبوت کا آغاز حضرت آدم سے ہوا اور حضرت خاتم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ لیکن قانون ارتقاء کے مطابق ایک عظیم دور کا آغاز ہوا۔ اس

---

(۱)- ۱۹۶۸

کی خبر دورہ نبوت بڑی شان سے دیتا رہا تھا۔اس دور کو قرآن مجید میں "اجل اللہ" اور 'الیوم الموعود" کہا گیا ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی دَور ہے توحید الٰہی کے زیر سایہ عالم انسانی کی وحدت پورے طور پر قائم ہو گی۔اس دور کی بشارت دور نبوت نے دی اور جو اپنا کام کر کے ختم ہو گیا۔اب نبوت کے نام سے کوئی نہیں آئے گا۔ تفصیل سے یہ بیان (اقبال کی موجود گی میں) دیا گیا"۔ جناب مولانا ظفر علی خان نے کہا: "ڈاکٹر صاحب بہائیت تو بڑا علمی سلسلہ ہے"!۔اس پر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا: "میں تو آپ سے پہلے ہی کہتا تھا کہ بہائیت ایک مستقل علمی امر ہے"۔اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ "جو بات انہوں نے کہی ہے یہ تقریباً وہی ہے جو میں نے اپنے اس قصیدہ میں لکھی ہے جو سیالکوٹ میں پڑھا تھا اور آپ نے اسے دکن ریویو میں شائع کیا تھا" (۱)۔ اور ڈاکٹر صاحب نے ایک شعر بھی پڑھا جس میں اس قسم کے خیال کا اظہار کیا گیا تھا کہ نبوت اپنا کام ختم کر چکی اور اب دنیا میں ایک نئے دور کا آغاز ہے" (۲)۔

---

۱- یہ قصیدہ مجھے نہیں مل سکا (مؤلف)۔ ۲- بہائی میگزین لاہور جولائی ۱۹۶۸ء۔

مارتھاروٹ

کی تیرہ دورہ نبوت علامی شان سے دنیا پر چھا گیا۔ اس دور کو قرآن مجید میں "ایام اللہ" اور "الیوم الموعود" کہا گیا ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی دور ہے۔ توحید الٰہی کے ذریعہ سارے عالم انسانی کی وحدت کا پورے طور پر ظہور ہوگی۔ اس دور کی علامت دورِ نبوت سے دوری اور حوادثِ ایام کرکے



[illegible]

[illegible]

## مارتھاروٹ (۱۸۷۲ء-۱۹۳۹ء)

ممتاز بہائی خاتون مس مارتھاروٹ نے امریکہ میں بمقام اوہایو ۱۰ اگست ۱۸۷۲ء کوایک نیک عیسائی گھرانے میں جنم لیا۔ اعلیٰ تعلیم شگاگو یونیورسٹی میں پائی۔ عملی زندگی کا آغاز صحافت سے کیا۔ ۱۹۰۸ء میں بہائی ہوگئی اور پھر ۱۹۱۵ء میں بیالیس سال کی عمر میں امر جدید کا پیغام صلح ومحبت لے کر دنیا کے سفر پر چل پڑی۔ وہ فداکارو غمگسار' بلند حوصلہ وثابت قدم' دلیرو مؤدب' سادہ وشگفتہ مزاج' خداپرست وقناعت پسند اور انتھک خاتون تھی جو اعلیٰ مقصد کی خاطر زندگی تجرد میں بسر کرگئی۔

اس نے براعظم امریکہ' یورپ' افریقہ' ایشیا اور آسٹریلیا کا کئی بار سفر کیا۔ بہائی تاریخ وتعلیمات اور اخلاق وعقائد پر سینکڑوں اخبارات میں مقالے چھپوائے۔ نشرگاہوں سے تقاریر نشر کیں اور انٹرویو دیئے۔ لاتعداد یونیورسٹیوں' سوسائٹیوں اور کانفرنسوں میں لیکچر دیئے۔ وہ ایک معجز رقم قلم کار' جادو بیان مقرر نیز انگریزی کے علاوہ ھسپانوی پرتگالی اور اسپرنتو جیسی اہم زبانوں میں پوری مہارت رکھتی تھی۔

آپ جس براعظم میں جاتیں وہاں کے بادشاہوں' شہزادوں' شہزادیوں' ملکاؤں' سیاسی رہنماؤں' شاعروں' ادیبوں اور صحافیوں سے ملاقات کرکے بہائی تعلیمات پیش کرتیں۔

مارتھاروٹ نے دنیا کے جن مشاہیر سے ملاقات کی اور ان کے ذہنوں پر عظمت کے نقوش چھوڑے ان میں رومانیہ کی ملکہ این میری' جکوسلواکیہ کے صدر تھامس مازریک' روس کے جنرل فورل' ہالینڈ کی لیڈیا زامن ہوف' یوگوسلاویہ کا شہزادہ پال' جاپان کے سکالر نشوما' فرانس کے مستشرق مسیو نیکلا' برصغیر کے ڈاکٹر محمد اقبالؒ' سروجنی نائیڈو' سادھو واسوانی' ڈاکٹر ٹیگور' پروفیسر ہدایت حسین' سرشیخ عبدالقادر' مہاراجہ پٹیالہ اور خواجہ حسن نظامی شامل ہیں۔

مارتھاروٹ کے ذریعے ہی رومانیہ کی ملکہ این میری نے ۱۹۲۶ء میں امر بہائی کو قبول کرنے کا اعلان کیا تھا۔

حضرت مار تھاروٹ خاتون عجم قرۃ العین طاہرہ کی سچی عاشق تھیں۔ وہ ۱۹۳۰ء میں ایران گئیں اور تین ماہ قیام کر کے مشرق کی اس نابغہ روزگار شاعرہ پر معلومات جمع کیں۔ اور پھر یہ تحقیقی مقالہ "طاہرہ دی پیور" کے نام سے ۱۹۳۸ء میں کراچی میں زیور طبع سے آراستہ کیا۔

اس امریکن خاتون نے ۱۹۱۵ء '۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۸ء میں برصغیر پاک وہند کے تین سفر کیے۔ تیسرے سفر کے دوران وہ کراچی اور اندرون سندھ میں تین ماہ تک امر اللہ کا پیغام سنانے میں مصروف رہیں۔ مار تھاروٹ نے پاکستان اور کشمیر کے جن جن شہروں کا سفر کیا اور متعدد لیکچر دیئے ان میں کراچی' حیدر آباد' لاہور' گوجرانوالہ' سیالکوٹ'' راولپنڈی' پشاور' جموں اور سری نگر قابل ذکر ہیں۔

عشق محبوب میں ساری زندگی سفر میں رہنے والی مار تھاروٹ ہنولولو میں ۲۸ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ایک ایسے طویل سفر پر روانہ ہو گئی جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آتا۔ بقول حافظ :

بعزم مرحلۂ عشق پیش نه قدمی

که سودها کنی ار این سفر توانی کرد

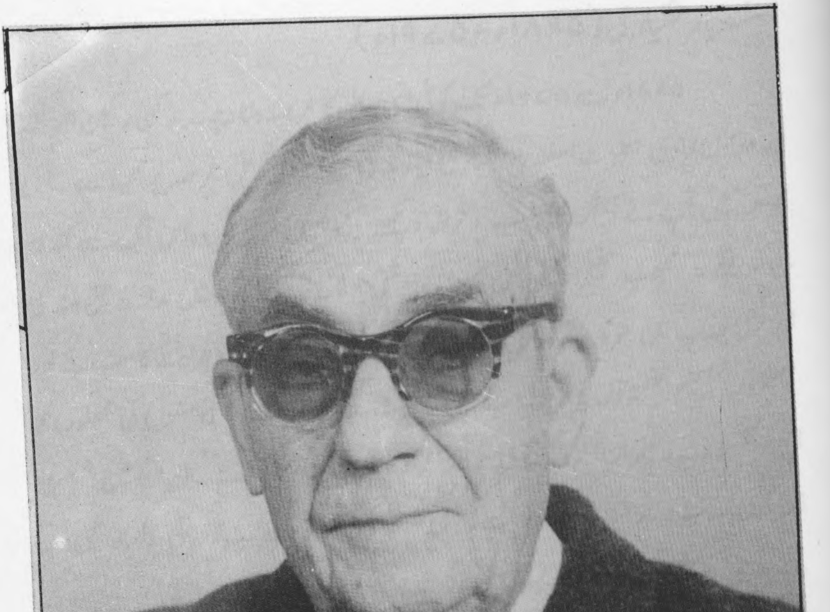

اسفندیار بختیاری

## اسفندیار مختیاری (۱۸۹۵ء-۱۹۷۵ء)

۱۸۹۵ء سے ۱۹۷۵ء تک کوئی اسّی سال کا عرصہ بنتا ہے۔ رکن رکین امر اللہ اور معاون ایادی حضرت اسفندیار مختیاری کی زندگی اسی طویل عرصہ پر محیط ہے۔ اس عرصہ میں آپ نے سینکڑوں نشیب و فراز دیکھے' آزمائشیں آئیں اور وہ اس آگ سے کندن بن کر نکلے۔ محبوب حقیقی کے عشق میں اس عاشق باوفا نے کبھی ایشیاء میں ندائے حق بلند کی اور کبھی یورپ میں نعرہ یابہاء الابہی لگایا۔ وہ ہزاروں نفوس کی رشد و ہدایت کا سبب بنے اور سینکڑوں عظیم شخصیتوں کو انہوں نے اپنی شخصیت سے متاثر کیا۔ وہ دوستوں کی محفلوں کو اپنی گفتگو سے زعفران زار بناتے رہے اور افراد کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ ایران میں شہر یزد زرتشتی مذہب و ثقافت کا مرکز رہا ہے۔ اس علاقہ کی زمین زرخیز ہے اور پانی وافر۔ یہی وجہ ہے کہ یزد غلّہ اور میوہ پیدا کرنے میں مشہور ہے۔

مرحوم اسفندیار مختیاری اسی شہر یزد کے محلّہ نرسی آباد میں ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا زرتشتی گھرانہ دینداری و پرہیزگاری کے لئے مشہور تھا۔ آپ کے والد کا اسم گرامی خداداد بہرام تھا۔ جن کا کاروبار زراعت و باغبانی تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے اسفندیار کو تعلیم دلانا چاہی لیکن بیٹا حروف تہجی سے آگے کچھ نہ پڑھ سکا۔ تاہم یہی حروف اتنے پھیلے کہ مختیاری علم و ادب کا ایک سمندر بن گئے۔ بقول رومی:

صد ہزاران علم ہائے صرف و نحو!

پیش علم معرفت مات است و محو

ہوش سنبھالا تو اسفندیار بھی کھیتی باڑی کا کام کرنے میں مصروف ہو گئے۔ انیس سال کی عمر یعنی ۱۹۱۴ء میں آپ کی شادی سرور خانم بنت رستم جمشید مریم آبادی کے ساتھ ہوئی۔ شادی سے کچھ دن بعد ایک روز آپ کی ملاقات مہدی آباد میں سرور خانم کے ایک رشتہ دار برزو اسفندیار بہمن سے ہوئی تو اُن سے آپ کو امر بہائی کے بارے میں علم ہوا۔ پھر نرسی آباد میں اپنے ایک پڑوسی بہائی اسفندیار اردشیر سے امری مذاکرات کرتے رہے۔

بہائی کتابوں کا مطالعہ اور احباب سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا' کچھ عرصہ کے بعد آپ کی ملاقات یزد کے زرتشتی خاندان کے پہلے بہائی ملا بہرام بہمن اور پاکیزہ روح بیوی سرور خانم کے ماموں بہرام گشتاسبی سے ہوئی۔ مشہور بہائی شاعر قابل آبادہ ای سے بھی آپ نے استفادہ کیا۔ اس طرح آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ ۱۹۱۵ء میں بہائی ہو کر امراللہ کی خدمت کرنے لگے۔ آپ بہائی ہوئے تو لوگ آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے یہاں تک کہ آپ کو قتل کر دینے کی دھمکیاں دینے لگے۔ لیکن اسفندیار تو "اسفندیار" کی طرح روئین تن تھے۔ ان پر کسی کا وار کارگر نہ ہوا اور نہ ہی کسی کا داؤ چلا۔ آپ ثابت قدم رہے۔ اور روز و شب ایمان میں ترقی کرتے چلے گئے۔

ہندوستان میں بمبئی زرتشتیوں (پارسیوں) کا دوسرا بڑا مرکز رہا ہے۔ صدر اسلام سے ہی حضرت زرتشت کے پیروایران اور خاص طور سے یزد سے مہاجرت کر کے بمبئی آ گئے تھے' یہاں پہنچ کر اہل زرتشت نے اپنے مذہب اپنی ثقافت اور اپنی زبان کو محفوظ رکھا۔ جناب اسفندیار بیوی کے ہمراہ ۱۹۱۷ء کے اواخر میں بمبئی کے سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ رفسنجان سے بندر عباس پہنچے' وہاں سے کشتی کے ذریعے کراچی اترے اور پھر یہاں سے ٹرین کے ذریعے بمبئی پہنچ گئے۔ بمبئی کا انتخاب آپ نے اس لئے بھی کیا کہ یہاں آپ کے تین سگے بھائی پہلے سے موجود اور کاروبار میں مشغول تھے۔ آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ ان کو ہوشیدر اور شاہ بہرام ورجاوند کے ظہور کی بشارت دی جائے ۔ جن کے متعلق تفصیل سے زرتشتیوں کے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔

آپ کے تینوں بھائی رستم' بہرام اور مختیار جانتے تھے کہ آپ بہائی ہو گئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے گرمجوشی سے آپ کا استقبال نہ کیا۔ البتہ بہرام نے آپ کو اپنے گھر میں ٹھہرایا اور آپ اس کے ریسٹورنٹ میں کام کرنے لگے۔ مختیاری صاحب ۱۹۲۰ء میں ارض اقدس گئے اور حضرت عبدالبہاء کے حضور مشرف ہوئے۔

ارضِ اقدس سے واپسی کے بعد آپ بمبئی کو خیرباد کہہ کر ۱۹۲۱ء میں کراچی آ گئے۔ اور چھوٹی سی دکان کرنے لگے۔ آپ کی تبلیغ کا میدان کراچی و سندھ رہا۔ پُر کشش شخصیت' سچے علم اور بے پناہ محبت و خلوص کے باعث آپ نے جلد ہی کراچی و سندھ میں ایک

وسیع حلقہ احباب بنالیا۔ حضرت عبدالبہاء کے صعود کو تقریباً چھ سال گزر چکے تھے۔ اوراب حضرت شوقی آفندی ولی امر اور مبین کتاب کی حیثیت سے امر اللہ کی حفاظت وصیانت فرمارہے تھے کہ ۱۹۲۷ء میں اسفندیار کو دوبارہ ارض اقدس کی زیارت کی اجازت مل گئی۔ آپ بیگم کے ہمراہ زیارت کر کے واپس آئے تو دوبارہ تبلیغ امر اور خدمت خلق کا کام شروع کر دیا۔

برصغیر پاک وہند میں بہائی تشکیلات کا قیام اور تحکیم و تقویت خاص طور پر جناب بختیاری کی مرہون منت ہے۔ ۱۹۲۰ء میں ہندوبرما کی پہلی محفل مقدس ملی قائم ہوئی تو آپ اس کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۷ء میں پاکستان کی علیحٰدہ محفل ملی کا انتخاب ہوا تو آپ اس کے صدر چنے گئے اور سالہا سال تک صدر یا امین صندوق کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

برصغیر پاک وہند میں آپ سیلون سے سری نگر اور مانڈلے سے مظفر آباد تک تبلیغی سفر فرماتے رہے۔ مظفر آباد کا آپ نے دوبار دورہ کیا۔ پہلی بار مس مارتھاروٹ کے ہمراہ ۸ اگست ۱۹۳۸ء کو سری نگر جاتے ہوئے مظفر آباد کے نزدیک رشید آباد میں ایک رات کیلئے ٹھہرے تھے کیونکہ لینڈ سلائیڈ کی وجہ سے ٹریفک بند تھی۔

دوسری بار آپ ۱۹۶۵ء میں مظفر آباد تشریف لائے اور دو دن ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ آپ کا قیام "یثرب ہوٹل" میں رہا۔ جناب سید کرامت علی شاہ نے متبدیوں اور کئی دانشوروں سے ان کی ملاقات کروائی۔ یہ مولف بھی حاضر رہا۔

آپ نے ۱۹۱۸ء سے ۱۹۷۵ء تک تقریباً ستاون سال اس وسیع برصغیر کے سینکڑوں شہروں اور دیہاتوں میں تبلیغ کی خاطر سفر کئے۔ اور سینکڑوں نہیں ہزاروں نفوس کی تربیت فرمائی۔ آپ برصغیر میں ستاون سالہ پیشرفت امر اللہ کے واقعات کی تاریخ ناطق تھے۔ وہ اہم واقعات کو اپنی یادداشتوں میں قلم بند کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میں مرحوم کو برصغیر کا پہلا بہائی مورخ سمجھتا ہوں۔

ویسے تو مرحوم بختیاری نے پروفیسر محمد رضا شیرازی، پروفیسر پریتم سنگھ، جناب عباس علی بٹ، جناب طراز اللہ سمندری اور جناب محفوظ الحق علمی کی ہمراہی میں برصغیر پاک وہند، برما، بنگلہ دیش اور ریاست جموں وکشمیر کے بے شمار سفر کئے۔ لیکن آپ کا اہم

تبلیغی سفر وہ ہے جو آپ نے امریکہ کی مشہور بہائی خاتون مس مارتھا روٹ کے ساتھ ۱۹۳۰ء میں کیا۔ یہ سفر ایک ماہ تک جاری رہا۔ اسی سفر کے دوران آپ نے مشاہیر ہند مثلاً ٹیگور، سروجنی نائیڈو، علامہ اقبال، مہاراجہ پٹیالہ، خواجہ حسن نظامی، سر عبدالقادر وغیرہ سے ملاقاتیں کیں۔ اور ان کو امر بہائی سے روشناس کرایا۔ خاص طور سے آپ نے عظیم شاعرہ قرۃالعین طاہرہ کے کلام واحوال کا مجموعہ "تحفۂ طاہرہ" کے نام سے علامہ اقبال کو پیش کیا۔ آپ کے اس تبلیغی سفر کی مکمل ڈائری کا اردو ترجمہ ۱۹۶۴ء میں "نجم دری" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ جو راقم (مولف) نے کیا ہے۔

برصغیر پاک و ھند کے علاوہ آپ نے بیرونی ممالک کے بھی متعدد سفر کئے تھے۔ ۱۹۵۴-۵۵ء کے دوران آپ نے محترمہ سرور خانم کے ہمراہ سوئٹزرلینڈ، اٹلی، جرمنی اور ارضِ اقدس کا سفر کیا۔ اسی موقع پر حضرت ولی امر نے آپ کو حکم دیا تھا کہ پنجاب میں اپنی آمدو رفت جاری رکھیں۔

۱۹۵۷ء میں حضرت ولی امر اللہ کا صعود واقع ہوا تو پاکستان میں احباب کو ثابت قدم رکھنے اور تبلیغ و صیانت امر اللہ کے سلسلے میں آپ نے ناقابل فراموش فعالیت دکھائی۔ ۱۹۶۳ء میں لندن کے البرٹ ہال میں دنیا بھر کے اہل بہاء نے ایادیان امر اللہ کی راہنمائی میں پہلی عظیم الشان بین الاقوامی بہائی کانگرس منعقد کی جس میں منصوص و معصوم ادارہ "بیت العدل اعظم الہی" کا تاریخ میں پہلا انتخاب عمل میں آیا۔ مرحوم مختیاری نے بھی محفل ملی پاکستان کے ممبر کی حیثیت سے نمائندگی کرتے ہوئے اس کانگرس میں شرکت فرمائی۔

پہلی مہاجرت آپ نے یزد سے بمبئی، دوسری بمبئی سے کراچی اور تیسری کراچی سے مری فرمائی تھی۔ پنجاب میں حضرت ولی امر اللہ کی خاص توجہ تھی۔ جناب مختیاری نے اسی آرزو کی تکمیل میں ۱۹۵۶ء میں مری میں مہاجرت فرمائی۔ آپ ہر سال یہاں گرمیوں میں تقریباً چار ماہ کے لئے تشریف لاتے تھے۔

کوہ مری پاکستان کا اہم گرمائی مقام ہے ملک بھر سے مختلف طبقات اور پیشوں کے

لوگ یہاں جون میں آنا شروع ہو جاتے ہیں اور ستمبر کے اواخر تک یہاں رہتے ہیں، مختیاری نے پہلے پہل "مری کلب ہوٹل" میں ایک کمرہ لے کر قیام کیا مگر اُن کا مقصد تو سیر و تفریح اور آرام و راحت نہ تھا۔ وہ تو ابلاغ کلمۃ اللہ کے لئے تشریف لاتے تھے۔ حضرت جمال مبارک کی تائیدات سے جلد ہی بڑے ڈاک خانہ کے نزدیک عزیز شہید روڈ پر آپ کو ایک دکان کرایہ پر مل گئی۔ اس کے پچھلے حصے میں آپ رہائش رکھتے اور سامنے والے حصے میں اسٹیشنری کے علاوہ دین بہائی اور دیگر ادیان کی کتابیں برائے فروخت رکھتے تھے۔

یہ دکان "کینڈل بک اسٹال" کے نام سے مشہور ہوئی اور پھر اس کا نام تبدیل کر کے "کتاب خانہ مختیاری" رکھا گیا۔ آپ یہاں مئی میں آتے اور ستمبر میں کراچی چلے جاتے۔ مری میں قیام کے دوران جو اہل قلم اور دانشور آپ کی محفل میں شمع محفل بنتے ان میں ماہر اقبالیات مرزا محمد منور، حافظ عبدالرشید، چوہدری محمد اسماعیل، ارمان فارانی، لطیف کاشمیری، سلیم شوالوی، محمد جلیل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مرزا محمد منور نے کئی مضامین میں مختیاری صاحب کا ذکر خیر کیا ہے۔

کوہ مری کو آپ کیوں پسند کرتے تھے؟ اس کا جواب مرحوم مختیاری نے خاکسار کو اس طرح دیا تھا۔ کہ ایک تو یہاں تقریباً گوناگوں ادیان اور رنگارنگ تہذیبوں کے لوگ ہوتے ہیں اور محبت کی فضا میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہاں ان لوگوں میں نفرت، تعصب اور تنگ نظری نام کو نہیں اور یہی فضا ساری دنیا میں بہائی دین پیدا کرنا چاہتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ یہ پہاڑی شہر قرن بدیع کے آغاز یعنی ۱۸۴۴ء میں آباد ہوا۔ آپ نے مری کے بارے میں ایک تحقیقی مقالہ بھی سپرد قلم فرمایا تھا جس کا اردو ترجمہ "مولود قرن بدیع" کے نام سے بہائی میگزین میں چھپ چکا ہے۔

جناب مختیاری نے مہاجرت کی تو دیکھتے ہی دیکھتے مری امری سرگرمیوں کا مرکز بن گئی۔ دور دراز سے مبلغین آنے لگے۔ ہوٹلوں میں کانفرنسیں ہوتیں۔ مشہور مبلغ ایادی ممتاز حضرت طراز اللہ سمندری، جناب محمد علی فیضی، جناب کامل عباس، جناب سید محفوظ الحق علمی، جناب عزیز اللہ سلیمانی وغیرہ مری تشریف لاتے رہے۔

آپ کا کتاب خانہ پروفیسروں، وکیلوں، ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کا مرکز بن گیا آپ مجلس کو کبھی بور نہیں ہونے دیتے تھے۔ قابل آبادہ ای اور نعیم اصفہانی کے اشعار سناتے۔ کبھی حافظ، سعدی، فردوسی، شیخ بہائی اور سنائی کے حکمت آمیز اشعار سے اہل محفل کو مسرور کرتے۔ قرآن حکیم اور اسلامی تاریخ میں بھی آپ ہند نہ تھے۔ اردو کے علاوہ انگریزی، عربی، گجراتی اور سندھی بھی خوب جانتے تھے۔ فارسی اور دری تو ان کی مادری زبان تھی۔

آپ فارسی کے بہت اچھے شاعر بھی تھے مگر بہت کم کہتے تھے۔ چند چیزیں ''بہائی میگزین'' میں شائع ہو چکی ہیں۔ سب سے زیادہ قابل تعریف خوبی یہ تھی کہ آپ کا حافظہ بے حد تیز تھا۔ شعراء کا فارسی کلام بہت یاد تھا۔ چند اشعار اردو کے بھی سنایا کرتے تھے جو انہوں نے اُردو کے رسالوں سے یاد کر رکھے تھے۔ اُن میں سے مجھے ایک شعر یاد رہ گیا ہے۔

ترا غم سہنے والوں پر زمانہ مسکراتا ہے
مگر ہر شخص کی قسمت میں تیرا غم نہیں ہوتا

مختیاری صاحب اپریل ۱۹۷۵ء میں پشاور آئے۔ یہاں ان کو درد کمر کی تکلیف ہو گئی۔ پشاور سے راولپنڈی آئے تو تکلیف میں اضافہ ہو گیا چنانچہ ۲۴ مئی کو جناب محمود فولادچی اور اس خاکسار نے مرحوم کو ہولی فیملی ہسپتال میں داخل کرادیا۔ ۲۵ مئی کی صبح کو ہم دیر تک اُن کے کمرے میں بیٹھے رہے۔ پھر آپ نے مجھے مامور کیا کہ میں سکردو جا کر مرحوم ڈاکٹر محمد یوسف کے خاندان سے ملاقات کروں۔ جناب ڈاکٹر محمد یوسف کا ایک مہینہ پہلے اپریل ۱۹۷۵ء میں صعود ہو گیا تھا۔ جناب مختیاری نے مجھے اُن کے اہل خاندان کی تعزیت اور مرحوم کے مرقد پر دعائے مغفرت مانگنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ میری اس پدر روحانی سے آخری ملاقات تھی میں جون کے شروع میں سکردو گیا۔

ہسپتال میں علاج تو ہوتا رہا۔ مگر مرض بڑھتا ہی چلا گیا۔ پھر کراچی سے جناب فریدون یزہ میدی آئے۔ وہ ۳ جون کو آپ کو کراچی لے گئے۔ وہاں نرسنگ ہوم میں داخل کروادیا گیا۔ مرحوم سے میری خط وکتابت جاری رہی آپ خطوط احباب سے لکھوا کر بھجواتے رہے۔ علاج ہوتا رہا احباب شفاء کے لئے دعائیں کرتے رہے۔

ایک دن آپ نے ایک بہائی دوست سے کہا:

"میں نے تمام عمر دوستوں کے ہر خط کا جواب فوراً ہی بڑے ذوق و شوق سے دیا ہے۔ مگر اب اس شدید بیماری کے سبب جواب نہیں لکھ سکتا۔ لہذا سب کے حضور تم میری طرف سے معذرت کر دو اور کہو:

مانه کردیم خدمتی بسزا     دیدهٔ ما در انتظار شماست

منگل ۲۴ جون کی صبح کو حالت زیادہ خراب ہو گئی اور اسی تاریخ کو ساڑھے پانچ بجے شام اُن کا صعود واقع ہو گیا۔ صعود کے وقت ذکر "یا بہاء الابہیٰ" زبان مبارک پر جاری تھا۔ نزع کے وقت جناب فریدون یزہ میدی اور ان کی خانم پروین خانم یزہ میدی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ کا جسد سرد خانے میں منتقل کر دیا گیا۔ پروگرام کے مطابق ۲۵ جون کو ۹ بجے صبح میت گلستان جاوید پہنچائی گئی اور گیارہ بجے دن نہایت عزت و احترام کے ساتھ دفنا دیا گیا۔ آپ کے جنازے میں کراچی، حیدر آباد وغیرہ سے کثیر تعداد میں بہائی احباب نے شرکت کی۔ شہر کے غیر بہائی دوست بھی بڑی تعداد میں حاضر ہوئے۔

مخلص وجدانی نے قطعہ تاریخ یوں کہا:

مخلص وہ آج ہم سے بچھڑ کر چلا گیا
جو جاں نثارِ امر خود اپنی نظیر تھا
مخلص نے اس کا سال صعود اس طرح لکھا
شمع بہاء کے نور سے دلِ مستنیر تھا (۱)

۱۹۷۵ء

یاد رہے کہ مارتھا روٹ نے برصغیر پاک و ہند کے تین سفر کئے تھے۔ ۱۹۱۵ء میں انہوں نے بمبئی اور رنگون کا سفر کیا۔ ۱۹۳۰ء میں کراچی سے رنگون کا سفر کیا، اس دورے کے دوران مارتھا روٹ نے علامہ اقبال، شیخ عبد القادر، مہاراجہ پٹیالہ خواجہ حسن نظامی، سروجنی نائیڈو سے ملاقات کی اور بہائی تعلیمات پیش کیں۔ اس مسافرت کے دوران کراچی

---

۱- نجوم ہدایت۔

سے اسفندیار مختیاری جو زرتشتی مذہب سے بہائی ہوئے تھے۔ آپ کے ہمراہ تھے۔ مختیاری نے اس سفر کے واقعات کی ڈائری فارسی زبان میں تحریر کر رکھی تھی۔

جب ۱۹۶۴ء میں مؤلف کی ملاقات جناب مختیاری سے مری میں ہوئی تو آپ نے ڈائری مجھے عنایت کی اور فرمایا کہ میں اس کا اردو میں ترجمہ کروں۔ چنانچہ یہ اردو ترجمہ "نجم دری" کے نام سے مختیاری صاحب نے کراچی سے ۱۹۶۴ء میں شائع کروایا۔ مار تھاروٹ ۱۳ جون ۱۹۳۰ء کو سورت (گجرات) سے کراچی وارد ہوئیں اور برصغیر کا طویل دورہ کر کے ۲۳ جولائی ۱۹۳۰ء کو رنگون (برما) کے لئے روانہ ہوئیں۔

علامہ اقبال سے ملاقات کا حال مختیاری صاحب اس طرح لکھتے ہیں۔

۲۲ جون ۱۹۳۰ء صبح کو مس مار تھاروٹ نے برھمو سماج لاہور میں خطاب فرمایا۔ جناب پروفیسر پریتم سنگھ نے ترجمانی فرمائی، عصر کے وقت پروفیسر پریتم سنگھ اور بندہ (مختیاری) کی ہمراہی میں ہندوستان کے معروف شاعر جناب سر محمد اقبال سے ملاقات فرمائی۔ مس مار تھاروٹ نے امر اللہ کا مکمل ابلاغ کیا۔ جناب اقبال نے دین اسلام پر اطمینان کا اظہار کیا اور کتاب فلسفۂ اسلام (۱) تقدیم کی۔ مس مار تھاروٹ نے کمال ادب سے وہ کتاب لی اور کتاب "بہاء اللہ و عصر جدید" جناب اقبال کو تقدیم کی، اور طے پایا کہ ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد آئندہ ملاقات میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں گے (۲)۔

اس کے تیسرے روز مار تھاروٹ، پروفیسر پریتم سنگھ اور اسفندیار مختیاری دوسری مرتبہ علامہ سے ملنے کے لئے ان کے دولت کدہ پر گئے۔ اس ملاقات کا حال مختیاری صاحب بیان کرتے ہوئے ڈائری میں لکھتے ہیں۔

۲۴ جون ۱۹۳۰ء، صبح وعدہ کے مطابق مس مار تھاروٹ سر محمد اقبالؒ سے ملنے کے لئے تشریف لے گئیں۔ بندہ (مختیاری) اور پروفیسر پریتم سنگھ آپ کے ہمراہ تھے۔ پہلی ملاقات سے زیادہ جناب اقبال نے مار تھاروٹ کی عزت کی اور احترام سے پیش آئے اور کتاب "بہاء اللہ و عصر جدید" اور "تحفہ طاہرہ" جو مار تھاروٹ نے جناب اقبال کو دی تھی

---

۱- مراد: تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ۔ ۲- نجم دری۔

پڑھ کر اظہار خوشنودی کیا ۔ جناب اقبال نے اثنائے گفتگو میں یہ بھی فرمایا کہ وہ ایک کتاب لکھنے میں مصروف ہیں اور خیال ہے کہ حضرت قرۃ العین طاہرہ کا ذکر اس کتاب میں کریں گے ۔ مار تھاروٹ نے یہ سن کر خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد مار تھاروٹ نے وہ کتاب واپس کرنا چاہی جو جناب اقبال نے انہیں دو روز قبل مطالعہ کے لئے دی تھی۔ جناب اقبال نے قلم نکالا اور کتاب ماو تھاروٹ کو تقدیم کرنا چاہی' مار تھاروٹ نے فرمایا کہ وہ ہر اہم دینی کتاب جو ان کو ملے محبوب جہاں حضرت شوقی آفندی کے حضور پیش کیا کرتی ہیں ' کتنا اچھا ہو اگر جناب ان کے نام کی بجائے حضرت شوقی آفندی کے اسم مبارک پر تقدیم کریں۔ پس جناب علامہ اقبال نے اپنے دستخط سے (حضرت شوقی آفندی) اسم مبارک لکھا اور حضور مبارک میں کتاب تقدیم کر دی۔ مار تھاروٹ نے پھر علامہ اقبال کی طرف سے دیئے گئے تحفہ کتاب پر مسرت آمیز اظہار تشکر فرمایا۔

آج آپ نے "نائیڈو ہوٹل" میں جہاں ان کا قیام تھا۔ دن گذارا۔ اور خط و کتابت کی۔ بندہ (مختیاری) مرحوم کیخسرو دلاوری کے مزار کی تکمیل کے لئے مزنگ کے قبرستان میں گیا۔ اور پھر پروفیسر پریتم سنگھ کے گھر گیا۔ آپ سے رخصت ہونے کے بعد یہ کتاب ڈاک کے ذریعے ارض اقدس روانہ کر دی گئی۔

اوپر جس ملاقات کا ذکر ہوا میرے خیال سے یہ وہی ملاقات ہے جس کا ذکر خود علامہ نے ان الفاظ میں فرمایا :

"...... پچھلے دنوں ایک امریکن خاتون جس نے بہائی مذہب اختیار کر رکھا تھا۔ میرے پاس آئی اور بہاء اللہ کی بابت باتیں کرتی رہی۔ میں نے قرآن پاک کی چند آیات پڑھ کر سنائیں اور جب اسے ان کے مطالب اور معانی سے آگاہ کیا تو اچھل پڑی کہ ہیں یہ تعلیمات ہمارے آقا بہاء اللہ کی ہیں۔ میں نے ہنس کر کہا' نہیں یہ احکام تو خدا کے ہیں اور رسول اکرمؐ کی تعلیم ہے۔ بہاء اللہ نے صرف ان میں تھوڑا سا تغیر کر کے اپنالی ہیں ...... تم دونوں کی تعلیمات میں بے حد مشابہت اور مماثلث پاؤ گی یا اگر سچ پوچھو تو بہاء اللہ کی تعلیمات علوم قرآنیہ کی فرع ہے اس سے اس کی تشفی ہو گئی مگر جاتے جاتے بہاء اللہ کی

تعلیمات کا ایک مختصر سا رسالہ چھوڑ گئی (۱)۔

دونوں تحریروں میں بیان کا تھوڑا بہت اختلاف ضرور ہے۔ اقبال، قرآن اور حضرت بہاء اللہ کی تعلیمات میں مشابہت و مماثلث پاتے ہیں۔ آپ نے جس مختصر سے رسالہ کا ذکر کیا ہے اس کا نام "Baha'ullah and the New Eara" ہے جو انگریزی میں ہے اس کا ذکر مختیاری کی مندرجہ ذیل تحریر میں ملتا ہے۔ جو رسالہ "بشارت" میں شائع ہوئی ہے۔

## ما بقول اقبال

بر قارئین محترم پوشیده نیست که شاعر معروف مرحوم اقبال لاهوری نوشته است که بهائیان عقیده خود را آشکارا اظهار میکنند و خود را به ادیان دیگر منسوب نه کرده و جز و فرق و مذاهب مختلفه اسلامی نشمرده باعثِ فتنه و فساد نمیشوند۔

بلی چنین است اهل بهاء باید خلوص و صداقت را از هر صفتی بالاتر و والاتر شمرند زیرا حضرت بهاء الله می فرماید " راستی پیشه کن و از ما سوی اندیشه منما "۔ و در جای دیگر میفرمایند راست بگو و کفر بگو بهتر از آنست که کلمۂ ایمان بر زبان رانی و دروغ گوئی "۔

ایکاش مرحوم وقت میکرد و موفق میشد بیشتر کتب بهائیان را مطالعه مینمود و بیشتر بحقیقت امر بهائی آشنا میشد و آنرا آشکار میکرد زیرا شخص دانشمندی بود حقیقت را می پسندید هیچ یادم نرفته است در سنه ۱۹۳۰ که باتفاق مبلغه آمریکائی میس مارثاروت در لاهور بملاقات آن مرحوم رفتیم در وقت ملاقات وقتی از مبلغه بهائی دریافت که برای تبلیغ دین بهائی در اطراف جهان سفر میکند گفت: " من عقیده ندارم بعد از حضرت محمدؐ کسی به پیغمبری مبعوث گردد" روح

---

۱۔ملفوظات اقبال، ص ۲۵۴۔

شاد میس روت گفت:" آیا شما سندی بر این ادعای خود در دست دارید یا از گفته دیگران میگوئی؟" مرحوم اقبال گفت:" البته سند در دست است و من خودم هم کتابی راجع بدیانت اسلام نوشته ام" و رفت آن کتاب را آورد و ارائه داد حضرت میس مارثاروت فرمودند: "اگر ممکن باشد این کتاب را برای سه روز دیگر که در لاهور هستم بدهید ببرم بخوانم و بیاورم ما اہل بہاء جویای حقیقت هستیم و از ہر کجا بیابیم کتمان نمی کنیم بلکه قدردانی میکنیم" مرحوم اقبال کتاب را داد و برای سه روز بعد وعدهٔ ملاقات گرفت وقت خدا حافظی میس مارثا روت کتاب " بہاء الله و عصر جدید" تألیف دکتر ایسلمنت را که در دست داشت بمرحوم اقبال داده فرمودند:" این ہمان کتابی است که چون ملکه رومانیا ماری آنرا در دست من دید گرفته بدقت تمام خواند و امر بہائی و دیانت اسلام را که بعد از حضرت مسیح ظاہر شده تصدیق نمود و چند مقاله راجع بعقیدهٔ خود و تصدیق خود در روزنامه هائی اروپا انتشار داد- اگر شما اجازه میدهید بگذارم اگر وقت دارید نگاه کنید روز وعده که میآیم کتاب شما را میآورم این را میبرم" مرحوم اقبال گفت:" عیب ندارد و بگذارید" لہذا کتاب را تسلیم نمود و کتاب مرحوم اقبال را برداشته با خود به هوتلی که در آن می ماند برد و شب و روز مطالعه مینمود روز معین عصری باہم بمنزل مرحوم اقبال رفتیم جناب اقبال در این روز برعکس روز اوّل با کمال وقار و آدب میس مارثا روت را استقبال کرد و در حدود یك ساعت باہم صحبت کردند و هر دو از کتاب هائی که از یکدیگر گرفته و خوانده بودند تعریف میکردند مرحومه میس مارثاروت راجع باین که بعد از رسول اکرمؐ کسی به پیغمبری نمی آید بمرحوم اقبال مدلل داشتند که "این عقیده تازگی ندارد و علمای مسیحی ماهم میگویند بعد از مسیح کسی به پیغمبری

نمی آید و شریعت حضرت مسیح تبدیل نمیشود زیرا آنحضرت فرموده است ممکن است این زمین و آسمان تغییر کند ولی کلمات پدر آسمانی تغییر پذیر نیست" خلاصه مرحوم اقبال صحبت های مرحومه میس مارثاروت را بدقت گوش مینمود و اعتراضی ننمود و خواست کتاب خود را بمیس مارثاروت تقدیم نماید. مرحومه میس روت فرمودند" من هر کتاب تازه و مهمی که بدستم میرسد به حضور محبوب خودم شوقی آفندی تقدیم مینمایم و اگر این کتاب را بمن بدهید بحضور مبارکش تقدیم میدارم ولی چه خوب است سرکار بجای اینکه کتاب را بنام بنده تعارف کنید بدست خودتان آنرا نوشته بحضرت ولی امرالله شوقی ربانی تقدیم نمائید" مرحوم اقبال این پیش نهاد را پسندید و فوراً بخط خود پشت کتاب را نوشته تقدیم حضور حضرت ولی امرالله شوقی آفندی نمود و در آن مجلس بسیار تعریف از افکار و اشعار حضرت طاهره قرة العین گردید این را هم گفت که:" من این ایّام مشغول تألیف کتابی هستم و خیال دارم ذکر حضرت طاهره را در آن بنمایم و اشعاری چند از او را در آن درج و طبع کنم" نسخه از کتابچه ای از اشعار آنحضرت که فدوی حسبِ الامر مرحومه میس روت در کراچی بنام "تحفه طاهره" چاپ کرده بودم و با خود داشتم گرفت و یکی دو اشعار که بنده بلحن ایرانی برای ایشان خواندم بسیار پسندید و توصیف نمود.

خلاصه مرحوم اقبال باوجودیکه کتب بهائی کم مطالعه کرده بوده و اغلب اوقات خود را بانشاء اشعار میپرداخت این مطلب را اظهار کرده است که بهائیان پاکباز هستند و عقیده خود را آشکار میگویند و به دیانت اسلام ضرری نمیرسانند پس خوب است سایر برادران مسلمان نیز در انصاف تاسی بآن شخص محترم نمایند و

همچنین کتب بہائی را بخوانند و انصاف دهند زیرا بہترین چیزہا در نزد خداوند توانا انصاف است ۔

" اسفند یار بختیاری "(۱)۔

ترجمہ : یہ بات قارئین محرم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ معروف شاعر جناب اقبال لاہوری نے لکھا ہے کہ بہائی اپنے عقیدہ کا اظہار کھلم کھلا کرتے ہیں اور اپنے کو دوسرے ادیان سے منسوب نہیں کرتے اور اسلام کے مختلف فرقوں کا حصہ نہیں جانتے اور فتنہ وفساد کا باعث نہیں بنتے۔

جی ہاں۔ یہی بات ہے۔ اہل بہاء کو چاہئے کہ وہ خلوص وصداقت کو دوسری ہر صفت سے بالاتر سمجھیں۔ کیونکہ حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں۔ سچائی کو اپنا پیشہ بنا اور ماسوی اللہ سے خوف نہ کر۔ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ سچ کہو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم زبان پر ایمان کا کلمہ لاؤ مگر جھوٹ بولو۔

کاش کہ مرحوم اقبال کو فرصت ملتی اور وہ بیشتر بہائی لٹریچر کا مطالعہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ اور امر بہائی کی حقیقت سے زیادہ آشنا ہو جاتے۔ اور اس کا اظہار کرتے۔ کیونکہ آپ ایک دانشمند آدمی تھے اور حقیقت کو پسند کرتے تھے۔

مجھے خوب یاد ہے کہ ۱۹۳۰ء میں کہ ہم امریکی مبلغہ مس مار تھاروٹ کے ہمراہ لاہور میں مرحوم کی ملاقات کے لئے گئے۔ ملاقات کے وقت جب بہائی مبلغہ نے بتایا کہ وہ دین بہائی کی تبلیغ کے لئے اطراف جہان کا سفر کرتی ہیں۔ تو آپ نے کہا۔ میں عقیدہ نہیں رکھتا کہ حضرت محمدؐ کے بعد کوئی دوسرا پیغمبر مبعوث ہوگا۔ مس مار تھاروٹ نے پوچھا۔ کیا آپ کے پاس اس ادعا کی کوئی دلیل و سند بھی ہے یا آپ دوسروں کی تقلید میں کہہ رہے ہیں۔ مرحوم اقبال نے جواب دیا۔ جی ہاں سند موجود ہے۔ اور میں نے خود بھی ایک کتاب اسلام کے بارے میں تالیف کی ہے آپ اٹھے اور وہ کتاب لاکر دکھائی۔

---

۱۔بشارت۔ کراچی۔ جون ۱۹۵۲ء۔

حضرت مار تھاروٹ نے فرمایا ممکن ہو تو یہ کتاب تین دنوں کے لئے دے دیں جب ہم لاہور میں ہیں۔ تا کہ ہم لے جا کر اس کا مطالعہ کریں اور پھر واپس لائیں۔ ہم بہائی جویائے حقیقت ہیں اور حقیقت کو جہاں سے بھی ملے چھپاتے نہیں بلکہ قدردانی کرتے ہیں۔ مرحوم اقبال نے کتاب دے دی اور تین روز بعد کا وعدۂ ملاقات کیا خدا حافظی کے وقت مار تھاروٹ نے ڈاکٹر ایسلمنٹ کی انگریزی کتاب "بہاء اللہ و عصر جدید" جو اس وقت ان کے پاس تھی، مرحوم اقبال کو دی اور فرمایا۔

یہ وہی کتاب ہے کہ جب رومانیہ کی ملکہ میری نے میرے ہاتھ میں دیکھی تو مجھ سے لے کر غور سے پڑھی اور امر بہائی اور دین اسلام کی تصدیق کی جو حضرت مسیح کے بعد آیا ہے۔ اور اپنے عقیدہ و تصدیق کے بارے میں یورپ کے کئی روزناموں میں مضامین شائع کروائے۔

اگر آپ اجازت دیں تو یہ کتاب رکھ دوں تا کہ فرصت ملے تو اس کا مطالعہ کرلیں۔ وعدہ کے دن میں آئی تو یہ کتاب لے لوں گی اور آپ کی کتاب آپکو لوٹا دوں گی۔ مرحوم اقبال نے کہا کوئی ہرج نہیں رکھ دیجئے۔ لہذا مار تھاروٹ نے کتاب پیش کر دی اور اقبال کی کتاب اٹھالی اور اسے اپنے ساتھ ہوٹل میں لے گئیں جہاں آپ کا قیام تھا۔ پھر روز و شب مطالعہ کرتی رہیں۔ (تیسرے روز) مقررہ عصر کے وقت ہم اقبال کے مکان پر گئے۔ آج اقبال نے پہلے دن کے برعکس کمال وقار و ادب سے مار تھاروٹ کا استقبال کیا اور ایک گھنٹہ تک باہمی گفتگو کرتے رہے اور دونوں ان کتابوں کی تعریف کرتے رہے جو انہوں نے مبادلہ کی تھیں اور انہیں خوب پڑھ رکھا تھا۔

مار تھاروٹ نے دلائل سے ثابت کیا کہ اس عقیدہ میں کوئی تازگی نہیں ہے کہ رسول اکرمؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہ آئے گا۔ ہمارے مسیحی علماء بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کے بعد کوئی پیغمبر نہ آئے گا اور مسیح کی شریعت تبدیل نہ ہو گی کیونکہ آپ نے فرمایا ہے۔ ممکن ہے یہ زمین و آسمان ٹل جائیں لیکن پدر آسمانی کے کلمات ٹلنے والے نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اقبال مار تھاروٹ کی باتوں کو بڑے غور سے سنتے رہے اور ان پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ اور چاہا کہ یہ کتاب مار تھاروٹ کو تقدیم کریں۔ مار تھاروٹ نے کہا ہر نئی اور اہم کتاب جو میرے

ہاتھ لگتی ہے میں اسے اپنے محبوب شوقی آفندی کے حضور پیش کرتی ہوں۔ لیکن کتنا اچھا ہو کہ جناب عالی بجائے اس کے کہ کتاب مجھے پیش کریں اپنے ہاتھ سے تحریر کر کے حضرت شوقی آفندی کو تقدیم کر دیں۔ مرحوم اقبال نے یہ تجویز پسند کی اور فوراً اپنے قلم سے کتاب کی جلد پر لکھ کر کتاب شوقی آفندی کے لئے پیش کر دی۔

اس مجلس میں آپ قرۃ العین طاہرہ کے افکار و اشعار کی بیحد تعریف کرتے رہے اور یہ بھی بتایا کہ :"میں آجکل ایک کتاب لکھنے میں مشغول ہوں اور خیال ہے کہ حضرت طاہرہ کا ذکر اس میں کروں، اور ان کے کچھ اشعار اس کتاب میں درج کروں"۔

اس کتاب کا ایک نسخہ جو میں (مختیاری) نے حسب الامر مارتھا روٹ کراچی میں طبع کروایا تھا اور اس کا نام "تحفۂ طاہرہ" تھا اور میرے پاس موجود تھا، لیا اور ایک دو غزلیں جو میں نے ایرانی لحن میں ان کے سامنے پڑھیں، آپ نے پسند فرمائیں اور تعریف کی۔

خلاصہ یہ کہ باوجود اس کے کہ جناب اقبال نے بہائی کتابوں کا مطالعہ کم کیا تھا اور اغلب اوقات شعر و شاعری میں مشغول رہتے تھے پھر بھی اظہار کیا ہے کہ بہائی مخلص ہیں اور اپنے عقیدہ کو آشکارا بیان کرتے ہیں اور دیانت اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتے۔ پس خوب ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی بھی انصاف کرنے میں اس شخص محترم کی تقلید کریں۔ نیز بہائی کتابوں کا مطالعہ کریں اور انصاف سے کام لیں کیونکہ خدا کے نزدیک بہترین چیز یہی انصاف ہے۔

اسفندیار مختیاری

علامہ اقبال نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے قرۃ العین طاہرہ کا ذکر "جاوید نامہ" میں کیا جہاں آپ اسے "خاتون عجم" کا لقب دیتے ہیں۔

فلک مشتری پر آپ طاہرہ کا ذکر منصور حلاج اور غالب کے ساتھ کرتے ہیں اور ان تینوں ہستیوں کو ارواح جلیلہ کہا ہے۔ اقبال سکون و جمود کو خواہ وہ تہذیبی و فکری ہو یا دینی و فلسفی موت کے مترادف سمجھتے تھے آپ ان ارواح جلیلہ کے گرویدہ اس لئے تھے کہ یہ تینوں "گردش جاوداں" کی علامت بن گئے تھے چنانچہ آپ نے جو عجیب و غریب عنوان لکھا ہے۔ وہ اس طرح ہے۔

" ارواح جلیله حلاج و غالب و قرة العین طاہرہ که به نشیمن بہشتی نگرویدند و بگردش جاودان گرائیدند "۔

اقبال نے یہاں طاہرہ کی وہ "غزل نوائے طاہرہ" کے زیر عنوان درج کی ہے جس کا مطلع ہے :

گر بتو افتدم نظر چہرہ بچہرہ رو برو

شرح دہم غم تو را نکتہ بہ نکتہ مو بمو (۱)

اور پھر طاہرہ کا فلسفہ بیان کرتے ہیں اور ان کی شہادت کے نتائج بتاتے ہوئے۔ کہتے ہیں۔

شوق بے حد پردہ ہا را بر درد

کہنگی را از تماشا می برد(۲)

طاہرہ کے معاصر غالب دھلوی نے اسی "کہنگی" کو منظر و تماشا سے ہٹانے اور بساط نو بچھانے کی آرزو میں کہا تھا :

رفتم کہ کہنگی ز تماشا برافگنم

در بزم رنگ و بو نمطی دیگر افگنم (۳)

---

۱-جاوید نامہ، ص ۱۱۸۔ ۲-ایضاً، ص ۱۲۴۔

۳-کلیات غالب، ج ۳، ص ۲۶۷۔

# باب ششم

## رجال اقبال (ب)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] (ب) [illegible]

[illegible]

[illegible]

---

[illegible]

[illegible]

# رجال اقبال۔(ب)

اب ہم یہاں چند ایسے مشاہیر علم وادب کے سوانح دے رہے ہیں جنہوں نے امر بہائی کا مطالعہ کر رکھا تھا اور وہ امر اللہ کے محبّ تھے اور علامہ اقبال کے ساتھ بھی دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ ایسے مواقع ضرور آتے ہوں گے جب یہ حضرات اور اقبال آپس میں بہائی تعلیمات پر تبادلہ خیال کرتے ہوں گے۔ اس کی ایک مثال موسیٰ جار اللہ کی وہ گفتگو ہے جو انہوں نے ایک سوال کے ضمن میں علامہ اقبال سے کی تھی۔

## مولوی محبوب عالم (۱۸۶۲ء-۱۹۳۷ء)

گوجرانوالہ کے ایک غریب گھرانے کا یہ فرد اپنی محنت اور جدوجہد سے صحافت اور علمی میدان میں ایک بلند مقام تک پہنچا۔ منشی محبوبِ عالم کے والدین غریب تھے اس لئے اپنے اس بچے کو تعلیم نہ دلوا سکتے تھے۔ مگر محبوب عالم نے اپنے طور پر تعلیم حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ ۲۱ سال کی عمر میں اپنے چچا مولوی احمد دین کے ہمراہ گوجرانوالہ سے لاہور آگئے۔

آپ نے منشی فاضل کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا اس پر آپ کو پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے نقد انعام کے علاوہ کتابیں بھی دی گئیں۔ بچپن ہی سے والد کے انتقال کے بعد گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ مولوی محبوب عالم کو اٹھانا پڑا۔ مولوی صاحب گوجرانوالہ میں اپنے چچا کے پریس میں کام کرتے رہے۔

چنانچہ چچا نے وہی پریس کچھ عرصہ کے بعد محبوب عالم کو دے دیا۔ مولوی محبوب عالم نے گوجرانوالہ میں اخبار شائع کرنا شروع کیا۔ اخبار کی قیمت ایک پیسہ تھی اس لئے اس کا نام پیسہ مشہور ہو گیا۔

تھوڑے عرصہ بعد پریس لاہور لے آئے اور یہاں سے اخبار کی اشاعت ہوتی

رہی۔ اخبار کا دفتر انار کلی کی ایک گلی میں تھا۔ جو پیسہ اخبار گلی مشہور ہوئی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں "پیسہ اخبار" بر عظیم پاک و ہند میں بہت مقبول ہوا۔ لاہور آنے کے بعد آپ نے اشاعت کے کاموں کی طرف زیادہ توجہ دی کئی کتابیں شائع کیں۔ پیسہ اخبار کے علاوہ "انتخاب لاجواب" اور "بچوں کا اخبار" وغیرہ بھی شائع کرتے رہے۔

آپ نے علم وادب اور صحافت کے میدان میں کافی شہرت حاصل کی ہے۔ اپنے وقت کے جید انشا پرداز تھے۔ یورپ کا سیاحت نامہ "سفرنامہ یورپ" کے نام سے لکھ کر شائع کیا۔

١٩١٢ء میں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ نے اپنے ادارہ سے اسلامی انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب کا بھی انتظام کیا اور اسے شائع کیا۔ منشی محبوب عالم نے ١٩٣٧ء میں وفات پائی۔

منشی محبوب عالم ١٩٠٢ء - ١٩٠٥ء کے دوران پیسہ اخبار میں امر بہائی کے متعلق مضامین شائع کرتے رہے تھے۔ ٧ اگست ١٩٠٤ء کے اخبار میں آپ پہلے مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"...... حسن اتفاق سے جیسا کہ پیسہ اخبار میں پہلے لکھا جا چکا ہے ان دنوں میں ایک صاحب حکیم مرزا محمود ایرانی تشریف لائے ہوئے ہیں...... (١)

جب مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے جناب محمود زرقانی کے چیلنج پر خاموشی اختیار کر لی تو اس پر بہائی عالم نے پھر للکارا۔

"...... اس بندہ نے باوجود اس بات کے کہ اہل بہاء کے نزدیک ان کے خادموں میں سے ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ قادیان سے درخواست کی تھی کہ ایک مجلس مقرر کی جائے جس میں کئی بزرگ اہل علم اور محترمان صاحب انصاف ثالث اور شاہد مقرر کئے جائیں جن کے روبرو و نہایت نرمی اور ملائمت و روح و ریحان و سلامت کے ساتھ ظہور کی حقانیت کے ثبوت کے دلائل پیش ہوں۔ مرزا صاحب نے قبول نہیں کیا۔ پھر دوبارہ از سر نو لکھ رہا ہوں۔

---

١- پیسہ اخبار ٧ اگست ١٩٠٤ء حوالہ جواب لیکچر جناب قادیانی۔

کہ جب تک ہم اس حدود میں مقیم و ساکن ہیں پھر بھی جب ان کی مرضی ہو ایسی ایک مجلس تاسیس مقرر کی جائے۔ ہم سب طرح سے مقابلے کے لئے حاضر ہیں۔ اگر مرزا صاحب قادیان اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو سچائی کو ثابت کر کے دکھانا ان پر کچھ دشوار نہیں ہے۔ بلکہ نہایت مفید و سود مند ہے یا حضور اہل علم و انصاف میں حضرت بہاء اللہ کے دعویٰ کی سچائی کو ہم خود ثابت کر کے دکھلائیں گے (۱)۔

مرزا محمود زرقانی اس چیلنج کے بعد بھی چار سال یعنی مرزا غلام احمد صاحب کی سال وفات ۱۹۰۸ء تک پنجاب میں تبلیغ کرتے رہے۔ لیکن حیرت ہے کہ ان چار برسوں کے دوران مرزا قادیانی صاحب نے حضرت بہاء اللہ کے ظہور کے بارے میں نہ کبھی لب وا کئے اور نہ ہی کبھی کچھ لکھنے کی جرأت کی۔

بقول مرزا محمود زرقانی:

روزی بدست کرد اگر خاتم شہی

کی سرِّ کار ایزدی از اہرمن رسید

"پیسہ اخبار" مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۴ء کی اشاعت میں منشی محبوب عالم نے دوسری مرتبہ مضمون بعنوان "دونوں میں کون سچا ہے" شائع کیا اور اس کے ذریعے مرزا غلام احمد قادیانی کو دعوت دی اور لکھا:

"...... حسن اتفاق سے جیسا کہ پیسہ اخبار میں پہلے لکھا جاچکا ہے ان دنوں لاہور میں ایک صاحب حکیم مرزا محمود زرقانی ایران سے تشریف لائے ہوئے ہیں جو فرقہ بابیہ کے ایک مقتدر عالم اور مشنری ہیں اور چونکہ آج کل جناب مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مدعی مسیحیت و مہدویت بھی اتفاقاً یہاں (لاہور میں) رونق افروز ہیں۔ اس لئے لوگوں کو ایرانی مدعی مسیحیت و ھندوستانی مدعی مسیحیت میں حق و باطل کے فیصلہ کرنے کا اچھا موقعہ ہے۔ حکیم مرزا محمود صاحب ایرانی نے خود پہل کی ہے اور آپ نے یہ خواہش بذریعہ اخبار ظاہر کرنے پر زور دیا ہے کہ وہ حکیم مرزا محمود صاحب ایرانی، جناب میرزا صاحب سے ان کے ادعائے

---

۱- جواب لیکچر جناب قادیانی، ص ۷-۳۔

مسیحیت و مہدویت میں بحث کرنے کو آمادہ ہیں۔ حکیم صاحب موصوف چاہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب اپنی قیام گاہ یا کسی دوسرے مکان یا مسجد وغیرہ میں ایک مجلس عام منعقد فرمائیں اور اس میں اپنے مریدوں کے علاوہ عام لوگوں کو شرکت کی اجازت دیں تو میں ان کے اعتراضات کے جواب دوں گا۔ اور انکے دعاوی کی نسبت شبہات رفع کردوں گا......(۱)۔

مرزا غلام احمد کبھی مقابلے میں نہ آئے۔ انہوں نے لیکچر لاہور (پیغام احمد) میں جو بے اساس باتیں کیں ان کا جواب مرزا محمود زرقانی نے پیسہ اخبار ۱۵ نومبر ۱۹۰۴ء میں شائع کروایا تھا۔

ہم افادۂ عام کے لئے لیکچر لاہور اور اس کا جواب جو میرزا محمود زرقانی نے دیا تھا۔ یہاں دوبارہ شامل کتاب کر رہے ہیں۔

# دونوں میں کون سچّا ہے؟

خوش بود تا محك تجربه آید بمیان

تا سیه روئی شود هر که دروغش باشد

(حافظ)

"......ایران میں بھی جو فرقہ بابیہ قریباً ۴/۳ صدی سے پیدا ہوا ہے اس نے اپنے بانی مدعی مہدویت محمد علی (علی محمد) عرف "باب" کے نام میں اتنی ترقی نہیں کی جتنی کہ ان کے جانشین شاہ بہاء اللہ کے عہد میں اسے نصیب ہوئی شاہ بہاء اللہ مسیحیت کے مدعی تھے۔ اور اپنی فصاحت و بلاغت سے مردہ دلوں کو زندہ کرتے تھے ان مقولہ تھا کہ :

اعجاز جان وہی ہے ہمارے کلام کو زندہ کیا ہے ہم نے مسیحا کے نام کو

سننے میں آیا ہے کہ بڑے بڑے سنگدل ان کی تقریر کی تاب نہ لا سکتے تھے اور ہر مجلس میں سینکڑوں آدمی یک لخت ان کے مسیح اور لقائے رب ہونے کی گواہی دیتے تھے۔ انہوں نے مسیح کی نسبت بزرگ سے فرقۂ بابیہ میں جان ڈال دی اور لوگوں کو ایسا قوی الاعتقاد

---

۱- جواب لیکچر جناب قادیانی، ص ۱۶-۱۲۔

بتایا کہ سلطنت کی مخالفت وکشت وخون کے باوجود وہ اپنے عقیدہ سے نہ پھرے اور اسے دین حق کہتے رہے حتی کہ اس وقت ایران، ترکستان، ایشیائے کوچک اور روس وغیرہ بلاد عالم میں کئی لاکھ بابی موجود ہیں۔ ان لوگوں نے ہر قسم کے شدائد وعقاب کا مقابلہ بڑی مردانگی سے کیا اور ہر موقع پر ثابت قدمی کا سخت سے سخت امتحان دیا۔ اس لئے اگر وہ اپنے مقتداشاہ بہاء اللہ کو سچا مثیل مسیح کہیں اور کسی ایسے شخص کا دعویٰ اس کے مقابلہ میں جھوٹا سمجھیں جس نے یہ کرشمے نہ دکھائے ہوں تو کس قدر حق بجانب کہے جاسکتے ہیں۔ فرقہ بابیہ کے لاکھوں مرید ایران میں زبان حال سے باآواز بلند جناب میرزا غلام احمد صاحب قادیان کی طرف مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں :

اشارہ اس نگہ کا روح افزا ہو نہیں سکتا
کہ جادوگر سے اعجاز مسیحا ہو نہیں سکتا

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جناب میرزا صاحب اور ان کے مریدان بااخلاص کو آزمائش کے وہ صعب وخطرناک مواقع پیش ہی نہیں آئے جو باب والوں کو آچکے ہیں اور فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے بھی وہ بات پیدا نہیں ہوئی جو ان کے ہاں سنی جاتی ہے۔ پس ضرور ہے کہ انہیں جناب میرزا صاحب کے دعاوی صداقت پر کلام ہو۔

حسن اتفاق سے جیسا کہ "پیسہ اخبار" میں پہلے لکھا جاچکا ہے ان دنوں لاہور میں ایک صاحب حکیم میرزا محمود زرقانی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ جو فرقہ بابیہ کے ایک مقتدر عالم اور مشنری ہیں۔ آپ نے اسی غرض سے سفر دور دراز کی صعوبت اور صَرف گوارا کیا ہے کہ ہندوستان میں اپنے عقاید کو رواج دیں۔ قبل ازیں وہ جملہ ادیان کے پیروں کو بحث کا صلائے عام دے چکے ہیں۔ اور چونکہ آج کل جناب میرزا غلام احمد قادیانی صاحب مدعی مسیحیت ومہدویت بھی اتفاقاً یہاں (لاہور میں) رونق افروز ہیں۔ اس لئے لوگوں کو ایرانی مدعی مسیحیت وہندوستانی مدعی مسیحیت میں حق وباطل کے فیصلہ کرنے کا اچھا موقعہ ہے حکیم میرزا محمود صاحب ایرانی نے خود پہل کی ہے اور آپ نے یہ خواہش بذریعہ اخبار ظاہر کرنے پر زور دیا ہے کہ وہ حکیم میرزا محمود صاحب ایرانی، جناب میرزا صاحب سے ان کے ادعائے مسیحیت ومہدویت میں بحث کرنے کو آمادہ ہیں حکیم صاحب موصوف چاہتے ہیں کہ میرزا غلام احمد صاحب اپنی قیام گاہ یا کسی دوسرے مکان یا مسجد وغیرہ میں ایک مجلس عام منعقد

فرمائیں اور اس میں اپنے مریدوں کے علاوہ عام لوگوں کو شرکت کی اجازت دیں۔ تو میں ان کے اعتراضات کے جواب دونگا۔ اور ان کے دعاوی کی نسبت شبہات رفع کرونگا۔ یہ نہیں تو ایک ایسی مجلس خاص مقرر کریں جس میں طرفین کے علاوہ چند غیر اصحاب بھی بطور حکم بلائے جائیں اور وہ جانبین کے دلائل سنیں یہ درخواست سراسر معقول ہے۔ اس ۔ ائے مں اسے "پیسہ اخبار" میں درج کر کے متواقع ہوں کہ جناب میرزا صاحب بھی اسے منظور فرمائیں گے۔ اور خواہ دفتر اخبار ہذا کی معرفت یا براہ راست حکیم میرزا محمود صاحب سے گفتگو کا وقت مقرر کریں گے۔ حکیم صاحب موصوف نے "پیسہ اخبار" کے لئے فرقہ بہائیہ کے جو مختصر حالات و عقائد فارسی مضمون میں شائع کئے ہیں۔ وہ کسی دوسری جگہ درج کئے جاتے ہیں۔ اور ایک جامع آرٹیکل اسی معاملہ پر علیگڑھ انسٹیٹیوٹ سے لیا جاتا ہے اور آخر میں پھر جناب میرزا صاحب کو یاد دلاتا ہوں : بازار حسن میں چل یوسف کا سامنا کر

کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائیگا چلن میں (۱)

(آتش)

---

اس دعوت کے جواب میں جناب میرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنی کتاب (لیکچر لاہور) المعروف بہ پیغام احمد کے ٹائیٹل صفحہ ۹ پر جو جواب شائع کیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

آج پرچہ "پیسہ اخبار" ۲۷ اگست ۱۹۰۴ء کے پڑھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ حکیم میرزا محمود نام ایرانی لاہور میں فروکش ہیں۔ وہ بھی ایک مسیحیت کے مدعی کے حامی ہیں دعویٰ کرتے ہیں اور مجھ سے مقابلہ کے خواہشمند ہیں۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے اس قدر شدت کی کم فرصتی ہے کہ میں ان کی درخواست کو قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کل ہفتہ کے روز جلسہ کا دن ہے۔ جس میں میری مصروفیت ہو گی اور اتوار کے دن علی الصباح مجھے گورداسپور میں ایک مقدمہ کیلئے جانا' جو عدالت میں دائر ہے ضروری ہے۔ میں قریباً بارہ دن سے لاہور میں مقیم ہوں۔ اس مدت میں کسی نے مجھے ایسی درخواست نہیں کی۔ اب جبکہ میں جانے کو

---

۱- پیسہ اخبار ۱۷ اگست ۱۹۰۴ء۔

ہوں اور ایک منٹ بھی مجھے کسی اور کام کیلئے فرصت نہیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس بیوقت کی درخواست سے کیا مطلب اور کیا غرض ہے۔ لیکن تاہم میں حکیم میرزا محمود صاحب کو تصفیہ کے لئے ایک اور صاف راہ بتلاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کل ۳ ستمبر کو جو جلسہ میں میرا مضمون پڑھا جائے گا۔ وہ مضمون ایڈیٹر صاحب "پیسہ اخبار" اپنے پرچہ میں تمام و کمال شائع کردیں۔ حکیم صاحب موصوف سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس مضمون کے مقابلہ میں اسی اخبار میں اپنا مضمون شائع کرادیں اور پھر خود پبلک ان دونوں مضمونوں کو پڑھ کر فیصلہ کرلے گی کہ کس شخص کا مضمون راستی پر اور سچائی اور دلائل قویہ پر مبنی ہے اور کس شخص کا مضمون اس مرتبہ سے گرا ہوا ہے۔ میری دانست میں یہ طریق فیصلہ ان بد نتائج سے بہت محفوظ ہوگا جو آج کل زیادہ مباحث سے متوقع ہے۔ مگر چونکہ اس طرز میں روئے کلام حکیم صاحب کی طرف نہیں اور نہ ان کی نسبت کوئی تذکرہ ہے۔ اس لئے ایسا مضمون ان رنجشوں سے بھی برتر ہوگا جو باہم مباحثات سے کبھی کبھی پیش آجایا کرتے ہیں۔ والسلام

الراقم میرزا غلام احمد قادیانی (۱)

## جواب لیکچر قادیانی

جیسا کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے مظاہر الٰہی (پیغمبروں) کے ماننے اور ان پر ایمان لانے کے لئے عام خلق اللہ کے ہر ایک عامی و عالم کو یکساں مکلّف فرمایا اور حکم کیا ہے، اسی طرح بمقتضائے عدل حق کو باطل سے پرکھنے اور سچ کو جھوٹ سے تمیز دینے کے لئے بھی ان میں سمجھ اور درایت یکساں ودیعت کی ہے۔ مگر ازانجا کہ حقیقت اور فطری جوہریت نوع بشر کے خیالات نفسانی اور توہّمات تقلید کی اوٹ میں چھپی رہ گئی ہے۔ لہذا یاد آوری کیلئے مکرر ذکر و بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ورنہ اہل بصیرت و وجدان اصحاب درایت و عرفان ایک ہی نظر میں حق کو باطل سے اور سچے مدّعی کو جھوٹے سے پرکھ لیا کرتے ہیں۔ کیونکہ مظاہر حقہ الٰہیّہ کی جامعیت خود ان کی سچائی کی بابت حجّتِ کاملہ سمجھی جاتی ہے۔ اور ان کی یہ جامعیت خاص ایسی صفات اور شئون میں ہوا کرتی ہے کہ بجز سچے پیمبروں کے کوئی جھوٹا

---

۱۔ لیکچر لاہور (پیغام احمد)۔

مدعی ان صفات جامعہ اور شئون کاملہ کو ہر گز ظاہر نہیں کر سکتا۔ منجملہ ان صفتوں اور شانوں کے جو حضرت مہدی موعود کے لئے اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہونے والے سب بزرگوں کے واسطے مقرر ہیں۔

پہلی یہ صفت ہے کہ وہ اپنی نسبت خدا سے دیں اور منجانب اللہ بھیجے جانے کا ادعا پیش کریں۔ اور خدا کی طرف سے بھیجے جانے کے ادعا میں یہ شرط لازم ہے کہ جب وہ اپنی نسبت خدائے واحد مطلق قدیم سے دیں تو اگلے پیغمبروں کی آسمانی کتابوں کی حقانیت اور سچائی کو بھی مانیں اور ثابت کر دکھائیں اور اپنے ظاہر ہونے کے مقام اور ٹھکانے کو بھی ان گذشتہ آسمانی کتابوں سے ثبوت پہنچائیں اور بجز سایۂ ذات خدائے واحد مطلق کسی گزشتہ مظہر اور پیغامبر کے سایہ یعنی امت میں خود کو شمار نہ کریں۔ اور ایسی شریعت کی کتاب اپنے ہمراہ لائیں جس کی عام اہل زمانہ کو نہایت ضرورت ہو۔ جس کو باصطلاح دینی کتاب آسمانی، ظہور مستقل، صاحب شریعت کہتے ہیں۔ چونکہ مطلب کو مختصر طور پر بیان کرنا منظور ہے لہذا حضرت مہدی اور مسیح موعود کے زمانہ اور مکان کے ثبوت پہنچانے کے بابت قرآن شریف کی چند آیات اور احادیث صحیحہ نبویہ کے ذکر و تحریر کرنے میں کفایت کی جاتی ہے۔ سورہ سجدہ پارہ ۲۱ رکوع ۴: **یدبّرا الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنة ممّا تعدّون** ان کلمات مبارکہ کے تفسیر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ظاہر و واضح و معلوم ہے کہ "امر" سے مراد اپنی اصطلاح میں خدا کا سچا دین۔ اور سچی شریعت(۱) ہے۔ جو اس نبی کریم پر آسمان الٰہی سے اترتی یا اتری ہے۔ اور اس دین متین کی تدبیر و تاسیس اور جمنے اور قائم ہونے کی مدت آنحضرتؐ کی بعثت کی ابتدا سے دوسری اور تیسری صدی کے درمیانی حصہ تک تھی اور ہماری ظاہری گنتی کے ایک ہزار برس جو خدا کے پاس ایک دن شمار کیا جاتا ہے۔ جب گذر چکے تو اس "امر اللہ" اور دین الٰہی کی حقیقت بارادہ خدائے قادر مختار لم یزل لوگوں میں سے اٹھا دی گئی جس کے اٹھا دینے سے الفت اور وفا کی نورانیت، جفا اور مخالفت کی ظلمت و تاریکی سے تبدیل پا گئی۔ بنابر ان خدائے تعالیٰ کا

---

۱- خطبہ الہامیہ، ص ۱۲ لیکچر لاہور ص ۳۸۔

وعدہ پورا ہو گیا اور امت دین اسلام کی مدت بسر آنے پر آخری زمانہ میں وہ ہیکل موعود ایسے مقام اور ٹھکانے میں ظاہر ہوا۔ جس کی خبر سب آسمانی کتابوں میں مذکور ہے خصوصاً اس آیۂ مبارک میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

سورۂ ق پارہ ۲۶ رکوع ۱۷ یوم ینادی المناد من مکان قریب یوم یسمعون الصیحة بالحق ذالك یوم الخروج "مکان قریب" کو بالاتفاق سب مفسرین نے مسجد اقصیٰ کے گرد ونواح کی پاک سرزمینوں سے مراد لی ہے۔ اور انہی پاک سرزمینوں میں حضرت بہاء اللہ کا ظہور اور مقام و قرار گاہ مقرر ہوا ہے کہ وہ اسلامی بادشاہتوں کے حکم سے اس ارض مقدس میں ان کو قید و نظر بند کر رکھا ہے۔ پھر اس سرزمین مسجد اقصیٰ کے چوگرد مقامات کے مبارک اور مقدس ہونے کی نسبت (یعنی عکا اور حیفا کے مبارک اور مقدس ہونے کی بابت جو قدم گاہ جمال مبارک بہاء اللہ ہے)۔ حق جل شانہ نے دوسری آیت میں فرمایا۔ سبحان الذی اسری بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ ، بخاری شریف میں فتنہ مشرق سرزمین کی بابت اکثر ذکر و بیان ہوا ہے اور سب دینی اور تاریخی کتابوں کی اصطلاح "ایران" ہی کی سرزمین کو مشرق کہتے ہیں۔ جو حضرت مہدی موعود کے ظہور فرمانے کا مقام ہے۔ اگرچہ ابتدائے اسلام سے آج تک ہر روز ہمیشہ سے دینی اور مذہبی فساد ایران میں ہوتا چلا آیا ہے لیکن ان احادیث مؤکدہ کی پوری صداقت اور سچی حقیقت فقط امروز اس آخر زمانہ میں ظاہر ہوئی ہے۔ ایران کے شیعہ مذہب والوں نے بے رحمی کے ساتھ بابیوں کو بکریوں کی طرح قتل کیا اور آٹھ پہر دن رات میں ان کا گلا کاٹے بغیر کوئی پہر گزرنے نہیں پایا۔ خدا گواہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے آج کے دن تک اس طرح فتنہ اور فساد مشرق زمین ایران میں ہرگز ظاہر نہیں ہوئے۔ اور جیسا کہ احادیث نبوی میں بھی اس بات کا ذکر ہوا ہے۔ جب حق کے ظہور فرمانے کا زمانہ نزدیک ہوا تو ہندوستان اور دوسرے ملک اور اقلیموں میں بہت سے جھوٹے مدعی اس امید سے کھڑے ہوئے اور اس گھمنڈ میں اترانے لگے۔ مگر وقت ظہور کے ثابت کرنے میں اور اُن سچے مظاہر الٰہی کی شانوں میں سے کسی شان یا صفت و شئون کاملہ میں جامع ہونا خدا کی تائید اور مدد کے بغیر ناممکن ہے۔

گیرم که مار چو به کند تن بشکل مار

کو زہر بہر دشمن و کو مہرہ بہریار

ازالجملہ حقیقت اور سچائی کے شئون اور صفات میں سے سخت بلاؤں اور مصیبتوں کا متحمل ہونا ہے جن کا ذکر بصریح آیات قرآن میں مکرر مذکور ہے (سورۂ مومن پارہ ۲۴ رکوع اوّل) قولہٖ تعالیٰ و همّت کل اُمّة برسولهم لیاخذوه و جادلوا بالباطل لید حضوا به الحق۔ (ترجمہ) اور ہر ایک امت نے اپنے رسول کو پکڑنے کی کوشش کی اور دین حق کو پائمال کرنے اور مٹانے کے لئے جھوٹی باتوں کے ساتھ ان سے جھگڑا کیا۔ نیز دوسری آیہ میں فرماتا ہے۔

سورۂ بقرہ پارہ اوّل رکوع ۱۱ :افکلما جاء کم رسول بمالا تهویٰ انفسکم استکبر تم ففریقا کذبتم و فریقاً تقتلون۔ ترجمہ : ہر چند جب آیا کوئی رسول ایسا حکم لے کر تمہارے پاس جس کو تمہاراجی نہیں چاہتا تھا۔ تم نے سرکشی کی پس بعضوں کو جھٹلایا اور بعضوں کو مار ڈالا باوجود اس بات کے کہ خداوند علی اعلیٰ جل ذکرہ الاعلیٰ ہمیشہ سے قادر و توانا تھا اور ہمیشہ ہے اور رہے گا اور اپنی اس قدرت و توانائی صرفہ کی رو سے اپنے مظاہر مقدسہ اور سب نبیوں کو پوریٰ دینوی سلطنت اور ثروت اور ظاہری زور و قوت کے ساتھ بھیج سکتا تھا۔ تا کہ ان طلعات نورانیہ (پیغمبروں) کو کوئی بشر تکلیف نہ دے سکے اور کسی کو قتل نہ کر سکے نیز کسی کو شہر بدر نہ کر سکے۔ مگر اس قادر و حکیم علی الاطلاق نے اپنے قدرتی احاطہ اور توانائی کے پورے غلبہ کے ہونے پر بھی اپنی حکمتوں کی رو سے اپنے پیغمبروں کو نہایت مظلومیت اور ظاہراً پوری ذلت کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کی باطنی توانائی اور تائیدات غیبی ثابت ہو جائے کہ ایسی بے امنی اور اتنی بیشمار مشقتوں و ذلتوں و اذیتوں اور قید بندی اور قتل کی شدت و کثرت ہونے پر بھی روز افزوں ان کے ارادے کُل اہل عالم پر غالب ہوتے جائیں اور ان کے حکم و احکام سب پر نافذ و کارگر ہوتے رہیں۔ کیونکہ اگر وہ پیغامبر ظاہری قدرت و سلطنت اور ابہت و شوکت اور دنیوی دولت و ثروت کے ساتھ بھیجے جاتے اور ان اسباب کے وسیلہ سے دین خدائی کو تاسیس کرتے اور پھیلاتے تو ان کے ایسے ترویج و تاسیس کرنے کو تمام لوگ دنیوی قدرت اور توانائی کی طرف نسبت دیتے ۔ تائیدات ملکوتی اور آسمانی مدد ہرگز

نہ کہتے اور ان کی کامیابی اور نفوذ امر کو جسمانی شانوں اور صفتوں کے حساب میں شمار کرتے کمالات روحانی اور امداد غیبی ہر گز نہ سمجھتے۔ اس واسطے سلطان علی لاطلاق جل شانہ' نے اپنے کرم اور عنایت سے آفتابوں کے نکلنے اور طلوع کرنے کے مقدس ٹھکانوں (یعنی اپنے برگزیدہ پیغمبروں) کو ظاہری اسباب کے بغیر فقط اپنے باطنی علم اور توانائی وقدرت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ تا اہل انصاف سمجھ لیں کہ ایک اکیلے شخص فریدو وحید بے یار و مددگار کے تمام دنیا کے لوگوں کے مقابلہ میں کھڑا رہنا اور ایسی جامع اور کامل صفات اور شانوں کا اس کے ذریعہ سے ثابت و ظاہر ہونا اور خدائے تعالیٰ کے ذاتی مقاصد اور ارادوں کو اہل عالم کی مرضی اور خواہش کے بر خلاف جاری فرمانا بجز تائید شدید القوی اور خدائی امداد اور ملکوت الہٰی کی نصرت و یاری کے ممکن نہیں ہے۔

جناب میرزا صاحب قادیانی نے اپنے لیکچر اور دوسری تحریرات میں لکھا ہے کہ ہزاروں دشمنوں نے مجھ کو صدمہ پہنچانے کا خیال کیا اور بارہا تکلیف واذیت دینا چاہا مگر ہنوز کچھ بھی نہیں کر سکے یہ دلیل ہے کہ خدا میری نصرت اور مدد کرتا ہے۔

جواب : یہ ہے کہ جب میرزا صاحب کو ادعا کرتے ہوئے کچھ بہت سے سال نہیں گزرے ہیں اور قید کی سختی اور شکنجہ کے فشار اور زجر و توبیخ اور گرفتاری واسیری اور بلا پابندی کسی قانون کی بیجا ضرر رسانی کوئی اب تک انہوں نے نہیں دیکھی ہے اور شہر بدر نہیں کئے گئے اور ظلم واذیت کے صدمے ہنوز انہوں نے نہیں دیکھے ہیں (۱) تو اس حالت میں کیا ایسی مدت اُن کے ادعا کے دوام کے لئے دلیل ہو سکتی ہے؟ یا ایسے امنیت کے ملک و مملکت میں ان کے دلی مقاصد اور ارادوں کا اظہار و انتشار بھی کہیں حجت ہو سکتا ہے؟ (یعنی گریٹ برٹن کی عدالت والی آزادانہ سلطنت کی حمایت میں نڈر ہو کر من مانی سب کچھ کر سکتے ہیں)۔

یا اینکہ حضرت بہاء اللہ کے ادعا کی مدت کا دوام اُن کی حقانیت پر سند و حجت ہو سکتا ہے۔ جن کے امر کی ابتداء سے آج تک تقریباً ستر سال کا عرصہ گزرتا ہے اور حق تعالیٰ

---

۱- باوجود اس کے توبہ نامہ داخل عدالت کر دیا۔

روز افزوں ان کی امداد کرتا چلا آیا ہے۔ اور اپنے مقاصد اور ارادوں کو اُن کے ذریعہ ممالک دنیا میں ہر طرف پھیلاتا جاتا ہے۔ باوجود اس بات کے چالیس سال سے بڑھ کر انہوں نے یہ ادعا قید و بند اور زجر و سختی اور شہر بدر کئے جانے کی تکلیفوں کی حالت میں ظاہر کیا ہے۔ اور ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے بھی ہر روز نئی امداد اور بے نہایت نصرت خدا کی جانب سے ان کو پے در پے پہنچتی چلی آتی ہے ۔ پس اس صورت میں آیا حق جل شانہ نے حضرت بہاء اللہ کی حد سے بڑھ کر زیادہ تائید کی ہے اور تمام عالم کے جھوٹے مدعیوں کے مقابلہ میں ان کو سب کا دفع کرنے والا اور سب سے بڑا مدعی بنا کر کھڑا کیا ہے۔ یا مرزا صاحب قادیان کو؟ کیوں غور نہیں فرماتے مالکم لا تتفکرون۔

علاوہ براین مرزا صاحب قادیانی کا بڑا دعویٰ یہ ہے کہ میں مصلح امت محمدی ہوں اور الحمد للہ مسلمان محمدی ہوں اور حنفی المذہب ہوں۔ آپ یعنی مرزا صاحب بالاستقلال منجانب اللہ ہونے کے ہرگز مدعی نہیں ہیں۔ اور ایسی کوئی کتاب احکام اور شریعت مستقل کہ جس سے کل اہل عالم کی ضرورت رفع ہو جائے۔ منجانب اللہ (شریعت) لانے کا دعویٰ بھی وہ نہیں رکھتے ہیں۔ دین اسلام کی ٹٹی کی آڑ میں بیٹھ کر شکار کھیلنا۔ مسلمانوں کی جمعیت میں بہتر کے تہتر یا تہتر کے چوہتر فرقے بنانا کچھ بڑی بات اور نیا کام نہیں ہے۔ صدر اسلام سے آج تک یہ حال اسی منوال پر چلا آتا ہے کوئی مثیل مسیح ہونے کا قائل ہے اور کوئی مثیل ابراہیم بننے کا ناطق ہے۔ کوئی کہتا ہے میں مثیل محمدؐ ہوں۔ کوئی کہتا ہے میں مثیل خدائے واحد ہوں کوئی حلولی ہے کوئی اتحادی ہے۔ کوئی وجودی ہے، کوئی شہودی ہے۔ کوئی قشیری ہے کوئی معتزلی ہے۔ ایسے زمزمہ اور لاف و گزاف بہت سے کر گئے اور جمعیت اسلام میں تفرقہ ڈال کر بنیاد دین توحید کو خراب و منہدم کر گئے۔ اور مٹا گئے اِنّی علی قدم موسیٰ و غیر ذالک کو آج قادیان کے مرزا صاحب مشابہت و مثلیت سے تعبیر فرما رہے ہیں۔ اور شریعت دین اسلام کی راہِ راست سے لوگوں کو بھکا رہے ہیں ۔ حالانکہ کسی پیغمبر کے نام اور شریعت کے سایہ میں بس بسا کر ایک نیا طریقہ اور مذہب ایجاد کرنا نہایت ہی آسان ہے۔ اور یہ دعویٰ ہرگز مظہریت مطلقہ اور بعثت مستقلہ یا نئے بانی اور شارع اور مدعی حق کا نہیں ہے۔ آپ کی مہدویت و عیسویت کا ادعا محض فضول ہے۔ غیر مہدوی' اور سوڈانی اور مجددی وغیرھم

اس طرح کے دعوے کرنے والے اسلام کے لباس اور پیرایہ میں بہت سے آچکے ہیں اور مٹ مٹا کر نابود ہو گئے ہیں۔نعوذ باللّٰہ من مکر الماکرین و فساد الظالمین و شر المسرفین الذی تفرقوا فی دینھم و اتخذوا کتاب اللہ لھواً و لعباً فھم دجاجلۃ القوم و یھود امۃ محمدؐ کما دل بذالک السنن والاثارعن النبی المختار و کلام اللہ الملک الواحد القھار (۱).

---

۱۔پیسہ اخبار ۱۵ نومبر ۱۹۰۴ء۔بحوالہ "جواب لیکچر جناب قادیانی"، دھلی ۱۹۴۶ء۔

## سر شیخ عبدالقادر (۱۹۵۰ء-۱۸۷۲ء)

سر شیخ عبدالقادر نے قوم کو ذہنی غلامی سے نجات دلائی اور خود اعتمادی کے جذبے سے آشنا کیا۔ وہ ۱۸۷۲ء میں لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۳ء میں نارمن کرسچن کالج لاہور سے بی اے کیا اُس کے کچھ عرصہ بعد بازار حکیماں میں حکیم امین الدین کی قیام گاہ پر اقبال سے ان کی ملاقات ہوئی اور پھر مراسم بتدریج گہرے ہوتے چلے گئے۔ سر عبدالقادر نے ۱۸۹۵ء میں ایک انگریزی جریدے آبزرور' میں ملازمت اختیار کی اور اس کے اسسٹنٹ ایڈیٹر کے فرائض انجام دینے لگے۔ اسی ملازمت کے دوران اُن کو اُردو کی ترقی کے لئے رسالہ "مخزن" کے اجراء کا خیال آیا۔ انہوں نے اس سلسلے میں ہندوستان کے تمام نامور اور ممتاز ادیبوں اور شاعروں سے خط و کتابت کی۔ ساتھ ہی اقبال سے وعدہ لیا کہ وہ اس رسالے کے حصہ نظم کے لئے جدید رنگ کی نظمیں دیا کریں گے۔ سر عبدالقادر کا بیان ہے کہ :

"پہلا رسالہ شائع ہونے کو تھا کہ میں ان کے پاس گیا اور میں نے کوئی نظم مانگی' انہوں نے کہا ابھی کوئی نظم تیار نہیں۔ میں نے کہا "ہمالہ" والی نظم دے دیجئے اور دوسرے مہینے کے لئے کوئی اور لکھئے انہوں نے اس نظم کے دینے میں تامل کیا۔ کیونکہ انہیں خیال تھا کہ اس میں کچھ خامیاں ہیں۔ مگر میں وہ نظم دیکھ چکا تھا کہ وہ نظم بہت مقبول ہوئی ہے۔ اس لئے میں نے زبردستی وہ نظم لے لی۔ اور "مخزن" کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں جو اپریل ۱۹۰۱ء میں نکلی شائع کر دی۔ یہاں سے گویا اقبال کی اُردو شاعری کا پبلک طور پر آغاز ہوا۔"(۱)

سر عبدالقادر ۱۹۰۴ء میں بیرسٹری کے لئے یورپ گئے' انہوں نے وہاں سے اقبال کو بھی ترغیب دی کہ وہ بھی اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ آجائیں چنانچہ اقبال نے ۱۹۰۵ء میں یورپ کا سفر کیا۔ سر عبدالقادر جب تک یورپ میں رہے اُن کی اکثر ملاقاتیں ہوتی رہیں ان ملاقاتوں کے سلسلے میں سر عبدالقادر کا کہنا ہے۔

"ہر دو سال میرے اور اقبال کے انگلستان میں مشترک گزرے وہ بہت دلچسپ تھے گو وہ کیمبرج میں رہے۔ اور میں لندن میں تھا۔ مگر ان سے ملنے کے لئے بہت سے موقع ملتے

---

۱- مقدمہ بانگ درا۔

رہے۔ جب اقبال لندن آئے تو بیر سٹری کے لیکچروں یا کھانوں کے لئے ہم مل جایا کرتے تھے۔ بعض علمی مجالس میں بھی اکٹھے شریک ہوتے تھے میں جب آخری مرتبہ کیمرج گیا تو میرے ایک دوست نے میری چائے کی دعوت کی۔ ہم سب دریائے کیم کے کنارے جس سے کیمبرج کا نام بنا ہے۔ سیر کیلئے گئے۔ ایک خاتون کے پاس کیمرہ تھا۔ وہ ہماری تصویریں لینے لگی۔ مجمع کیمرے کے سامنے ترتیب پارہا تھا کہ روشنی نے دھوکا دیا۔ اور آفتاب نے بادل کا نقاب منہ پر ڈال دیا۔ یوں تو دھوپ چھاؤں بدلتے رہتے ہیں لیکن مشرقی ملکوں میں تو پھر بھی برسات کے سوا ان کا کچھ ٹھکانہ ہوتا ہے۔ مگر انگلستان میں آفتاب اکثر نایاب ہوتا ہے۔ کسی دن صبح کو شکل دکھاتا ہے تو شام کو ندارد اور کسی دن شام کو ذرا سی جھلک دکھاتا ہے تو صبح کو غائب جس دن پورا وقت حاضر ہے وہ گویا جشن کا دن ہے۔ آفتاب کو منہ چھپاتے دیکھ کر اقبال نے فی البدیہہ مصرعے موزوں کئے۔

ماہ رُوئی بر لب جو می کشد تصویر ما

منتظر باشیم ما تا آفتاب آید برون

یہ مجھے یاد نہیں کہ آفتاب پھر نکلا اور خاتون تصویر کھینچ سکی یا نہیں مجھے اپنے پروگرام کے مطابق اقبال سے ایک سال پہلے انگلستان چھوڑنا پڑا۔ وہ میرے بعد آئے"۔ ۱

سر عبدالقادر نے لندن سے واپس آنے کے بعد دہلی میں وکالت شروع کی۔ ۱۹۰۱ء میں دہلی سے لاہور چلے آئے۔ ۱۹۱۱ء میں سرکاری وکیل ہو کر لائل پور میں سکونت اختیار کی۔ آٹھ سال کا طویل عرصہ وہاں گزارنے کے بعد ۱۹۲۱ء میں لاہور ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ اسی زمانے میں اقبال نے اپنا پہلا اُردو مجموعۂ کلام "بانگ درا" مرتب کیا۔ جب یہ مرتب ہوا تو سوال پیدا ہوا کہ اس کا دیباچہ لکھا جائے بعض نے اس کی حمایت کی اور بعض نے مخالفت' بالآخر دیباچہ کے حق میں فیصلہ ہوا۔ ساتھ ہی اس پر غور کیا گیا کہ دیباچہ کون لکھے گا۔ لوگوں نے کہا کہ دیباچہ نویسی کے اصل مستحق عبدالرحمٰن بجنوری تھے۔ مگر افسوس کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اقبال نے جواب میں بتایا کہ اگر بجنوری زندہ بھی ہوتے تو میں ان کو دیباچہ نویسی کی تکلیف نہ دیتا۔ دیباچہ لکھنے کا زیادہ حق سر عبدالقادر کو ہے۔ اور وہی لکھیں گے۔ چنانچہ "بانگ درا" کا دیباچہ انہوں نے ہی لکھا۔

سر عبدالقادر ۱۹۲۲ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے صدر منتخب ہوئے اس کے دو سال بعد ان کو وزیر تعلیم مقرر کیا گیا۔ ۱۹۲۴ء میں انہوں نے جنیوا میں ہندوستان کی نمایندگی کی۔ ساتھ ہی ان کو مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کا صدر بنایا گیا۔ ۱۹۳۰ء میں لاہور ہائی کورٹ کے ایڈیشنل جج ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں لندن جا کر رہائش اختیار کرلی۔ جب وہ ۱۹۳۷ء میں چند ماہ کی رخصت لے کر لاہور آئے تو اقبال سے بھی ملے ان کا بیان ہے کہ :

''ایک دن گیا تو اقبال علیل تھے۔ ان کے پاس چند نوجوان طلبہ اور دو ایک دوست بیٹھے تھے۔ لیٹے لیٹے مجھے گلے لگایا اور دیر تک باتیں کرتے رہے اس کے چند روز بعد صحت کچھ بہتر ہوئی تو مجھے دوپہر کے کھانے پر بلایا اور میرے ساتھ کھانا کھایا۔''

یہ سر عبدالقادر کی اقبال سے آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد وہ لندن چلے گئے۔ لندن ہی میں ان کو اقبال کے انتقال کی اطلاع ملی۔ وہ تعزیت کے لئے آنا چاہتے تھے لیکن حالات نے اس کا موقع نہیں دیا۔ ۱۹۴۲ء میں ریاست بہاولپور نے ان کی خدمات حاصل کیں اور ان کو ہائی کورٹ بہاولپور کا چیف جج مقرر کیا۔ انہوں نے ۱۹۴۵ء میں اس سے سبکدوشی حاصل کی اور لاہور میں مستقل طور پر رہنے لگے۔ یہیں پر قیام پاکستان کے تین سال بعد، ۹ فروری ۱۹۵۰ء کو انتقال کیا۔ ان کی تصانیف میں ''مقام خلافت'' اور ''ادبیات اردو کا احیائے جدید'' قابل ذکر ہیں(۱)۔

سر شیخ عبدالقادر نے امر بہائی کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ ان سے بہائی مبلغین بھی ملتے رہے ہیں جن میں مرزا محمود زرقانی، پروفیسر پریتم سنگھ، مارتھا روٹ اور سید محفوظ الحق علمی قابل ذکر ہیں۔ شیخ صاحب اپنے مجلہ ''مخزن'' میں امر بہائی سے متعلق مضامین شائع کرتے رہے ہیں ہم یہاں ان کے دو مضامین درج کرتے ہیں جو ''مخزن'' سے ہی نقل کئے جاتے ہیں۔

---

۱۔ رجال اقبال۔

## فرقۂ بہائیہ کے داعی

فرقۂ بہائیہ اور اس کے موجودہ پیشوا عبد البہا عباس آفندی کے حال کو جن لوگوں نے دلچسپی سے پڑھا ہوگا۔ انہیں یقیناً اس امر کے دریافت کرنے کا شوق ہوگا کہ اس فرقہ کے معتقد اپنے عقائد کی اشاعت کے لیے کن وسائل سے کام لے رہے ہیں۔ اور جو شہرت اس مذہب نے مختلف ممالک میں پیدا کی ہے وہ اسے کیونکر میسر ہوئی ہے۔ دنیا میں کہیں کسی کو اپنے مقصد میں عام اس سے کہ وہ مقصد دینی ہو یا دنیوی کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوتی جب تک وہ اپنے آپ کو اُس مقصد کی خاطر قربان نہ کردے۔ جب سے اس مذہب کا آغاز ہوا ہے۔ اس وقت سے بہت سے لوگوں نے اپنی جانیں اس پر نثار کیں، بہت سے فدائیوں نے اس کی خاطر قید کی مصیبتیں جھیلیں اور بہت سے جلاوطن ہوئے۔ مگر ان سب تکالیف کو اُس دھن کے مقابلے میں جو انہیں دل سے لگ رہی تھی انہوں نے کچھ نہ سمجھا۔ اب گو وہ خطرات جو اوائل میں انہیں درپیش تھے کم ہو گئے اور اس جماعت کے سرکردہ اپنی جائے پناہ عکا میں نسبتاً امن و آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تاہم اُس کام سے جو انہوں نے اپنے ذمہ لیا ہے غافل نہیں ہیں دنیا کے ہر گوشے کی تسخیر کی فکر میں ہیں۔ اور اپنے داعی اور مشنری جابجا روانہ کرتے رہتے ہیں۔ امریکہ میں جو عقیدت منداس فرقہ کو ملے ہیں وہ بھی ان ہی مشنریوں کی بدولت ملے ہیں۔ اور اب اُن امریکائی بہائیوں میں سے بعض دعوت مذہب کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رہے ہیں۔ چنانچہ کوئی سال بھر ہوا چار آدمی اس فرقہ کی طرف سے ہندوستان میں تلقین کرنے آئے تھے۔ اُن میں دو امریکا کے رہنے والے تھے جو کئی مہینے ہندوستان میں دورہ کر کے اور چھوٹے چھوٹے رسالے اپنے مذہب کے متعلق تقسیم کر کے اور جستجوئے مذہب والوں سے گفتگوئیں کر کے واپس چلے گئے ہیں۔ دو صاحب ایرانی تھے جو اب تک ہندوستان میں مقیم ہیں۔ ان میں ایک حکیم مرزا محمود شیرازی لاہور میں مقیم ہیں۔ اُن سے ہماری ملاقات ہوئی ہے۔ ایک حلیم متین اور ذی فہم شخص ہیں۔ انہوں نے اپنا طریق اشاعت اپنے مزاج کے موافق رکھا ہوا ہے۔ نہ کہیں وعظ کہتے ہیں نہ کسی سے مناظرہ کرتے ہیں، مگر چپکے چپکے برابر اپنا کام کیے جاتے ہیں۔ جہاں کسی تعلیم یافتہ یا ذہین آدمی سے ملاقات

ہو گئی اُسے کچھ کتابیں یا رسالے اپنے عقائد کے متعلق دکھا دیے۔ پنجاب کے دارالحکومت میں اُن کا قیام گویا پنجاب پر ایک خاموش یورش ہے۔ وہاں سب اضلاع پنجاب کے چیدہ آدمی آتے رہتے ہیں۔ اور کسی نہ کسی تقریب سے اُن میں سے اکثر سے ملنے کے مواقع پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس ملک میں رہتے رہتے کچھ اردو بھی انہوں نے سیکھ لی ہے۔ اور انگریزی جاننے کو یہاں کے لیے اور دیگر ممالک کے لیے مفید سمجھ کر اس کی تحصیل کا بھی قصد کر رہے ہیں۔

ان کے دوسرے ایرانی رفیق حاجی مرزا محمد تقی ہیں جو اس وقت کلکتہ میں مقیم ہیں اور کلکتہ جیسے مرکز علم و دانش کے لیے موزوں بھی ایسا زبردست داعی ہی تھا۔ حاجی مرزا محمد تقی کی ایک پرانی تصویر ہمیں ملی ہے جس میں وہ زنجیر میں جکڑے ہوئے دو ایرانی سپاہیوں کے پہرے میں نظر آتے ہیں۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ بہائی طریق اختیار کرنے سے پہلے حاجی صاحب ایران کے طبقہ علماء میں تھے۔ جب انہوں نے اعلانیہ طور پر اپنے عقیدے کے بدلنے کا اقرار کیا تو حکومت کی طرف سے گرفتار کیے گئے۔ مگر زندان ان کے جوش میں کچھ کمی پیدا نہیں کر سکا۔ بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ سرگرم اور مستعد ہو کر نکلے۔ اور اس وقت سے برابر اپنے مرشد اور اپنے مذہب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ یہ ایثار' یہ بے غرضانہ جاں نثاری یہ مذہب کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ کر غیر ملکوں میں رہنا اور مذہب کی اشاعت کرنا۔ ایسے افعال ہیں کہ بے اختیار اُن لوگوں کی محنت' ہمت اور عقیدے کی داد دینی پڑتی ہے جو اپنی زندگی اس طرح وقف کر دیتے ہیں خواہ اُن کے مذہب سے ہمیں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔

فرقہ بہائیہ کے داعیوں نے امریکا اور ہندوستان میں جو لٹریچر تقسیم کیا ہے اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب سے زیادہ صلح پسند مذہب کوئی مشکل سے ہوگا۔ اُن ممالک میں جہاں نئے خیالات اور نئے علوم کی روشنی پھیل رہی ہے۔ ان داعیوں کا بالکل صلح جو طریق اختیار کرنا اور اس امر کا اعلان کرنا کہ ان کے مذہب کا مقصد اصلی اتحاد مذاہب ہے اور ہر عقیدے کے آدمی اس برادری میں جو بہاء اللہ نے قائم کی ہے شامل ہو سکتے ہیں۔ ان کی زمانہ شناسی پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مہذب دنیا کا میلان روز بروز اس خیال کی طرف ہوتا جاتا ہے۔ کہ اختلافات مذاہب اگر مٹ نہ سکیں تو فرو ضرور کیے جائیں۔ ہر شخص دوسرے مذہب کی تعظیم کرے' اور اس بات کو تسلیم کرے کہ سب

ادیان جو ہر حق سے آراستہ ہیں۔ فرق صرف طریق کار کا ہے کہ اُس منزل مقصود تک جو سب ادیان میں مشترکہ ہے کیونکر پہنچیں۔ اور اس لیے جس کسی کو جس راستے پر چلنے میں آسانی ہو وہ اُس راستے کو اختیار کرے اور دوسرا اُس سے تعرض نہ کرے۔ اور عجب نہیں کہ ایک دن ایسا آئے جب یہ خیال سب اقوام متمدنہ میں عام ہو جائے۔ وہ دن جب کبھی آئے گا بنی نوع انسان کے لیے خوشی کا موجب ہو گا۔ اس خیال کی اشاعت میں اگر بہائی استقلال کے ساتھ مصروف رہے تو وہ بھی مہذب دنیا کے شکریہ کے حصہ رسدی مستحق ہوں گے کیونکہ ان کے سوا اور اُن سے پہلے اس خیال کے پھیلانے والے دنیا میں ہو چکے ہیں اور اب تک موجود ہیں۔ مشرقی دنیا میں اہل تصوف و ویدانت سب سے بڑھ کر داد کے مستحق ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے اس خیال کی اشاعت ایسے زمانے میں کی جب لوگ اس سے بالکل ناواقف تھے۔ آج کل جو لوگ اس فکر میں ہیں اُنہیں مادہ تیار ملتا ہے اور اُن کے پیشرووں کی کوششیں انسانی طبقوں کو اس رائے کے قبول کرنے پر پہلے سے آمادہ کر چکی ہیں۔ موجودہ زمانے میں جو قومیں اس سعی میں مصروف ہیں اُن میں تھیوصوفی خصوصیت سے قابل ذکر ہے بہائی جتنا حصہ اپنے مذہب کا اس وقت اہل ہند کے روبرو پیش کر رہے ہیں اس میں اور تھیوصوفی میں کچھ بڑا فرق نہیں۔ لیکن جو ایسے مسائل ان کے ہاں موجود ہیں جن کے سننے سے انہیں ڈر ہے کہ عام مسلمان برہم ہوں گے اُن کو درمیان نہیں لاتے(۱)۔

عبد البہاء

حضرت عبد البہاء جن کی تصویر ہمیں بہت تلاش سے ملی ہے۔ اور آج شائع کیجاتی ہے۔ دنیا کے مشہور ترین آدمیوں میں ہیں۔ یہ تصویر اُن کی جوانی کی ہے۔ اور ایک عرصہ ہوا لی گئی تھی۔ لیکن چونکہ غالباً اس کے بعد اور کوئی تصویر نہیں لی گئی۔ یہ بھی بہت مغتنم ہے۔ یوں تو ہر نئے مذہب اور اس کی تاریخ کے بنانے والے کے حالات دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ مگر ایک ایسا نیا مذہب جس کی بنیاد ہمارے بزرگوں کے دیکھتے دیکھتے پڑی ہو اور جس کی ساخت اب تک ہماری آنکھوں کے سامنے جاری ہو معاصرین کے لئے خاص دلچسپی رکھتا

---

۱۔ مخزن لاہور اپریل ۱۹۰۸ء۔

ہے۔ اُن مذاہب یا فرقوں میں جو گزشتہ صدی میں پیدا ہوئے۔ شاید ہی کوئی ایسا ہو جسے وہ اہمیت حاصل ہے۔ جو اُس فرقے کو جس کے سرگروہ حضرت عبدالبہا ہیں۔ یہ وہی فرقہ ہے جو پہلے بابی کے نام سے ابھرا اور جس نے سرزمین ایران میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ اس کا بانی سید علی محمد المعروف "باب" تھا اور اس کی وجہ شہرت یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو ایک آنے والے ہادی کا "دروازہ" یعنی پیش خیمہ بتاتا تھا۔ اُس پر علماء ایران نے کفر کے فتوے دیئے اور وہ زندان میں بھجدیا گیا اور آخر ۱۸۵۰ء میں اپنے مذہب کی اشاعت کے جرم میں مارا گیا۔ اس کے غائبانہ مداحوں اور معتقدوں میں ایک نوجوان بہاء اللہ نامی تھا "باب" کی وفات کے بعد اس نے طہران میں اس نئے مذہب کی اشاعت شروع کر دی۔ حکومت نے اسے بھی قید کیا اور کچھ عرصے بعد جلاوطن کر کے بغداد کو روانہ کر دیا۔ جب بہاء اللہ کا اثر بغداد میں پھیلنے لگا تو علماء کے مشورے سے انتظام کیا گیا کہ اسے مع اس کے بڑے بڑے ہمراہیوں کے قسطنطنیہ بھجدیا جائے۔ بغداد سے رخصت ہوتے ہوئے اپریل ۱۸۶۳ء میں بہاء اللہ نے پہلے پہل اپنے خاص معتقدین کو یہ بتایا کہ میں وہی شخص ہوں جس کی بابت "باب" نے پیش گوئی کی تھی اور جس کے ظہور کے تم لوگ منتظر تھے۔ اُس دن سے بہاء اللہ کا اثر اور بھی ترقی کرنے لگا۔ اس لئے اس غریب الوطن جماعت کو قسطنطنیہ میں بھی چین لینا نہ ملا اور وہاں سے یہ لوگ ادرنہ کو منتقل ہوئے۔ ادرنہ میں ۱۸۶۸ء تک قیام رہا اور اس کے بعد وہ عکا کو روانہ کر دیئے گئے۔ جو آج تک اس فرقے کا صدر مقام ہے۔

بہاء اللہ نے جس دن سے اپنے "موعود" ہونے کا اظہار کیا۔ فرقہ بابیہ میں دو جماعتیں ہو گئیں۔ جن میں ایک اس کی قائل تھی اور ایک منکر۔ لیکن بابیوں کا گروہ کثیر اُسی کا طرفدار رہا۔ اور اس گروہ نے اُس دن سے بجائے بابی کے بہائی نام اختیار کیا۔ اب بھی عام طور پر لوگوں میں یہ فرقہ بابی کے نام سے مشہور ہے۔ مگر خود یہ لوگ بہائی کہلانا پسند کرتے ہیں۔ بہاء اللہ نے ۱۸۹۲ء میں رحلت کی اور اپنے معتقدین کو وصیت کر گیا کہ اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا عباس آفندی جانشین ہو اور اسے "من ارادہ اللہ" کا لقب دیا۔ یعنی جو اس منصب کے لئے خدا کے ارادے میں تھا۔ مگر عباس آفندی نے عقید تمندی کے لحاظ سے "عبدالبہاء" یعنی "بہاء اللہ" کا غلام لقب اختیار کیا۔ آفندی ممدوح اسی لقب سے مشہور ہیں۔

گو عرب میں عرب لوگ انہیں زیادہ تر عباس آفندی کے نام سے ہی جانتے ہیں۔

ہم فرقہ بابیہ اور اس کی بڑی شاخ فرقہ بہائیہ کے حالات کسی قدر بسط کے ساتھ پھر کسی موقعہ پر لکھیں گے۔ اس وقت فقط حضرت عبدالبہاء کے احوال و اقوال سے بحث مقصود ہے۔ کیونکہ وہ اب تک زندہ ہیں اور لوگ دور دور سے اُن کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ اور ان کی تعلیم و تلقین سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ امریکہ میں ان کا اثر روز بروز ترقی پر ہے۔ امریکہ والے دہریت سے پریشان ہو کر روحانیت میں پناہ گزیں ہونا چاہتے ہیں۔ اور اکثر متلاشی مذہب ہیں اس لئے ہر نئے مذہب کا ایک خاص اثر اُن پر پڑتا ہے۔ اور اسی لئے حضرت عبدالبہاء کے مریدوں کو جو اشاعت مذہب کی غرض سے امریکہ گئے ہوئے ہیں بہت کچھ کامیابی ہوئی ہے۔ اور کئی شہروں میں جماعتیں قائم ہو گئیں ہیں۔ اور اُن جماعتوں کی طرف سے روپیہ جمع ہو کر عکا میں بہ غرض اشاعت مذہب پہنچتا ہے۔ نہایت خوبصورت اور نقش و نگار سے آراستہ عرضیاں طلب فیض روحانی کے لئے بھیجی جاتی ہیں اور خود وہاں چھوٹے چھوٹے رسالوں اور عام فہم لکچروں کے ذریعے سے بہائی فرقے کی تعریف شائع کیجاتی ہے۔ تاکہ لوگوں کو اس کے اختیار کرنے کی ترغیب ہو۔ بمبئی کے مقبول رسالہ "ایسٹ اینڈ ویسٹ" میں کسی امریکائی لیڈی کا ایک مضمون حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ جو اُس نے عکا کی زیارت اور حضرت عبدالبہاء کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد لکھا ہے۔ جس سے نہ صرف اس کی عقیدت ٹپکتی ہے۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ مغربی دنیا سے جو زائر مشرق کے اس نسبتاً غیر محدود مقام تک فیض روحانی کے شوق میں آتے ہیں وہ مایوس نہیں جاتے بلکہ ایک گہرا نقش دل پر لے کر جاتے ہیں۔ اور باوجودیکہ اس عالم ناپائدار کی چکی میں آجکل غرب سنگ بالا اور شرق سنگ زیریں بنا ہوا ہے تاہم روحانیت میں زمانۂ گذشتہ کی طرح آج بھی ایشیا ہی کا رتبہ بڑھا ہوا ہے۔ اور مشرق ید اعلی یعنی اوپر کا ہاتھ اور مغرب ید اسفل یعنی نیچے کا ہاتھ ہے ایک ہاتھ بخشنے والا ہے اور دوسرا لینے والا۔

فرقہ بہائیہ کے متعلق مختلف بیانات نظر سے گزرے ہیں اور یہ قرار دینا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں سے کس کو قابل اعتبار مانا جائے۔ لیکن کسی اور بیان کو پیش کرنے سے پہلے تقاضائے انصاف یہ ہے کہ خود اس کے معتقدین کا بیان اُن کی زبان سے سن لیا

جائے۔ اور وہ یہ ہے۔

"عباس آفندی بمقام طہران ۲۳ مئی ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ عجیب بات ہے کہ ان کا روز ولادت وہی ہے جس دن "باب نے اپنی تلقین شروع کی۔ آپ اوائل عمر سے اپنے باپ کی خدمت میں حاضر اور اُن کی سعی میں شریک رہے۔ سب سے پہلے اپنے باپ کے موعود ہونے پر ایمان لائے۔ اور آپ کی تربیت ایسے ڈھنگ پر ہوئی کہ آپ اس تحریک کا مرکز بن سکیں۔ سارے بہائی آپ کو اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں اور آپ کی بدولت مریدین کو اس روحانی زندگی سے واقفیت ہوتی ہے جو بہاء اللہ کے حصے میں آئی تھی۔ اسی مرکز سے اب نور حق اطراف عالم میں پھیل رہا ہے۔

"بہاء اللہ کا مقصد یہ تھا کہ تمام بنی نوع انسان کو روحانی طور پر جسم واحد بنا دے۔ اور اس کی تلقین ایسی ہے کہ ہر ملک و ملت کا انسان اس پر کاربند ہو سکتا ہے۔ اسی سبب سے مغربی دنیا کے عیسائی، یہودی اور دہریے۔ مشرقی دنیا کے مسلمانوں، زرتشتیوں، برہمنوں اور بودھ مت والوں سے رشتۂ الفت و ہم خیالی و ہم مذہبی جوڑ رہے ہیں"۔

حضرت عبدالبہاء کی جو نصائح مریدوں کی ہدایت کے واسطے شائع ہوئی ہیں۔ وہ اُن بیشمار نصائح سے جو سب پرانے مقدس مذہبوں کے پیشواؤں نے کیں ہیں۔ کچھ جدا یا نئی نہیں۔ کیونکہ دنیا بھر میں بنیادی اصول ایک ہی ہیں اور انہی پر عمل کرنے سے سوسائٹی کی کل چلتی ہے۔ یہاں اُن کی نصائح میں سے بعض بطور نمونہ نقل کیجاتی ہیں۔ کسی کو رنج مت پہنچاؤ۔ ایک دوسرے سے بہت محبت کرو۔ سب سے مہربانی کا برتاؤ کرو اور اُن سے پاک طینتی و محبت رکھو۔ اگر ہمیں مخالفت برداشت کرنی یا مصیبت سہنی پڑے تو اسے برداشت کرنا چاہئے اور اس حال میں بھی حلیم اور مہربان رہنا چاہئے۔ اگر مصیبت بہت سخت ہو تو ہمیں خوش ہونا چاہئے۔ کیونکہ خاصان خدا کے لئے یہ انعام ہے۔

"دوسروں کے عیوب کے متعلق سکوت اختیار کرنا لازم ہے۔ انکے حق میں دعا کرنی چاہئے۔ مہربانی اور رفق سے اُن کی مدد کرنا چاہئے۔ تاکہ اُن کے عیوب کی اصلاح ہو جائے۔ بجائے برائی پر نظر ڈالنے کے ہمیشہ اچھائی پر نظر رکھو۔ اگر کسی میں دس اچھی خصلتیں ہیں اور ایک بُری۔ تو دس کو دیکھنا چاہئے اور ایک کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔ کسی کو لفظ

ناملائم نہیں کہنا چاہئے۔ گو وہ ہمارا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ جو لوگ اوروں کے عیوب ہمارے سامنے بیان کریں۔ انہیں اس سے روکنا چاہئے۔

"تلقین حق میں مصروف رہنا چاہئے۔ کیونکہ ہمارے آقا نے فرمایا ہے کہ ہم اس حکم کی تعمیل کے بغیر روحانی قوت اور ترقی حاصل نہیں کرسکتے۔ جس کسی کو یہ قوت حاصل ہے۔ اسے رضوان الہی حاصل ہے۔ ہمارے آقا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "اس دور میں جو بیج بویا جائے گا خدا خود اپنی رحمت کے بادلوں سے اسکی آبیاری فرمائے گا۔ اور وہ بار آور ہوگا"۔

"ہمیں ایک دوسرے کا خادم بننا چاہئے اور یہ جاننا چاہئے کہ ہم ہر ایک سے کم ہیں۔ ہمیں یہ محسوس کرنا چاہئے کہ ہم ایک روح ہیں جو بہت سے جسموں میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ جس قدر ہم ایک دوسرے سے محبت کریں گے۔ اسی قدر خدا کے قریب تر ہوں گے۔ ہماری محبت ہماری اطاعت اور ہماری توحید محض اقرار زبانی نہ ہو بلکہ واقعی ہو" ہمیں لازم ہے کہ ہم ہر مریض کیلئے باعث شفا' ہر مغموم کیلئے باعث تسلی' ہر پیاسے کیلئے خوشگوار پانی' ہر بھوکے کے لئے خوان آسمانی' ہر متلاشی کیلئے رہبر' ہر کھیتی کیلئے مینہ' ہر افق کیلئے ستارے' ہر چراغ کیلئے روشنی ہوں' اور ہر شخص کیلئے جو آسمانی بادشاہی کی آرزو میں بیتاب ہو اس بادشاہی کی خوشخبری دینے والے ہوں۔ ہمارے آقا کا قول ہے کہ ان علامتوں سے خدا کے ہر نیک بندہ کی پہچان کرنا(۱)۔

---

۱۔ مخزن' لاہور مارچ ۱۹۰۸ء۔

## مولوی محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (۱۹۵۶ء-۱۸۷۴ء)

مولوی محمد ابراہیم میر کی ولادت اپریل ۱۸۷۴ء میں سیالکوٹ میں ہوئی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے پائی، پھر ابو عبداللہ غلام حسن سے رجوع ہوئے۔ جن کے مدرسۃ العلوم کی سیالکوٹ میں بڑی شہرت تھی علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد سید نذیر حسین محدث دہلوی سے درس حدیث لیا۔

مولوی ابراہیم میر کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کو تلاش معاش کی کبھی فکر نہیں رہی، ان کا سارا وقت مناظروں اور کتابوں کی فراہمی میں صرف ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنی ذاتی کوششوں سے فقہ و حدیث، منطق و کلام اور تفسیر کی نادر و نایاب کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ فراہم کر لیا تھا، مولانا ثناء اللہ امرتسری کی رفاقت نے ان کی مناظرانہ خوبیوں کو نہ صرف جلا دی بلکہ علمائے اہل حدیث کا سرخیل بھی بنا دیا تھا۔ انہوں نے ۱۹۰۶ء میں اہل حدیث کانفرنس قائم کی اور جمعیت علمائے ہند سے وابستہ ہو کر سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا۔ جمعیت علمائے ہند کانگریس کی ہم نوا تھی، وہ مولوی صاحب کو اس مسئلہ پر اپنا ہم نوا نہیں کر سکی۔ انہوں نے جلد ہی اُسے چھوڑ دیا اور قیام پاکستان کے مطالبہ میں بھرپور طریقہ پر شامل ہو گئے۔ مولوی ابراہیم میر کی اقبال سے گہری موانست اور دوستی تھی وہ اکثر و بیشتر اقبال کے ساتھ میلادالنبیؐ کے جلسوں میں شریک ہوتے اور تقریریں کرتے تھے۔

جب ۱۹۵۲ء میں ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے اقبال کے بارے میں ان کے تاثرات قلم بند کیے تو انہوں نے بتایا۔

"اقبال نے ابتدائی تعلیم مولانا ابو عبداللہ اور غلام حسن صاحب سیالکوٹی اور شمس العلماء مولانا سید میر حسن مرحوم سے حاصل کی اور اس کے بعد اسکاچ مشن ہائی اسکول میں باقاعدہ تعلیم شروع ہو گئی۔ میٹرک تک اسی اسکول میں پڑھا اور انٹرمیڈیٹ کا امتحان اسکاچ مشن کالج (موجودہ مرے کالج) سے پاس کیا۔

مولوی ابراہیم میر کا کہنا ہے کہ "اقبال اسکول جانے سے پہلے اور اسکول سے آنے کے بعد فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ تحصیل دینیات کے لئے مولانا ابو عبداللہ

غلام حسن صاحب کے درس میں شامل ہوا کرتے تھے اسکول کی زندگی اور سیالکوٹ میں کالج کی زندگی کے بعد بھی جب کبھی سیالکوٹ تشریف لاتے تو ارادت سے حاضر خدمت ہوتے۔

مولوی ابراہیم میر کی زندگی جہد و عمل سے عبارت تھی انہوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ شبیر احمد عثمانی کے رفیق کار کی حیثیت سے ہر ممکن طریقے پر آل انڈیا مسلم لیگ کے لئے کام کیا۔ ندوۃ العلماء لکھنو کے اجلاسوں میں شریک ہوئے۔ سیالکوٹ میں انجمن تائید الاسلام کی بنیاد ڈالی اور ایک مدرسۃ العلوم قائم کیا۔ مولوی محمد ابراہیم میر نے یکم جولائی ۱۹۵۶ء کو وفات پائی۔ سیالکوٹ میں سپرد خاک کئے گئے۔ ان کی تصانیف کی تعداد چالیس سے زائد ہوگی(۱)۔

مولوی ابراہیم میر بہائی مبلغ جناب مرزا محمود زرقانی کے معتقد اور جناب سیّد محفوظ الحق علمی کے دوست تھے۔ میر صاحب نے امر بہائی کا خوب مطالعہ کیا تھا، اور امر اللہ کے محبین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

میر صاحب مرحوم کے بارے میں جناب علمی لکھتے ہیں:

جناب محترم مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ایک مشہور اور زبردست عالم تھے۔ جماعت اہل حدیث میں خصوصیت سے انہیں بلند مقام حاصل تھا جن دنوں میں سیالکوٹ میں مقیم تھا جناب موصوف سے ملاقات ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں دو عظیم انسانوں کا اثر میرے دل پر تمام عمر رہا ہے۔ ایک صاحب علیگڑہ میں تھے جو اپنے اخلاقی خصوصیات کے لحاظ سے بہت بلند تھے دوسرے جناب میرزا محمود زرقانی ایرانی فاضل مبلغ امر بہائی تھے، مرزا محمود زرقانی روحانی و اخلاقی لحاظ سے بڑے بلند مقام پر تھے۔ میرے دل پر ان کا گہرا اثر تمام عمر رہا ہے۔ اور اب بھی ہے۔ یہ بات مولانا ابراہیم نے بڑے سرور اور جوش سے بیان کی۔ اور کچھ شک نہیں کہ حضرت مرزا محمود زرقانی ایسے ہی تھے۔ جو لوگ ان سے ملتے تھے ان کے دل میں محبت پیدا ہو جاتی تھی۔

گفتگو میں جس قدر بھی امری مسائل کا ذکر ہوتا مرحوم بڑی توجہ سے سنتے اور کئی

---

۱۔ رجال اقبال۔

باتوں کی مسرت کیساتھ تائید کرتے۔ یہ ایک بڑے عالم تھے الحمد للہ کہ مرزا محمود زرقانی کے روحانی اثر سے امری محبت میں رہے اور اس کا ذکر خوشی سے کرتے تھے۔ محبت کے بھی بے شمار درجات ہیں امر اللہ اور اولیائے امر کا ذکر محبت سے کرنا یہ بھی ایک بڑا مقام ہے جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتا۔ قانون الٰہی یہ ہے کہ پاک بندوں کی محبت اچھے لوگوں کے دلوں میں ضرور پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: "ان الذین امنوا و عملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمن وُداً"۔ ترجمہ: جو لوگ محبت الٰہی اور عمل صالح پر قائم ہوتے ہیں خدائے رحمٰن اُن کے لئے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دیتا ہے۔

ایک لوح مبارک میں یہی مضمون نازل ہوا ہے۔" یلقی فی القلوب حُبّ اولیائه "۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ یہ خدا کی طرف سے قطعی بات ہے۔

مبارک ہیں ایسے پاکباز لوگ اور خوش نصیب ہیں جو ان سے محبت کرتے ہیں۔

جناب مرحوم مرزا محمود زرقانی نے بھی مجھ سے مولانا ابراہیم صاحب کا ذکر پُر محبت طریق پر کیا تھا اور ایام قیام سیالکوٹ میں مولانا مرحوم سے ملاقات کی مسرت میں نے حاصل کی۔ رحمۃ اللہ علیہ "(۱)۔

---

۱۔ بہائی میگزین کراچی، مارچ ۱۹۷۰ء۔

# خواجہ حسن نظامی (۱۹۵۵ء-۱۸۷۵ء)

خواجہ حسن نظامی جن کو مصور فطرت بھی کہا جاتا ہے، ۱۵ دسمبر ۱۸۷۵ء کو بستی درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء پُرانی دہلی میں پیدا ہوئے ابھی ان کی عمر ۱۲ سال تھی کہ ان کے والد خواجہ عاشق علی کا انتقال ہو گیا ان کے بھائی سید علی حسن نے اُن کی پرورش کی اور تعلیم و تربیت کا ہر ممکن خیال رکھا، خواجہ صاحب نے شہر کے مقتدر علماء سے عربی اور فارسی کی متداولہ کتابیں پڑھیں، پھر دینی علوم کے لئے مولانا رشید احمد گنگوہی سے رجوع کیا۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد سید مہر علی شاہ گولڑوی سے بیعت کی۔ ۱۹۳۰ء میں نواب صادق محمد خان عباسی کی مسند نشینی کا جشن دُھوم دھام سے منایا گیا۔ شاہ سلیمان پھلواری کو اس میں شرکت کی دعوت دی گئی خواجہ صاحب بھی ان کی معیت میں بہاول پور پہنچے۔ کچھ دنوں خواجہ صاحب نے امر تسر جا کر اخبار "الوکیل" کے دفتر میں قیام کیا۔ اور وہاں سے لاہور پہنچ کر اقبال سے ملاقات کی۔ اور انجمن حمایت اسلام کے انیسویں جلسے میں شریک ہوئے اس جلسہ میں اقبال نے اپنی نظم "تصویر درد" سنائی......

۱۹۰۵ء میں اقبال نے اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن جاتے ہوئے دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار پر حاضری دی اور وہاں سے خواجہ صاحب کے مکان پر گئے، کھانا کھایا، اس کے بعد خواجہ صاحب نے دہلی کے مشہور قوال ولایت خان کو بلایا اور اُن کے اعزاز میں قوالی کی محفل ترتیب دی۔ اقبال نے لندن کے قیام کے دوران محی الدین ابن عربی کی "فصوص الحکم" اور شہاب الدین سہروردی کی "حکمت اشراق" بار بار پڑھیں اور پھر اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کے مندرجات کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس سلسلے میں انہوں ے مزید توضیح کے لئے خواجہ صاحب سے رہنمائی چاہی اور خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا۔

خواجہ صاحب نے ۱۹۱۳ء میں میرٹھ سے ہفت روزہ "توحید" جاری کیا۔ اقبال کے رشحات قلم اس میں پابندی سے شائع ہونے لگے۔ یکم اگست ۱۹۱۳ء کے شمارے میں

---

۱- مخزن، لاہور مارچ ۱۹۰۸ء۔

"مثنوی اسرار خودی" کا ایک حصہ شائع ہوا تو خواجہ صاحب نے بطور تبصرہ اقبال کی بڑی تعریف کی...... بعد میں خواجہ صاحب کئی بار اقبال سے ملے۔ کبھی دہلی اور کبھی لاہور میں۔ وہ ۲۲ اپریل ۱۹۳۳ء کے روزنامچہ میں اپنے سفر لاہور کی یادداشتوں میں لکھتے ہیں۔

"۱۶ اپریل کو سالک صاحب کے مکان پر کھانے کے بعد ڈاکٹر سر محمد اقبال وغیرہ احباب سے جو وہاں جمع تھے باتیں ہوئیں، پھر پنجاب میں راجہ پورس کو شکست دینے والے سکندر سے رخصت ہو کر ڈاکٹر سر محمد اقبال سے ملنے گیا۔ ایشیا کا سب سے بڑا شاعر کمرہ کے اندر دکھائی دیا۔ اس کا انیس حقہ بھی سامنے ہی تھا۔ مجھ کو یہ شخص ٹیگور اور شیکسپیئر سے کئی ہزار فٹ اُونچا نظر آتا تھا۔ اگرچہ میری آنکھوں میں محبت کے زخم ہیں اور اس کی وجہ سے میری نگاہ دُرست نہیں رہی ہے، تب بھی سخن فہم مجھ سے یہی کہیں گے کہ ٹیگور اور شیکسپیئر سے یہ شخص کئی ہزار فٹ نہیں تو چھ فٹ اونچا ضرور ہو گا......

خواجہ حسن نظامی نے اپنی پُوری زندگی تصنیف و تألیف میں گزری، بلا مبالغہ سینکڑوں رسالے، اور سینکڑوں کتابیں، غدر کے افسانوں کو جو قبول عام حاصل ہوا اس کی مثال انہی سے ملے گی۔ وہ اپنے انتقال سے چندماہ قبل تک ملک کے ممتاز جریدوں اور رسالوں میں لکھتے رہے۔ پیرانہ سالی کے باوجود ان کے قلم میں تھکن مطلق نہیں آئی۔ بالآخر انہوں نے طویل علالت کے بعد ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو دہلی میں انتقال کیا۔ اور درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے احاطے میں سپرد خاک کئے گئے"۔(۱)

خواجہ حسن نظامی جہاں اقبال کے دوست تھے وہاں امر بہائی کے بھی مداح تھے۔ جناب محمود زرقانی، محفوظ الحق علمی اور مارتھا روٹ نے ان سے ملاقات کر کے امر بہائی کا ابلاغ کیا تھا۔ یہاں تک کہ خواجہ صاحب مصر میں حضرت عبدالبہاء کے حضور مشرف بھی ہوئے تھے۔ جناب حسن نظامی نے حضرت بہاء اللہ پر نازل والے صحیفہ "ہفت وادی" کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا۔ آپ اپنے رسالہ "منادی" میں امر اللہ کے حق میں لکھا کرتے تھے۔ جناب سید محفوظ الحق علمی رقم طراز ہیں(۲)۔

---

۱- رجال اقبال۔ ۲-بہائی میگزین، کراچی جنوری ۱۹۶۹ء۔

"......جناب خواجہ حسن نظامی مرحوم ایک مشہور اور محترم بزرگ تھے۔ جنہوں نے اپنی ذاتی قابلیت سے اُردو ادب میں ایک بہترین اضافہ کیا ہے۔ وہ روحانی پیشوا بھی تھے۔ اور اپنے اعلیٰ اخلاق کے باعث سب لوگوں میں مقبول تھے۔ جب وہ مصر کے سفر پر گئے تو قاہرہ میں حضرت عبدالبہاء کے حضور میں مشرف ہوئے اس تشرف کی کیفیت انہوں نے خود بڑے دلکش پیرائے میں بیان کی ہے۔ جو کتاب "اسرار" کے دیباچہ میں درج اور شائع شدہ موجود ہے "اسرار" حضرت بہاء اللہ کی کتاب مبارک "ہفت وادی" کا اردو ترجمہ ہے۔ جو خواجہ صاحب نے شائع کرایا تھا یہ کتاب ہفت وادی حضرت عبدالبہاء روحی فدا نے خواجہ صاحب کو خود عنایت فرمائی تھی۔ جب میں نے ایک ملاقات میں خواجہ صاحب سے کہا کہ یہ ترجمہ بہت غلط ہے تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ آپ صحیح کر کے ضرور شائع کیجئے۔ چنانچہ اسی زمانے میں میں نے صحیح ترجمہ دہلی سے شائع کیا۔ خواجہ صاحب نے بھی بہت پسند کیا۔ خواجہ صاحب محبّ امر اللہ تھے اکثر جلسوں کے مواقع پر مختلف شہروں میں جب ان سے ملاقات ہوتی تو وہ فوراً حاضرین سے میرا تعارف کراتے۔ اور قاہرہ میں حضرت عبدالبہاء سے اپنے مشرف ہونے کا حال پر لطف طریق پر بیان فرماتے۔ اور امر بہائی کی بہت تعریف کرتے۔ اخبار "منادی" وغیرہ میں امر بہائی اور بہائی احباب کا ذکر بارہا محبت سے لکھتے رہے' ایک صاحب نے جو عبارات ایک جگہ اکٹھی کی تھیں وہ امر بہائی کی تعریف میں ہیں تقریباً پچاس ساٹھ صفحات سے زائد تھیں۔

جب حضرت میرزا محمود زرقانی ایک مرتبہ دہلی تشریف لائے۔ تو خواجہ صاحب نے انہیں اپنے دولت خانے پر نظام الدین میں ٹھہرایا تھا۔ اور بہت سے لوگوں سے ملاقات کرائی تھی۔ ایک دن دوران گفتگو میں جبکہ میں بھی موجود تھا فرمایا کہ: "میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے نئی شریعت کا مسئلہ بہت گراں ہے"۔ فی الحقیقت خواجہ صاحب نے بجا فرمایا یہ وہی بات ہے۔ جو ڈاکٹر اقبال مرحوم نے یوں کہی ہے۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا

منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

ایک مرتبہ جب مسٹر شافلاہر مبلغ امر بہائی دنیا کا تبلیغی سفر کرتے ہوئے

دہلی آئے اور خواجہ صاحب مرحوم سے نظام الدین میں ملاقات ہوئی۔ تو خواجہ صاحب نے ان سے فرمایا کہ: ”آپ پر خدا کا بڑا فضل ہے کہ خدا نے آپ کو بڑا دولتمند بھی بنایا اور بہترین دین بھی آپ کو عطا فرمایا۔ آپ تو اس نعمت سے بہت ہی خوش رہتے ہوں گے؟ مسٹر شافلاہر نے فرمایا۔ کہ: ”نہیں۔ میں کیسے خوش رہ سکتا ہوں، جبکہ دُنیا کے دوسرے لوگوں کو اس نعمت سے محروم دیکھتا ہوں۔ خوشی تو جبھی پوری ہوگی جب سب لوگ امر بہائی کی نعمت سے سرفراز ہوں گے“۔

مسٹر شافلاہر عجیب مخلص آدمی تھے۔ جب ایک دوست نے ان سے سوال کیا۔ کہ آپ نے امر بہائی کو کب قبول کیا؟ تو یہ بات سن کر مسٹر شافلاہر کے آنسو نکل آئے اور کہا کہ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے امر بہائی کو قبول کیا ہاں یہ عرض کر سکتا ہوں کہ امر بہائی نے مجھے قبول کیا پھر اپنے ایمان لانے کا واقعہ سنایا۔

مسٹر شافلاہر نے ایک دفعہ سرمایہ دار اور مزدور کے متعلق امر بہائی کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ امریکہ کے ہر کارخانے میں ہڑتال ہو چکی ہے۔ مگر ہمارے کارخانے میں آج تک کبھی ہڑتال نہیں ہوئی۔ کیونکہ ہم امر اللہ کی تعلیم کے مطابق ہر مزدور کو کارخانے میں شرکت کا حصہ دے رہے ہیں۔

جناب خواجہ حسن نظامی سے اکثر مبلغین بہائی کی ملاقاتیں ہوتی رہیں، جو ایران اور امریکہ سے آتے تھے اور خواجہ صاحب اپنے اخبار ”منادی“ وغیرہ میں ذکر فرماتے تھے۔ جو ان اخبارات میں موجود ہے۔ جس کا انتخاب کیا جائے۔ تو مکمل ایک کتاب ہو جائے گی۔

ایک مرتبہ قرآن مجید کے ایسے ترجمے کی ضرورت پر گفتگو ہوئی۔ جو تصوف کے نقطۂ نظر سے ہو، تو میں نے رائے دی کہ حضرت شیخ محیی الدین ابن العربی کی تفسیر کا خلاصہ اُردو میں شائع کیا جائے۔ خواجہ صاحب نے اس بات کو بہت پسند کیا۔ اور اس میں مدد کرنے کے لئے مجھ سے فرمایا۔ میں نے جناب مولانا عبدالدائم فاضل رامپوری سے یہ کام شروع کرنے کو کہا۔ اور انہوں نے شیخ اکبرؒ کی تفسیر سے سورۃ البقرہ کا خلاصہ اور ترجمہ کیا۔ خواجہ حسن نظامی نے ایسے ترجمے کے متعلق اعلان بھی کیا۔ کہ یہ عظیم الشان کام پیش نظر ہے۔ لیکن پھر یہ کام رہ گیا۔ خواجہ صاحب نے عام فہم تفسیر کے نام سے جو کچھ شائع کیا ہے وہ بھی بہت

خوب ہے اور اس کی اکثر تصانیف تو مشہور و مقبول ہیں۔

بہر حال خواجہ صاحب مرحوم امر بہائی کے اچھے محبوں میں سے تھے۔ اور اپنے طرز پر انہوں نے اس سلسلے میں کافی نشانات چھوڑے ہیں۔ کبھی موقع ہو گا۔ تو ان کے بیانات کے اقتباسات مرتب اور شائع کئے جائیں گے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (علمی صاحب مزید لکھتے ہیں)

"......ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ خواجہ (حسن نظامی) صاحب اور میں دونوں یہ گفتگو کر رہے ہیں کہ اذان کا ترجمہ اردو میں ہونا چاہئے۔ اس طرح اردو میں اذان دی جائے۔ صبح اُٹھ کر میں نے اذان کا اردو ترجمہ کیا اور خواجہ صاحب سے ملاقات پر یہ خواب سنایا اور یہ ترجمہ بھی دے دیا۔ اس وقت محترم ملا واحدی بھی تشریف رکھتے تھے۔ ذکر ہوا کہ یہ ترجمہ کس کے نام سے شائع کیا جائے تو میں نے کہا کہ بے نام کے ہی شائع کر دیجئے اور یا اس مضمون کے نیچے لکھ دیجئے "لکھنے والے کا نام "محفوظ" ہے(۱)۔ اس لطیفے سے سب محظوظ ہوئے غالباً یہ ترجمہ اذان ملا واحدی صاحب محترم نے رسالہ نظام المشائخ دہلی میں شائع بھی کیا تھا۔ الغرض خواجہ حسن نظامی مرحوم کا مقام محبین امر اللہ میں نمایاں ہے(۲)۔

جناب خواجہ حسن نظامی مصر میں حضرت عبدالبہاء کے حضور اپنے مشرف ہونے کا واقعہ یوں تحریر کرتے ہیں۔

۲۷ جون ۱۹۱۱ء

آج عباس آفندی عرف عبدالبہاء مقتدائے فرقہ بابی کی ملاقات کے لئے دوبارہ زیتون گئے۔ زیتون مصر سے آدھ گھنٹے کی راہ ہے۔ ہر وقت ریل ملتی ہے۔ عباس آفندی بڑے ذی علم شخص ہیں ان کی باتوں میں بڑی کیفیت آتی ہے۔ مزاج بالکل سادہ ہے۔ مگر مرید تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے۔

رخصت کے وقت ایک تصوفانہ رسالہ نذر کیا جو ان کے والد بانی فرقہ بابی کی تصنیف ہے(۳) نیز اپنے ہاتھ سے میری سادہ کتاب پر اسلام کی آئندہ بہتری کی تدبیر لکھی جو عربی زبان میں ہے اور جو عن قریب "نظام المشائخ" میں مذکورہ بالا رسالہ کے ساتھ شائع کی

---

۱۔ یعنی محفوظ الحق علمی۔ ۲۔ بہائی میگزین، کراچی جنوری ۱۹۶۹ء۔ ۳۔ ہفت وادی

جائے گی۔ اخلاق کا یہ عالم کہ اسٹیشن تک پہنچانے آئے اور ایک اشرفی چلتے وقت نذر کی۔ میں نے لینے میں عذر کیا اور کہا کہ مجھ کو اس کی احتیاج نہیں۔ فرمایا۔ فقراء کو خیرات کر دینا قبول کر لو(۱)۔

اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ مصر میں حضرت عبدالبہاء کی کس قدر شہرت تھی۔ جناب حسن نظامی کو آپ سے عقیدت تھی اور آپ اب دوسری بار مشرف ہونے کے لئے گئے تھے۔ خواجہ صاحب حضرت عبدالبہاء کے تبحر علمی اور فیاضی و خوش اخلاقی کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ تصوفانہ رسالہ وہی "ہفت وادی" ہے جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالبہاء نے جناب خواجہ صاحب کو عربی میں مضمون تحریر کر کے دیا تھا۔ جس میں مسلمانوں کی ترقی کے اصول بتائے گئے تھے۔ یہ مضمون یا اس کا ترجمہ "نظام المشائخ" میں ضرور شائع ہوا ہوگا اگر کوئی صاحب اسے تلاش کر کے سامنے لا سکیں تو ایک بڑا کام ہوگا۔ وہ اشرفی جو حضرت عبدالبہاء نے خواجہ صاحب کو عنایت فرمائی تھی اگر آج محفوظ ہوتی تو عشاق عبدالبہاء اسے کحل البصر بناتے!۔

---

۱- سفر نامہ خواجہ حسن نظامی، ص ۶۰۔

## حکیم اجمل خاں شیدا (۱۹۳۷ء-۱۸۷۵ء)

مسیح الملک حکیم اجمل خان دہلوی، خاندان شریفی کے بے مثل طبیب تھے ان کو اُردو، فارسی اور عربی ادب پر زبردست عبور حاصل تھا۔ ایک زمانے میں وہ مختلف رسائل میں مضامین لکھا کرتے تھے جن کو ملک کے علمی حلقوں میں بیحد پسند کیا جاتا تھا۔ بو علی سینا پر اُن کے سلسلہ وار مضامین "دکن ریویو" میں شائع ہوئے جو بے حد مقبول ہوئے تھے۔ دہلی کا طبیہ کالج اور ہندوستانی دواخانہ انہوں نے ہی قائم کیا تھا۔ جامعہ ملیہ دہلی کو بھی انہوں نے امداد دی اور استحکام بخشا تھا۔ جن دنوں اقبال نے خواجہ حسن نظامی کے ہاں دہلی میں قیام کیا تھا، اسی قیام کے دوران اُن کی ملاقات حکیم اجمل خان سے بھی ہوئی۔ میرٹھ سے نکلنے والے ایک اخبار میں اقبال کے قیام دہلی کی مختصر سی رُوداد میں اس ملاقات کا حال یوں درج کیا گیا ہے۔

"کانپور سے واپس ہو کر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب بیرسٹر دہلی میں کئی روز مقیم رہے حاذق الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب نے ان کے اعزاز میں عمایدِ شہر کو مدعو کیا تھا۔ شعر و شاعری کی وہ دلچسپ صحبت گرم رہی کہ دہلی کے دورِ گزشتہ کا لطف آگیا۔ حاذق الملک کی غزل بھی پڑھی گئی۔ معلوم ہوا کہ حکیم صاحب شعر گوئی میں بہت اچھا ملکہ رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے فرمایا۔ حاذق الملک ہیں محض طبیب نہیں ہیں یعنی ان کو حکمت جیسی بے مثل نعمت کا حصہ ملا ہے۔"

حکیم صاحب نے دہلی کی چار دیواری کے اندر کسی مریض سے فیس نہیں لی۔ مولانا محمد علی کے بیان کے مطابق انہوں نے پچاس ہزار سے زائد مریضوں کا مفت علاج کیا۔ امیروں اور رئیسوں کے علاج سے ان کو جو آمدنی ہوتی تھی وہ بھی ملکی اور قومی کاموں پر خرچ کر دیتے تھے۔ اس لئے ان کو دہلی کا "بے تاج بادشاہ" کہا جاتا تھا۔ جہاں انہوں نے جامعہ اسلامیہ اور اسی قسم کے دوسرے علمی اداروں کی سرپرستی کی وہاں آزادی میں بھی پیش پیش رہے۔ جب پنجاب میں مارشل لاء لگایا گیا تو انہوں نے حقارت سے اپنا خطاب "حاذق الملک"، حکومت کو واپس کر دیا اور احباب کو ہدایت کر دی کہ کوئی شخص ان کو اُن کے نام کے ساتھ "حاذق الملک" نہ لکھے۔

حکیم صاحب کو قومی اور ملی کاموں سے دلچسپی تھی۔ آزادی ہند کی تحریک میں بھی انہوں نے نمایاں کام کیا۔ حکیم صاحب ۱۹۲۷ء رام پور میں تھے۔ یہیں ۲۷ دسمبر کی رات کو ان پر دل کا دورہ پڑا۔ یہ دورہ اتنا شدید تھا کہ وہ کسی قسم کی طبّی امداد پہونچنے سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ انتقال کے وقت اُن کی عمر ۶۲ سال تھی۔ قاضی عبدالغفار نے ان کے حالات پر "حیات اجمل" کے عنوان سے ایک مشہور سوانح لکھی ہے۔ حکیم صاحب سے ان کا مجموعۂ کلام "دیوان شیدا" اور طب میں کئی کتابیں یادگار ہیں(۱)۔

مرزا محمود زرقانی نے متعدد مرتبہ حکیم اجمل خان صاحب سے ملاقات کر کے بہائی تعلیمات کا ابلاغ کیا تھا۔ چنانچہ سید محفوظ الحق علمی تحریر کرتے ہیں۔

...... یہی حالت جناب مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب کی تھی۔ وہ جس وقت تک حضرت مرزا محمود زرقانی کی باتیں سنتے تھے کمرے میں کسی کو آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ایسے محویت اور خوشی سے سنتے تھے جس کا خیال کر کے آج بھی مجھے روحانی لطف حاصل ہوتا ہے۔ مرحوم حکیم صاحب نے بہت امری (بہائی) کتابیں بھی مطالعہ فرمائی تھیں، بلکہ "لوح سلطان" اور "مقالہ سیاح" کا جو اردو ترجمہ ہے اس کی اصلاح بھی مسیح الملک مرحوم نے اور جناب مولانا عبدالحق حقانی نے فرمائی تھی۔ اور پھر سفر پنجاب کے موقع پر مرزا محمود زرقانی نے یہ ترجمہ جناب فاضل ثناء اللہ امرتسری اور جناب محبوب عالم صاحب ایڈیٹر "پیسہ اخبار" کو بھی دیا تھا۔ اور ان حضرات نے اس پر نظر ثانی فرمائی۔ یہ ترجمہ چھپ چکا ہے جس کا نام "باب الحیات" ہے (۲)۔

---

۱-رجال اقبال۔ ۲-بہائی میگزین 'لاہور جولائی ۱۹۶۸ء۔

## ڈاکٹر ای. جی. براؤن (۱۹۵۰ء-۱۹۲۶ء)

ڈاکٹر ای جی براؤن کا شمار دنیا کے مشہور مستشرقین میں ہوتا ہے۔ وہ ۷ جنوری ۱۸۶۲ء کو انگلینڈ کے ایک قصبہ بوٹلی میں پیدا ہوئے انہیں ابتدا ہی سے مشرقی علوم وفنون اور ایشیائی زبانوں سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ انہوں نے مشرقی علوم میں اختصاص پیدا کیا اور کیمبرج یونیورسٹی میں شعبۂ فلسفہ کے صدر ہو گئے۔ یوں تو ڈاکٹر براؤن نے عربوں اور ترکوں کے ادب پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن ایرانی ادبیات سے ان کو زیادہ دلچسپی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے کچھ عرصہ ایران میں گذارا اور وہاں کے مختلف کتب خانوں میں قلمی کتابوں کی ورق گردانی کی۔ ۱۹۰۲ء میں جب ان کی "تاریخ ادبیات ایران" کی پہلی جلد چھپ کر آئی تو اسے دنیا کے تمام محققوں نے سراہا۔ ۱۹۰۶ء میں دوسری اور اس کے بعد تیسری جلد نے اُن کی شہرت مزید بڑھا دی۔ اور وہ ایشیائی ادب کے زبردست ماہر خیال کیے جانے لگے۔

ڈاکٹر براؤن کی تصانیف نے اقبال کو بیحد متاثر کیا تھا۔ آپ اُن کی تحقیقات کے بہت قائل تھے۔ جب "تاریخ ادبیات ایران" کی تیسری جلد ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی تو انہوں نے نہ صرف اس کا مطالعہ کیا بلکہ دوسروں کو بھی رائے دی کہ وہ اس کا مطالعہ کریں۔ انہوں نے نومبر ۱۹۲۰ء میں گرامی کو ایک خط میں لکھا:

"شاہ نعمت اللہ کرمانی کا مشہور قصیدہ" حالتِ روزگار می بینم۔ پروفیسر براؤن کی "تاریخ ادبیات ایران" کی تیسری جلد جو حال ہی میں انگلستان سے چھپ کر آئی ہے۔ شائع ہوا ہے یہ بھی دیکھنے کے قابل ہے' ہندوستان میں جو نسخے اس قصیدے کے مروّج ہیں بہت غلط ہیں۔ پروفیسر براؤن نے جو نسخہ شائع کیا ہے بہت صحیح ہے"۔

ڈاکٹر براؤن نے ۶ جنوری ۱۹۲۶ء کو لندن میں انتقال کیا تو اقبال نے ان کے انتقال پر ایک قطعہ تاریخ لکھ کر اپنی مثنوی "اسرار خودی" کے مترجم ڈاکٹر نکلسن کو ارسال کیا۔ قطعہ یہ ہے۔

## قطعہ

نازشِ اہل کمال ای٠ جی براؤن

فیض او در مشرق و مغرب عمیم

مغرب اندر ماتم او سینۂ چاك

از فراق او٠ دل مشرق دو نیم

تا به فردوس برین ماویٰ گرفت

گفت ہاتف ''ذالك الفوز العظیم''

۱۹۲۶ء

ای۔جی براؤن نے سب سے زیادہ کام بابی دین پر کیا ہے۔وہ گوبینو کی تحقیقات سے متاثر ہو کر بابی امر کی طرف متوجہ ہوا اور پھر مسلسل چھ برس تک اس موضوع پر کام کرتا رہا' اس نے ۸۸-۱۸۸۷ء کے دوران ایران میں قیام کیا۔ اور کتابوں نیز بابی حضرات کے ذریعے معلومات حاصل کیں۔ پھر ۱۸۹۰ء اس نے مرزا یحییٰ صبح ازل سے قبرص میں اور اسی سال حضرت بہاء اللہ سے عکا میں جا کر ملاقات کی۔

امر بہائی پر براؤن کی تصانیف کی فہرست یوں ہے :

1. A traveller's narrative written to illustrate the episode of the Bab (Cambridge 1891)

یہ حضرت عبدالبہاء کی فارسی تصنیف ''مقالہ شخصی سیاح'' کا انگریزی ترجمہ ہے۔

2. The Tarikh-i-Jadid (Cambridge 1893)

3. Kitab-i-Nuqtatul Kaf

4. Material for the study of the Babi Religion. (Cambridge 1918)

5. A Year amongest the Persian (London 1893)

اس کے علاوہ براؤن نے درجنوں مقالات بابی 'بہائی دین پر قلم بند کیے جو یورپ اور ایشیاء کے معروف رسائل میں شائع ہوتے رہے' براؤن نے M.H.Phelps کی کتاب

"Life and teachings of Abbas Effendi" کا مقدمہ بھی لکھا یہ کتاب ۱۹۰۳ء میں نیویارک میں طبع ہوئی۔ اقبال نے قیام انگلستان کے دوران براؤن سے علمی استفادہ کیا تھا۔ اسکی تفصیل ہم اس کتاب میں اپنے مقام پر دے چکے ہیں۔

## مولانا ظفر علی خان (۱۹۵۶ء-۱۸۷۳ء)

اردو کے شاعر ادیب اور صحافی تھے۔ آپ کوٹ مہرتھ ضلع سیالکوٹ میں ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مشن ہائی سکول وزیر آباد میں پائی۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے بی-اے کرنے کے بعد نواب محسن الملک کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ جو اُن دنوں بمبئی میں تھے۔ آپ اس کے بعد حیدر آباد چلے گئے اور ایک مترجم کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ اور ترقی کرتے کرتے ہوم ڈیپارٹمنٹ کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ حیدر آباد سے لاہور آگئے اور یہاں سے روزنامہ "زمیندار" جاری کیا جس کے بانی ان کے والد مولوی سراج الدین احمد تھے۔ زندگی کا زیادہ حصہ سیاست میں گذرا۔ آپ قادر الکلام شاعر شعلہ بیان مقرر صاحب طرز انشاپرداز اور بے باک صحافی تھے۔ شاعری میں مذہب اور سیاست کا غلبہ تھا۔

معرکہ مذہب وسائنس، غلبہ روم، منظوم ڈراما جنگ روس وجاپان آپ کے مشہور تراجم ہیں۔ کلام کے مجموعے بہارستان، نگارستان، چمنستان ہیں۔

مولانا ظفر علی خان نے ۱۹۵۶ء میں وفات پائی اور موضع کرم آباد تحصیل وزیر آباد میں آسودۂ خاک ہیں۔ مولانا ظفر علی خان علامہ اقبال کے احباب اور مداحوں میں اہم مقام رکھتے تھے۔ آپ امر بہائی کے محبّ تھے۔ آپ ساری زندگی احمدیت کے خلاف فعال رہے مگر امر بہائی کی عظمت کو تسلیم کرتے اور بہائی علماء سے دوستانہ روابط رکھتے تھے۔ اس کے ثبوت میں ہم ایک واقعہ جناب محفوظ الحق علمی کی سوانح (رجال اقبال الف) میں لکھ چکے ہیں جو اس کتاب میں شامل ہے۔ ایک اور واقعہ علمی صاحب ہی نے یوں تحریر کیا ہے۔

"......ایک مرتبہ جب کہ میں بمبئی میں تھا مولانا ظفر علی خان بھی بمبئی تشریف لائے۔ شاہجہان ہوٹل میں قیام کیا۔ جناب ظفر علی خان کو میں نے بہائی ہال میں مدعو کیا وہ تشریف لائے۔ محترمہ شیریں بامن کے بچوں نے انگریزی میں ایک لوح مبارک اور مناجات سنائی۔ مولانا محترم نے نہایت خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ اس ملت کا مستقبل بہت روشن ہے جس کے بچے ایسی اعلیٰ توحید کی تعلیم پارہے ہیں محترمہ شیریں فوزدار سے جب دینی گفتگو ہو رہی تھی تو محترمہ کی پرجوش باتیں سن کر مولانا نے فرمایا: آپ کی باتیں

قابل غور ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے آپ چاہتی ہیں مجھے ایک ہی دن میں بہائی بنالیں(۱)۔

مرزا محمود زرقانی نے ۱۹۰۴ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے چیلنج کیا تو اس کے بارے میں مولانا ظفر علی خان نے لکھا:

"...... جناب مرزا محمود صاحب بہائی نے جناب مرزا صاحب (قادیانی) کو چیلنج کیا لیکن جناب مرزا صاحب (قادیانی) بالکل خاموش ہی رہے حتی کہ خاموش ہی دنیا سے چلے گئے اور بہائی دعاوی کے بالمقابل کھڑے نہ ہوئے (۲)۔

---

۱-بہائی میگزین، جولائی ۱۹۶۸ء۔ ۲-زمیندار ۱۵ اپریل ۱۹۲۴ء۔

## نواب امین جنگ (سر)- ۱۸۶۳ء)

نواب سر امین جنگ کو مذہب اور تعلیم سے خاص دلچسپی تھی۔ اس دلچسپی کی بناء پر وہ سر سید احمد خاں، مولانا حالی، سید امیر علی اور اقبال کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ نواب سر امین جنگ کا اصل نام احمد حسین تھا۔ وہ مدراس کے ایک مشہور تاجر حاجی محمد قاسم کے صاحبزادے تھے۔ ان کی ولادت ۱۸۶۳ء میں شمالی ارکاٹ کے ایک قصبہ وانمباڑی میں ہوئی۔ انہوں نے ۱۸۸۵ء میں بی اے کے امتحان میں نمایاں طور پر کامیابی حاصل کی، پھر وکالت کی سند لی۔ چار سال تک مدراس یونیورسٹی میں عربی، فارسی و اُردو کے ممتحن رہے۔ ۱۸۹۰ء میں مدراس ہائی کورٹ میں وکالت شروع کی۔ ۱۸۹۲ء میں ان کو ضلع ارکاٹ کا ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر کیا گیا۔ کچھ دنوں بعد ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور حیدر آباد چلے گئے۔ ۱۸۹۹ء میں نظام دکن یعنی میر محبوب علی خان نے ان کو مددگار پیشی مقرر کیا۔ ۱۹۰۵ء میں ان کے پرائیویٹ سکریٹری مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۳ء میں صدر المہام پیشی کا منصب دیا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں نواب امین جنگ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔

نواب سر امین جنگ نے ۱۹۲۲ء میں "نوٹس آف اسلام" کے عنوان سے انگریزی میں ایک کتاب لکھی تھی اور اس میں ہندوستان میں مسلمانوں کی نشاۃ الثانیہ کے رہنماؤں کا ذکر کیا تھا۔ اس کتاب میں سر سید احمد خان، شبلی نعمانی، الطاف حسین حالی، جسٹس امیر علی کے ساتھ ساتھ اقبال کا بھی تذکرہ کیا ہے، نواب سر امین جنگ نے اس کتاب کا ایک نسخہ اقبال کو بھی بھیجا تھا۔ یہ نسخہ ان کو مارچ ۱۹۲۳ء کی کسی تاریخ کو موصول ہوا تھا۔ اقبال اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے دوست مولانا گرامی جالندھری کو لکھتے ہیں:

"نواب امین جنگ پرائیویٹ سکریٹری نظام کا خط آیا تھا۔ انہوں نے اپنی کتاب کا ایک نسخہ جو انگریزی زبان میں ہے ارسال کیا تھا۔ اس کتاب کے آخر میں میرا بھی ذکر تھا۔ مذہب اسلام کے حقائق و معارف کی توضیح اس کا مضمون ہے۔"

جب اقبال توسیعی لیکچروں کے سلسلے میں حیدر آباد گئے تو سر امین جنگ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور سرکاری طور پر ان کے مہمان ٹھہرانے کے انتظامات کئے تھے۔

اس دوران اقبال نے سر امین جنگ کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور یہ محسوس کیا کہ وہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود سے دلچسپی رکھتے ہیں، چنانچہ جب ۱۹۲۹ء میں اقبال کو ''ادارۂ معارف اسلامیہ'' کے عنوان سے ایک ادارے کے قیام کا خیال آیا تو اقبال کی نگاہ سب سے پہلے سر امین جنگ پر پڑی کہ وہ سرکار نظام کے پرائیویٹ سکریٹری ہونے کی وجہ سے اس ادارے کو سرکاری طور پر مالی امداد دلوا سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ۲۳ فروری ۱۹۲۹ء کو سر امین جنگ کے نام اس ادارے کے اغراض و مقاصد کی ایک مطبوعہ کاپی ارسال کرتے ہوئے اُن سے تعاون کی درخواست کی۔ اقبال نے ان کو لکھا۔

''میں اس سلسلہ میں ملک کے دوسرے نوابین سے رابطہ قائم کرنے والا ہوں۔ میں آپ کا نہایت شکر گذار اور ممنون ہوں کہ آپ اعلیٰ حضرت نظام کی خدمت میں اس کام کی فوری ضرورت کی وضاحت کر کے اُن سے اس مقصد کیلئے امداد حاصل کریں جو بہت سے مسلمانوں کو دل سے عزیز ہے۔

میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر ہمیں سالانہ کم سے کم تین ہزار روپے کی آمدنی کا یقین ہو تو ہم یہ کام فوری شروع کر سکتے ہیں۔ مجھے بھوپال اور بہاولپور سے سالانہ پانچ پانچ سو روپے سے زیادہ کی توقع نہیں''۔

سر امین جنگ نے اس خط پر جو ''ادارۂ معارف اسلامیہ'' کے قیام کے لئے لکھا گیا تھا، دو ہزار روپے کی امداد منظور کی۔

سر امین جنگ کو اُن کی بہترین مساعی اور کارگردگی کی بناء پر نظارت جنگ کا خطاب ملا۔ اور وہ حیدر آباد کے کوتوال کے عہدے پر فائز ہوئے۔

سقوطِ حیدر آباد سے بہت پہلے اُن کا انتقال ہو گیا، اُن کے ادبی اور علمی مضامین ہمایوں، عالمگیر اور نیرنگ خیال کی مختلف جلدوں میں بکھرے ہوئے ہیں(۱)۔

نواب صاحب نے جناب محفوظ الحق علمی اور دیگر بہائی دوستوں کے ذریعے بہائی لٹریچر پڑھا تھا اور علمی صاحب نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ نواب صاحب آخر عمر میں بہائی

---

۱۔ رجال اقبال۔

ہو گئے تھے۔

## شیخ الاسلام موسی جار اللہ (تولد : ۱۸۸۰ء)

آپ روس کے مقام راستوف میں ۱۸۸۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے، تعلیم قازان، بخارا، مصر اور حرمین میں جا کر حاصل کی۔ روسی مسلمانوں میں ان کا وہی پایہ تھا جو مصر میں مفتی محمد عبدہ کا ہے۔ روس میں موسیٰ جار اللہ مفتی اعظم سمجھے جاتے تھے۔ کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ ان کو جلاوطن کر کے بھوپال بھیج دیا گیا اور وہ یہیں پر قیام پذیر رہے

موسیٰ جار اللہ، علامہ اقبال اور سید محفوظ الحق علمی کے دوستوں میں سے تھے۔ بھوپال میں علمی صاحب سے اکثر گفتگو بہائی دین پر کیا کرتے تھے۔ علمی صاحب مبین امر اللہ کے زیر عنوان سلسلۂ مضامین میں لکھتے ہیں۔

"......پاکستان بننے سے پہلے جب قازقوں کو روس سے نکال دیا گیا تھا تو علامہ موسیٰ جار اللہ روس کے شیخ الاسلام بھی ہندوستان پہنچے تھے۔ حکومت ہند نے انہیں ریاست بھوپال، کے شیش محل میں رکھا تھا۔ میں بھی ان دنوں تبلیغ کے سلسلے میں بھوپال گیا ہوا تھا۔ میرے محترم دوست مشہور مزاح نگار ملا رموزی نے کہا کہ علامہ موسی جار اللہ روسی آج کل یہاں بھوپال میں ہیں جن کی عربی کتابیں آپ نے مدرسہ الہیات کان پور کے زمانے میں دیکھی تھیں۔ زبردست عالم و فاضل ہیں۔ ان سے ملاقات ہونی چاہئے۔ چنانچہ میں ایک دن صبح کے وقت علامہ موصوف کے پاس گیا۔ نہایت تپاک سے پیش آئے۔ اسی (۸۰) سال سے زیادہ عمر تھی، حلیم اور وسیع القلب تھے اپنا تعارف کراتے ہوئے میں نے بتایا کہ میں دہلی سے مجلہ (کوکب ہند) نکالتا ہوں اس وقت کچھ لکچروں کے سلسلے میں بھوپال آیا ہوں۔

علامہ نے پوچھا: "آپ کس مقصد پر لکچر دیتے ہیں" میں نے کہا: "عالمگیر صلح و اتحاد پر" علامہ نے فوراً تعجب کے ساتھ کہا کہ "وہ کیسے" میں علامہ کے تعجب کی وجہ سمجھ گیا۔ میں نے کہا "میں بہائی ہوں" تب علامہ نے خوش ہو کر کہا۔ اچھا اچھا اب میں سمجھ

گیا۔ اور فرمایا۔ ''ما در روسیه بهائی ها را خیلی تقدیر می کنیم من بحضرت شوقی ربانی هم ملاقات کرده ام ۔کتاب اقدس و دیگر کتب بهائی در کتب خانه من موجود است ۔''

ترجمہ: ہم روس میں بہائی حضرات کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ میں خود حضرت شوقی ربانی سے ملاقات کر چکا ہوں۔ میرے کتب خانے میں کتاب اقدس اور دوسری بہائی کتابیں موجود ہیں۔

پھر حسب ذیل مذاکرہ واقع ہوا۔ علامہ نے کہا: ''ولی من این را نفهمیدم که در بهائیت چیست که در اسلام نیست؟''۔

ترجمہ: لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ امر بہائی میں وہ کون سی بات ہے جو اسلام میں نہیں (یہ مکالمہ فارسی میں تھا لیکن صرف اُردو میں لکھنا کافی ہے)۔

میں نے کہا۔ بسیار خوب۔ جناب عالی تو خوب جانتے ہیں کہ اسلام صرف تیرہ سو سال سے نہیں قدیم سے ہے۔ ہر پیغمبر اسلام ہی لایا تھا۔ اسلام اطاعت الٰہی کا نام ہے۔ امر بہائی بھی اطاعت الٰہی کا دوسرا نام ہے۔ تو جیسا کہ ابتدا سے اسلام یعنی دین خداوندی ارتقاء کرتا چلا آیا۔ آج بھی ایسا ہی ہوا ہے اور آیندہ یہی ارتقاء ہوگا۔ بنیادی لحاظ سے خدا کا دین ازل سے ابد تک ایک ہی ہے۔ فروعات و شرائع میں حسبِ اقتضائے زمانہ تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ چنانچہ اب بھی ہوا ہے۔ مسلم ہے کہ دین کا مقصد بندوں میں محبت واتحاد پیدا کرنا ہے۔ اور یہ امر آہستہ آہستہ ترقی کرتا چلا آیا۔

آج سے تیرہ سو سال پہلے اقتضائے حالات کی بنا پر خداوند عالم نے حکم دیا کہ مومن غیر مومن سے مساویانہ سلوک نہ کریں۔ شریعت موسوی میں مومن اور غیر مومن کے درمیان شادی بیاہ کا رشتہ ممنوع تھا۔ شریعت قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف کر دی اور انسانوں کو باہم ملنے کے لئے اجازت دی کہ ایک مومن غیر مسلم اہل کتاب کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے۔ آج اللہ تعالیٰ نے لڑکی لینے اور دینے کی اجازت دی تاکہ اتحاد و محبت میں ترقی ہو۔

اصل کلی یہ ہے کہ اخوت جس کی اجازت قرآن مجید میں دی گئی وہ اخوت بین

المومنین ہے۔ انما المومنون اخوۃ ۔ (صرف مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں) آج اللہ تعالیٰ نے اخوت انسانی قائم کی ہے سب کو اجازت ہے کہ باہم معاشرت میں مل جل کر روح وریحان سے رہیں۔ گویا پہلے دائرۂ اخوت اسلامی کا تھا۔ آج اللہ تعالیٰ نے اس پر بڑا دائرہ اخوت انسانی کا قائم کیا ہے۔ تمام اقوام کے لئے حقوق بشری میں مساوات کا حکم ہے۔ لہذا اخوت بین المومنین کے بعد اخوت بین الانسان آج کا نیا حکم ہے جو پہلے نہ تھا۔ یہ ارتقائی عمل ہے اس ایک بنیادی بات سے بہت سے مسائل نئے ہوتے ہیں......"۔

جناب علامہ نے بڑے غور سے سنا اور خاموش رہے۔ پھر کچھ سوچ کر کہا: عالمی اخوت تو اسلام میں بھی ہے اسی آیت میں جو فرمایا: " انما المومنون اخوۃ" کہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں عالمی اخوت یوں ہو جاتی ہے۔ کہ یہود جو تورات کے مومن ہیں۔ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ عیسائی جو انجیل کے مومن ہیں وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسی طرح مسلم آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ یوں تمام عالم میں اخوت ہو گی "میں نے کہا کہ الگ الگ اخوتیں ہی تو آج اختلاف اور پریشانی کا باعث ہیں' سارے عالم انسانی کی وحدت و اخوت بدون فرق مذہب و ملت آج عالمی اخوت ہے۔ جس کا مفصل پروگرام اب خداوند عالم نے دیا ہے"۔

جناب علامہ نے فرمایا آپ نے خوب سوچا اور سمجھا ہے۔ مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے۔ میں سوچنے سمجھنے والوں کو پسند کرتا ہوں۔ اسی لئے روس میں بھی ہم لوگ بہائی احباب کی بڑی قدر کرتے ہیں آپ یہ عالمی صلح و اتحاد کا کام کئے جایئے"۔(خوشی خوشی ہم نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا) (۱)۔

---

۱۔ بہائی میگزین' کراچی اکتوبر ۱۹۶۸ء۔

# باب ہشتم

# "البیان" کا مطالعہ

# "البیان" کا مطالعہ

علامہ اقبال استمرار شریعت اسلام کے لئے اجتہاد کو ضروری سمجھتے تھے۔ آپ اس اہم فقہی موضوع پر ہمیشہ غور وفکر کرتے، مختلف جید علماء سے راہنمائی حاصل کرتے اور اس موضوع پر لکھی گئی قدیم وجدید کتب کا مطالعہ فرماتے رہے۔ عصر اقبال کے مسلمان کے اذہان اجتہاد کے حوالے سے دو خانوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اجتہاد کا دروازہ کلی بند کر دیا جائے یا اجتہاد کا دروازہ از سر نو کھولا جائے؟ تاکہ نئے سماج کے نئے مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے۔

علامہ اقبال جانتے تھے کہ ایک اجتہاد وہ ہوتا ہے جو نیا مظہر ظہور آکر مسائل کا معصوم عن الخطاء حل پیش کرتا ہے۔ اس ضمن میں سیدّ علی محمد باب کی مثال آپ کے سامنے تھی کہ ایران کے اس پچیس سالہ نوجوان نے خدا کی طرف سے نیا آئین پیش کر دیا جو کتاب "البیان" میں موجود ہے۔

۱۹۲۰ء کے بعد سے لے کر وفات تک علامہ کی دلچسپی اجتہاد سے بڑھ گئی تو حضرت باب کی شخصیت بھی ان کے سامنے نمایاں ہو گئی۔ یہی وہ دَور تھا جب ۱۹۲۴ء میں ترکی کی خلافت کا خاتمہ ہوا اور ترکوں نے اجتماعی اجتہاد کی اہمیت کو تسلیم کیا۔

چنانچہ اقبال پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے پروفیسر جناب مولوی محمد شفیع سے خط وکتابت کرکے اجتہاد کے موضوع پر بعض کتابیں فراہم کرنے کی استدعا کرتے نظر آتے ہیں۔

اس خط وکتابت کا موضوع تھا۔ "اسلام کے ڈھانچے میں قانون تحرک"۔ آپ اپنے مکتوب مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۲۴ء میں لکھتے ہیں:۔ "میں موجودہ اسلام میں اجتہاد کی آزادی" پر مقالہ لکھنا چاہتا ہوں اسی مکتوب میں آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ: "آپ ایران میں بہائی تحریک کی اولین شکل وصورت" جاننا چاہتے ہیں اور یہ کہ آپ حضرت علی محمد باب کی کتاب "البیان" کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔

دوسرے دن اقبال نے دوبارہ مولوی محمد شفیع صاحب کو لکھا کہ وہ بابیت پر دو

کتابیں چاہتے ہیں۔ ان میں سے ایک نکولائے کا ترجمہ کیا ہوا "البیان" تھا۔

خطوط کے مرتب ڈاکٹر عبادت بریلوی فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں کہ اس وقت بابیت پر مندرجہ ذیل کتابیں دستیاب تھیں:

۱۔ای جی براون کا مقالہ (لندن ۱۸۹۱ء)

1-A Traveller's Narrative

2-Material for the study of the Babi religion.

3-Seyyed Ali Muhammad dit le: اے۔ایل ایم نیکولائے کی تالیف

Bab (Paris 1905).

۴-Tarikh Jadid ترجمہ: ای جی براون (۱۸۹۳ء)۔

معلوم یہی ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے کتاب "البیان" اور دیگر کتابیں اقبال کو ضرور ہی فراہم کی ہوں گی کہ آپ بار بار اس کا مطالبہ کر رہے تھے۔ بابی شریعت کی سٹڈی کے سلسلے میں اقبال کے دونوں مکاتیب جو ۲۹ اپریل ۱۹۲۴ء کو اور یکم مئی ۱۹۲۴ء کو تحریر ہوئے یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں۔

## *IQBAL ON THE FREEDOM OF IJTIHAD*

How Allama Dr. Muhammad Iqbal came to be at grips with the ticklish problem of Ijtihad in modern times is not known to most of his admirrers. We however know that with a view to adequately equipping himself to discuss "the principle of movement in the structure of Islam", Iqbal wrote on 29th April 1924, a letter (1) to

---------------------

1. About 15 years ago when I was working next to the Chairman, on the Editorial Board of the Urdu Encyclopaedia of Islaṃ, Lahore, we had a short discourse on "Ijtihad". My Teacher and senior colleague Professor Shafi, asked me to revise the article on Ijtihad for the Encyclopaedia. On my cauạl remark

Professor Maulawi Muhammad Shafi, M.A. (Cantab) of the University Oriental College, Lahore. The text of the letter- hitherto unpublished -- is reproduced verbatim at literatim :

Lahore

29th Appril 1924

My dear Shafi,

I intend to write a paper on the Freedom of Ijtihad in modern Islam and in this connection to understand the present happenings in Turkey. In order to trace the history of this idea , I think , I shall have to study something about the taaching of Ibn Taimiyya and Abdul Wahab of Najd. Also perhaps the early form of the Bahai Movement in Persia (Bab-Muhammad Ali). Could you suggest and send any material that you may have got in the Library ? I can think of the following works.

1. Encyclopaedia of Islam (1)

2. Macdonald 's Theology in Islam (2)

3. Al Bayan of Muhammad Ali Bab(3)

4.Stoddard's New World of Islam (4)

-------------------------------

continue from page No.166

that the gate of Ijtihad was always open, he at once took out an old file of loose papers; and with a smile he passed on to me four of the letters addressed to him by the late Dr. Iqbal. These letters are now being reproduced facsimile.

1.The Encyclopaedia of Islam, ed. M. Th. Houtsma & others (2 Vols. Leyden(1913-21).(Dr.Ibadat).

2.D.B. Macdonald : Development of Muslim Theology, Jurisprudence and Constitutional Theory, London & New York 1903.

3. Ali Muhammad Bab : al Bayan (trans. A. L. M. Nicolas, Paris 1911-14).

4. Lothrop Stoddard : The New World of Islam, Lahore 1921 .

If you have got in the Library other books pertaining to the subject I shall feel obliged if you could send me that along with the books mentioned above.

I have got Prof. Fischer's German translation of some of the things written recently in Turkey.

O' Leary's book(1) I sent to you long ago. The Librarian thinks I have still got it. Please tell him that the book is not with me . I kept it only one day and returned to forthwith.

Yours sincerely,

Muhammad Iqbal

The letter was promptly acknowledged and the next day Dr. Mohammad Iqbal again wrote to Professor Muhammad Shafi, asking for two of the books on Babism.

Dear Shafi,

Please send the two books on Babism (2) which you noted down yesterday. I remember Ibn Khaldun has expressed him

---

1.Most probably it was :

Lacy O' Leary : Islam at the Cross-Roads, London 1923.

2.The following of the works on Babism were already available in print :

E.G. Browne : A Traveller's Narrative (toillustratethe episode of the Bab) London 1891.

E.G. Browne : Materials for the Study of the Babi Religion, London 1918;

A.L. M. Nicolas : Seyyid Ali Muhammad dit le Bab, Paris 1905.

self on the idea of Khilafat either in his مقدمہ (1) or elsewhere. I should be obliged if you could trace it out for me and send me the book in which the view is stated. I should also like to see what Sir Sayyid has said about the matter.

Have you got Prof. Vamberey's book dealing with Russian Muhammedans ?(2) . Please send me any book (if you have got one ) dealing with the intellectual life of the Russian Muhammedans.

Thanking you for all the trouble that I have given you or may give you.

Yours & c.

Muhammad Iqbal(3)

---

1. For the views of Ibn Khaldun on Khilafat, see his Muqaddima , ed Quatermere, Paris 1858 (Chapters 25-28); and its trans. by M. de Slane , Paris 1862-68 , i . 384-468; Cairo edition of A.H. 1378, ii . 527 ff.

2. Professor Arminius Vambery of the University of Budapest has left two important works on Central Asia and its people :

(a) Travels in Central Asia (in 1863 to Khiva, Bukhara and Samarqand, London 1864.

(b) Western Culture in Eastern Lands, ( a Comparison of the Methods adopted by England and Russia in the Middle East), London 1906.

Here Dr. Iqbal perhaps refers to the second work(3)

---

۳- جشن اقبال' عبادت بریلوی پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور ۱۹۷۷ء

یاد رہے کہ جے ۔ ٹی نیکولائے ایران میں فرانسیسی سفارت خانے میں ملازم تھا۔ اس کا بیٹا اے۔ ایل۔ ایم نیکولائے ایران کے شہر رشت میں ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوا۔ وہ فرانسیسی کے ساتھ ساتھ فارسی اور روسی بھی خوب جانتا تھا۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ بھی اپنے والد کی طرح فرانسیسی سفارت میں فسٹ سکریٹری کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ اس نے زندگی کا اکثر حصہ ایران میں گذارا۔ نیکولائے کنت دوگوبینو کی تحقیقات سے متاثر ہو کر بابی تحریک کے مطالعات کی طرف متوجہ ہوا۔ نیکولائے نے "البیان" (فارسی) کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا جو چار جلدوں میں "Le Beyan Persian" کے نام سے پیرس میں ۱۴-۱۹۱۱ء کے درمیان شائع ہوا۔ اس کے علاوہ نیکولائے نے دلائل سبعہ اور بیان (عربی) کا ترجمہ بھی کیا۔ نیکولائے کی اہم تصنیف "Seyyed Ali Muhammad dit le Bab" ہے جو ۱۹۰۵ء میں پیرس میں شائع ہوئی۔ یہ ۱۸۴۴ء سے لے کر ۱۸۵۲ء تک کی بابی تحریک کی مستند تاریخ ہے۔

علامہ اقبال نے مولوی محمد شفیع سے نیکولائے کا "البیان" فارسی کا ترجمہ طلب کیا تھا۔

حضرت سید علی محمد باب پر ۱۸۴۴ء سے ۱۸۵۰ء تک ۹ سال کی مدت میں جو کلام خداوندی عربی و فارسی میں نازل ہوا۔ اس کا مختصر تعارف اس طرح ہے:

## حضرت سیّد علی محمد باب کے آثارِ مبارکہ

حضرت سیّد علی محمد باب مہدی موعود اور قائم آل محمد تھے۔ آپ پر عربی و فارسی میں درجنوں صحائف نازل ہوئے جن میں گوناگوں مسائل۔ فرائض، احکام، تمدنی قوانین اور انتظامی امور کے بارے میں ہدایات ملتی ہیں۔ آپ کا کلام حلاّل مشکلات ہے اور کاشف اسرار و رموز بھی۔ یہ کلام بندوں کو روحانی مسرت و اطمینان عطا کرتا ہے اور صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے۔ یہ آیات الٰہی انسانی قلوب کو روشن کرتی ہیں۔ محاسن اخلاق کو ترویج دیتی ہیں اور ایک پُر امن پاکیزہ روحانی معاشرہ قائم کرنے کا ہدف پورا کرتی ہیں۔

سید علی محمد باب کے آسمانی القاب چالیس سے اوپر آئے ہیں جن میں بہت مشہور یہ

ہیں۔ باب اللہ، نقطۂ اولی، نقطۂ بیان، ذکر اللہ، حضرت اعلیٰ، مبشر من یظہرہ اللہ، مظہر ربوبیت۔ مہدی، قائم۔ وغیرہ۔

آپ کے منصب دو طرح کے تھے۔

اولاً آپ شارع تھے کہ آپ نے خدا کی قدرت و علم اور مشیت و ارادہ سے شریعت "بیان" نازل فرمائی اور اس کے ذریعے سنن سابقہ کو منسوخ کر دیا۔ ثانیاً مبشر من یظہرہ اللہ تھے۔ آپ نے اپنے صحائف میں باربار بشارات دیں کہ آپ کی بعثت کے ۹ سال بعد اس ہستی کا ظہور ہوگا جسے خدا ظاہر فرمائے گا۔ چنانچہ حضرت بہاء اللہ کا ظہور ۹ سال بعد ۱۸۵۲ء میں ہوا۔

آپ کی تحریریں اس قدر متنوع اور زیادہ ہیں کہ ان کی درجہ بندی ممکن نہیں ہے۔ حضرت باب نے سارا کلام اپنے قلم سے تحریر کیا اور اسے محفوظ کر دیا۔ آپ کی مختلف تحریروں کو موقع و محل اور موضوع کے لحاظ سے کتاب، صحیفہ، رسالہ، تفسیر، توقیع، خطاب اور خطبہ کا نام دیا گیا ہے۔

تبویب مضامین کے اعتبار سے آپ کے کلام میں یہ مضامین ملتے ہیں:

۱- پیام الٰہی۔ ۲- مناجات۔ ۳- تفسیر بیانات الٰہیہ۔ ۴- خطبات۔ در تقدیس ذاتِ باری۔ ۵- دلائل انبیاء و احکام۔

## زمانۂ نزول کلام

حضرت باب نے جوانی ہی میں آیات الٰہی کی تحریر شروع کر دی تھی۔ فرانسیسی محقق نیکلا نے لکھا ہے کہ آپ نے انیس سال کی عمر میں اپنا اولین رسالہ "رسالہ فقہیہ" تحریر کیا تھا۔ اس وقت آپ بوشہر میں مقیم تھے اور کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔

اسی طرح ظہور سے قبل آپ نے "رسالہ سلوک" لکھا تھا اور یہ غالباً سیدّ کاظم رشتی کی حیات میں کربلا میں نازل ہوا تھا۔

تفسیر سورۂ بقرہ اعلان امر سے چھ ماہ قبل آپ پر اُتری تھی۔

"قیوم الاسماء" کا کچھ حصہ ۲۲ مئی ۱۸۴۴ء کی شب عرفی میں نازل کیا گیا، یہ

سورہ یوسف کی تفسیر ہے اور اس کا ایک نام احسن القصص بھی ہے، قرآن کی سورہ یوسف کی ہر آیۂ مبارکہ کے مقابلے میں ایک ایک مستقل سورہ آپ پر نازل ہوئی۔ اس طرح یہ صحیفہ ۹ ہزار تین سو ابیات پر مشتمل ہے اس کا ایک حصہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔

کتاب ''البیان'' فارسی میں ہے۔ ہر کتاب میں ۱۹ واحد اور ہر واحد میں ۱۹ ابواب ہیں۔ کتاب ''البیان'' قلعہ ماکو میں اسارت کے دوران ۱۸۴۸ء میں نازل ہوئی۔ پہلے ''البیان''۔ البیان اسلام کی اس پیشگوئی کو پورا کرتی ہے کہ بنی ہاشم میں ایک جوان پیدا ہوگا جو نئی کتاب لائے گا اور نیا آئین آسمانی وضع کرے گا۔

''البیان'' بابی شریعت کی امّ الکتاب ہے۔ لیکن احکام شریعت کے علاوہ اس میں آسمانی صحیفوں کی بشارات اور متشابہات کی تفسیر بھی ملتی ہے۔ کتاب ایقان جو حضرت بہاء اللہ نے بغداد میں نازل کی وہ کتاب ''البیان'' ہی کا تتمہ (ضمیمہ) ہے۔

## دلائل سبعہ

اس صحیفہ میں مظاہر ظہور کی صداقت کے سات دلائل دیئے گئے ہیں۔ یہ صحیفہ ماکو میں نازل ہوا اور زمانۂ نزول وہی ہے جو البیان کے نزول کا ہے۔ اس کا کچھ حصہ عربی میں اور کچھ فارسی میں ہے اس کا اسلوب بدیع اور انداز بیحد پرکشش ہے، دلائل سبعہ کا فرانسیسی ترجمہ موسیو نکلا نے ۱۹۰۲ء میں شائع کیا تھا۔

## کتاب الروح

یہ سات سو سورہ پر مشتمل ہے اور ہر سورہ میں سات آیات ہیں۔ یہ شیراز میں نازل ہوئی۔

## صحیفہ عدلیہ

اظہار امر کے بعد فارسی میں نازل ہونے والا اولین صحیفہ ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے واپسی کے بعد شیراز میں ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء میں اُترا۔ اس کے کل ۵ باب اور سات سو سورہ ہیں۔ اس میں چودہ آئمہ طاہرین کی صفات عالیہ کا ذکر ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خلق شے

جو مراحل ہفت گانہ طے کرتی ہے وہ مراحل یہ ہیں: مشیت ٗ ارادہ ٗ قدر ٗ قضا ٗ اذن ٗ اجل ٗ کتاب۔

## خصائل سبعہ

یہ صحیفہ مکہ مکرمہ سے مراجعت کے بعد بوشہر میں اترا۔ اس میں سیدّ باب نے اپنے بڑے ماموں (خال اعظم) کو مخاطب کیا ہے ٗ اس میں حکم دیا گیا کہ اذان میں یہ کلمات اضافہ کئے جائیں: "اشهدانّ علياً قبل محمد عبُد بقية الله" ۔ خصائل سبعہ میں حضرت بہاء اللہ کے ظہور کی واضح بشارات دی گئی ہیں۔

## رسالہ پنج شان

یہ فارسی توقیعات کئی احباب کے نام تحریر ہوئی تھیں ۔ زمانہٗ نزول ۱۲۶۲ ھ / ۱۸۴۵ء ہے۔

کتاب الاسماء (اس کا دوسرا نام چہار شان بھی آیا ہے) یہ دو حصوں میں نازل ہوئی۔ کتاب الاسماء میں اللہ تعالیٰ کے ۲۶۱ اسمائے حسنیٰ کی ۳۶۱ ابواب میں تشریح کی گئی ہے۔ البیان کی طرح اس کے کل ۱۹ واحد ہیں اور ہر واحد میں ۱۹ باب ہیں یہ چار ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔

## رسالہ ذہبیہ

یہ رسالہ حضرت باب نے مرزا بابا ذہبی مرشد سلسلہ ذہبیہ کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا تھا اس میں حقانیت نقطہٗ بیان کے دلائل دیئے گئے ہیں۔

## رسالہ فروغ عدلیہ

یہ رسالہ مبارکہ رجب ۱۲۶۲ھ سے پہلے اس زمانے میں نازل ہوا جب آپ میر سیدّ محمد امام جمعہ اصفہان کے گھر نظر بند تھے۔ اس کا عربی میں ترجمہ انہی دنوں ملا محمد تقی ہراتی نے کیا تھا۔ اس رسالہ کے کل سات باب ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت باب نے بر سر اقتدار حکاّم ٗ علماء اور دیگر اشخاص کے نام جو خطوط (توقیعات) لکھے تھے اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

# توقیع

۱- خطاب بنام سلطان عبدالحمید ترکی

خطاب بنام نجیب پاشا والی بغداد

توقیع بنام محمد شاہ قاچار شاہ ایران

توقیع بنام محمد شاہ (بوشہر سے)

توقیع بنام محمد شاہ موضع سیاہ دھان (قزوین سے)

توقیع بنام محمد شاہ (ماکو سے)

توقیع بنام محمد شاہ (چہریق سے)

تین توقیعات حاجی مرزا آقاسی وزیر اعظم ایران کے نام۔

ان میں سے تیسری توقیع مبارکہ کا نام خطبہ قہریہ ہے جو حضرت باب نے مناظرہ کے بعد تبریز سے چہریق واپس جاتے ہوئے آقاسی کو بھیجی تھی۔

| | |
|---|---|
| پانچ توقیعات | ملا حسین بشروئی کے نام |
| تین توقیعات | میرزا سیدؔ حسن کاتب کے نام |
| ایک توقیع | میرزا حسن خراسانی کے نام |
| ایک توقیع | ملا محمد علی قدوس کے نام |
| ایک توقیع | سلیمان بن عون گورنر مکہ کے نام |
| ایک توقیع | ملا صادق مقدس کے نام |
| ۶ صحیفے | جناب خال اعظم کے نام |
| ایک توقیع | شیخ سلمان آل عصفور کے نام (بوشہر میں نازل ہوئی) |
| ایک توقیع | ملا حسن گوہر کے نام |
| ایک توقیع | سید علی کرمانی کے نام |
| ایک توقیع | قرۃ العین طاہرہ کے نام |
| ایک توقیع | شیخ حسن (صاحب جواہر) کے نام |

ان توقیعات کے علاوہ حضرت باب نے قرآن کی مختلف سورتوں پر جو تفاسیر تحریر کیں ان میں سے چند ایک کی فہرست اس طرح ہے۔

## تفسیر

تفسیر سورہ اسماء، تفسیر بسم اللہ، تفسیر آیہ نور، تفسیر سورہ اخلاص، تفسیر کلام کاظم رشتی، تفسیر الھو، تفسیر سورہ کوثر، تفسیر حدیث کمیل، تفسیر حدیث نحن وجہ اللہ، تفسیر سہ گانہ قرآن حکیم، تفسیر الھاء، تفسیر سورۃ القدر، تفسیر حروف بسم اللہ، تفسیر حدیث جاریہ، تفسیر دائرۃ الجنہ، تفسیر سورہ و العصر، تفسیر الحمد، تفسیر دعا الصباح۔

## لوح

آپ نے جو الواح نازل کیں ان کی تفصیل :

لوح حروفات، یہ میرزا اسد اللہ خوئی (دیان) کے نام چہریق سے نازل ہوئی۔

لوح ھیکل بنام ملا باقر حرف حیؑ ۔

لوح ھیکل : وہ الواح و تفاسیر جو سفر حج کے دوران کوئی بدو اٹھا کر لے گیا اور پھر واپس نہ ہوئیں۔

## شروح

آپ نے جو رسائل اور شروح قلم بند کئے وہ یہ ہیں۔

رسالہ در اثبات نبوت خاصہ

منوچہر خان گورنر اصفہان کی فرمائش پر یہ رسالہ لکھا گیا۔ اس کا سال تحریر ۱۲۶۲ھ ہے اور یہ صرف دو گھنٹوں میں تحریر ہوا تھا اسے پڑھ کر منوچہر خان عیسائیت کو ترک کر کے بابی ہو گیا تھا۔

شرح در کیفیت معراج

شرح حدیث۔ مامن فعل یفعلہ العبد

شرح حدیث۔ علّمنی اخی رسول اللہؐ

رسالہ غنا، رسالہ رجعت۔ در جواب سلطان الذاکرین روضہ خوان اصفہان۔

## صحائف : آپ کے چند صحائف کے نام :

صحیفہ بین الحرمین۔ میرزا محیط کرمانی کے سوالوں کے جواب میں مکہ و مدینہ کے درمیان نازل ہوا۔ صحیفہ اعمال السنہ (۱۴ ابواب)۔

## صحیفہ جعفریہ

صحیفہ شرح دعا غیبت

صحیفہ مخزونہ۔ صحیفہ الرضویہ۔ صحیفۃ الحج۔

## خطبات :

دو خطبات۔ بوشہر

ایک خطبہ۔ سفینہ میں

خطبہ۔ مصیبت امام حسینؑ

خطبہ۔ یوم فطر (مسقط) میں نازل ہوا۔

خطبہ۔ در راہ مکہ

خطبہ۔ جدہ میں

خطبہ۔ جو مدینہ منورہ کے نزدیک نازل ہوا۔

## متفرق

کتاب الطہارۃ۔ دعائے الف، بیان مسئلہ قدر، بیان علت تحریم المحارم، بیان در جبر و تفویض، بیان التقارب والتباعد، رسالہ در صرف و نحو، رسالہ در علم جوامد و مشتقات، رسالہ در بسیط حقیقت، اللوامع البدیع وغیرہ (۱)۔

حضرت سید علی محمد باب کا عربی و فارسی کلام پڑھ کر قارئین یقین کرلیں گے کہ آپ کو علم لدنی عطا کیا گیا تھا۔ آپ کا کلام فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ ترین معیار ہے جو پاکیزہ دلوں اور نیک ارواح پر ایسا اثر کرتا رہا ہے اور اب بھی کر رہا ہے کہ ایران کے بیس ہزار

---

۱۔ سوانح سید علی محمد باب۔ ترجمہ: صابر آفاقی۔

نفوس جن میں مجتہدین، علماء، عرفاء اور شعراء شامل تھے آپ کے عشق میں جام شہادت نوش کر کے حیات ابدی پا گئے۔

آپ ہی انصاف کیجئے ان درجنوں فصیح ترین آثار کی موجودگی میں مناظرۂ تبریز میں آپ کی شکست کی خود ساختہ داستان میں کتنی حقیقت رہ جاتی ہے (اعدلوا ھو اقرب للتقوی)۔

## باب ہشتم

# چند غلط فہمیاں اور اُن کا ازالہ

علامہ اقبال امر بہائی کی تاریخ، تعلیمات اور عقائد سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے امر بہائی کی تعلیمات فلسفہ، علم الکلام اور اصطلاحات سے اپنے کلام میں استفادہ کیا ہے۔ اقبال اس روش کو اہل بہاء کے خلوص و ایمان کا ثبوت جانتے تھے کہ وہ اپنے تئیں کسی سابقہ امت کا فرقہ نہیں سمجھتے بلکہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا مظہر ظہور، ان کے عقائد اور ان کی شریعت الگ اور مستقل ہے۔

میری ناقص رائے ہے کہ اقبال زود باور تھے۔ ان تک جو بات یا واقعہ پہنچتا تھا اس کی تحقیق کم کرتے تھے اور فوری طور پر نظم یا قطعہ میں اپنا رد عمل ظاہر کر دیتے تھے۔ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

ذیل میں ہم امر بہائی کے بارے میں علامہ کی چند ایسی غلط فہمیوں کا ذکر کر کے ان کا ازالہ کریں گے جو ان کے ذہن میں غیر مستند روایات یا لوگوں کی غیر ذمہ دارانہ گفتگو کی بدولت پیدا ہو گئی تھیں۔

## غلط فہمی-۱

اقبال کو ایک غلط فہمی اس غلط رپورٹ سے ہوئی کہ حضرت باب اعراب غلط پڑھتے تھے۔ اقبال کی درج ذیل نظم "محمد علی باب" "ضرب کلیم" میں شامل ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

### محمد علی باب

تھی خوب حضور علماء باب کی تقریر ۔۔۔ بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعراب سموات
اس کی غلطی پر علماء تھے متبسم ۔۔۔ بولا تمہیں معلوم نہیں میرے مقامات
اب میری امامت کے تصدق میں ہیں آزاد ۔۔۔ محبوس تھے اعراب میں قرآن کے آیات(۱)

اس قطعہ میں جناب اقبال اس مناظرہ کا ذکر کرتے ہیں جو حضرت باب اور علماء کے درمیان تبریز میں جولائی ۱۸۴۸ء میں ہوا تھا۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اقبال حساس شاعر تھے اس لئے وہ غالباً ناموں کی صحت اور واقعات کی صداقت کی طرف توجہ کم کرتے

---

۱- کلیات اقبال، ص ۱۴۱۔

تھے۔ یہاں انہوں نے حضرت باب کا نام علی محمد کی بجائے محمد علی لکھا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔ قائداعظم کے بارے میں جو قطعہ انہوں نے کہا تھا اس میں بھی وہ محمد علی کا نام ہی۔ حضرت باب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مولوی محمد شفیع کے نام اپنے ایک انگریزی خط میں بھی وہ محمد علی ہی لکھتے ہیں۔ حالانکہ نام کی صحت کا خیال رکھنا تحقیق کی شرط اول ہے۔

اقبال ایک فیلسوف اور سنجیدہ آدمی تھے۔ لیکن حیرت ہے یہاں وہ طنزیہ انداز اپنائے ہوئے ہیں اور حضرت باب کو "بیچارہ" قرار دیتے ہیں۔ یہ رویہ جناب اقبال کی شخصیت کے احترام میں کوئی اضافہ نہیں کرتا۔

اقبال نے یہاں نہیں بتایا کہ حضرت باب نے "اعراب سموات" پڑھنے میں کون سی غلطی کی تھی۔ اس غلطی کا بتانا ضروری تھا۔

پہلے ہم اس تاریخی مناظرہ کا حال لکھتے ہیں اور پھر یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ اس محاکمہ میں حضرت باب سے کیسا رویہ روا رکھا گیا۔ آپ سے کیا کیا سوالات کئے گئے اور خود حضرت باب کا رویہ کیسا رہا۔ نیز یہ بھی بتایا جائے گا کہ زبان میں قواعد نحو کی اہمیت کیا ہے اور ان قواعد کی پابندی ضروری ہے یا نہیں۔ اب پہلے مناظرہ کی روداد جو میری پارکنز نے تحریر کی ہے۔

## تبریز میں محاکمہ

"..... حاجی مرزا آقاسی وزیراعظم ایران نے احکامات جاری کئے کہ حضرت باب کو چہریق سے تبریز لایا جائے۔ حضرت باب کو تنہا کرنے اور بابی تحریک کو مٹانے کا منصوبہ اس دفعہ بھی ناکام رہا لیکن پھر بھی اُس نے اس صورت حال سے فائدہ اُٹھانے کی پوری پوری کوشش کی۔ حاجی میرزا آقاسی یہ چاہتا تھا کہ متعصب مسلمان علماء کی حمایت حاصل کی جائے۔ شاہ ایران کی خرابی صحت ایسی حمایت اور نصرت حاصل کرنے کا ایک بڑا سبب تھی۔

حاجی میرزا آقاسی نے اعلان کیا کہ تبریز میں علماء کی ایک مجلس بلائی جائے جس میں حضرت باب کے لئے مناسب سزا اور بابی تحریک کا خاتمہ کرنے کیلئے منصوبہ تجویز کیا جائے۔ قلعہ چہریق میں حکم پہنچنے سے پہلے ہی حضرت باب نے ان پیروں کو جو آپ سے ملنے

کیلئے اُس علاقے میں آئے ہوئے تھے چلے جانے کا مشورہ دے دیا تھا۔ آپ نے ماکو اور چہریق میں جو الواح تحریر کیں۔ یہ انتظام کیا کہ اُن کو تبریز میں محفوظ جگہ پہنچا دیا جائے۔ حضرت باب کو شہر خوئی کے بجائے جہاں آپ کے کئی پیرو رہتے تھے ارد میہ کے راستے تبریز پہنچایا گیا آپ ارومیہ جمعہ کے دن پہنچے جہاں شہر کے میئر نے آپ کا گرمجوشی سے استقبال کیا وہ حضرت باب کی جرأت کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت باب پبلک حمام میں تشریف لے جانے لگے تو میئر نے اپنا ذاتی گھوڑا اُن کو پیش کیا۔ میئر جانتا تھا کہ یہ گھوڑا اڑیل اور خطرناک ہے اور یہ کہ آج تک کوئی بھی اُس کو رام نہیں کر سکا تاہم سائیس نے حضرت باب کو گھوڑے کے بارے میں بتا دیا اور مشورہ دیا کہ وہ اس پر سوار نہ ہوں۔ "ڈرو نہیں" حضرت باب نے جواب دیا "تمہیں جو کچھ کہا گیا ہے وہ کرو اور ہمیں خدا کے حوالے کر دو"۔ اس روز ارد میہ کا پبلک چوک تماشائیوں سے اٹا پڑا تھا جب شہریوں کو میئر کے منصوبے کا علم ہوا تو وہ یہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تھے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے ؟ گھوڑا حضرت باب کو پیش کیا گیا۔ آپ بڑے سکون اور وقار سے اُس کے پاس گئے لگام اپنے ہاتھ میں تھامی اور آہستگی سے گھوڑے کو پچکارا۔ گھوڑا آرام سے کھڑا رہا اور جب حضرت باب اُس کی پیٹھ پر بیٹھ گئے تو وہ بڑی آہستگی سے آپ کو حمام تک لے گیا۔ لوگوں کا ایک ہجوم اُن کے پیچھے پیچھے ہو لیا تا کہ آپ کی رکاب کو چُوم سکے۔ مگر اُن کو میئر کے ملازموں نے پیچھے ہٹا دیا۔ میئر حضرت باب کے ساتھ ساتھ حمام تک پورے راستے میں پیدل چلتا رہا۔ حمام فرمانے کے بعد آپ اسی گھوڑے سے واپس آئے لوگ وہ پانی جو آپ نے غُسل کے لئے استعمال کیا تھا تبرک کے طور پر لینے کے لئے بھاگے ......

حضرت باب جولائی ۱۸۴۸ء کے اواخر میں تبریز پہنچے اُس وقت ملا حسین اور آپ کے ساتھیوں نے آمل کی طرف مارچ کر رکھا تھا۔ تبریز شہر میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ ارباب اقتدار یہ جانتے تھے کہ حضرت باب کو فصیل شہر کے اندر لے جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ انہوں نے یہ انتظام کیا کہ حضرت باب کو بیرون شہر ایک گھر میں ٹھہرایا جائے۔ جب آپ کو شہر میں لایا گیا اور گورنر کی رہائش گاہ پر پہنچایا گیا جہاں علماء کی مجلس منعقد ہونا تھی تو لوگوں نے دربار میں جانے والا راستہ بند کر رکھا تھا۔ پاسبانوں نے مشکل سے راستہ بنایا تا کہ

آپ دربار میں داخل ہو سکیں۔

جب سید باب دربار کے اندر پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں ایک ہی کرسی خالی تھی جو گورنر (ولی عہد) کے لئے رکھی گئی تھی۔ حضرت باب نے حاضرین کو سلام کیا اور خالی کُرسی پر تشریف فرما ہو گئے۔ جلال' وقار اور قدرت آپ کی ہیکل مبارک سے نمایاں تھی۔ دربار پر ایک گہری پُراسرار خاموشی چھا گئی۔ کسی نے ایک لفظ تک ادا کرنے کی جرأت نہ کی۔ تب ایک عالم دین' جو ولی عہد کا اتالیق تھا۔ حضرت باب سے یوں مخاطب ہوا: "تم کیا دعویٰ کرتے ہو؟ اور وہ پیغام کیا ہے جو تم لائے ہو؟" حضرت باب نے جواب دیا: "میں ہوں' میں ہوں' میں ہوں موعود۔ میں وہ ہوں جس کا نام تم ایک ہزار سال سے لیتے آئے ہو۔ جس کے ذکر کے لئے تم پیدا کئے گئے ہو جس کے ظہور کی شہادت دینے کے لئے تم تمنا کرتے تھے اور جس کے ظہور کی گھڑی کے جلد آنے کی تم خدا سے دُعا کرتے تھے۔ لاریب میں کہتا ہوں کہ یہ مشرق اور مغرب کے لوگوں پر واجب ہے کہ میرے کلمہ کی اطاعت کریں اور ہماری ذات کے اتباع کا عہد کریں......"۔ یہ سن کر سب حاضرین پر ایک حیرت چھا گئی' سر جھک گئے اور چہرے پیلے پڑ گئے۔ تب ایک سفید ریش عالم دین نے جو سیّد کاظم کا شاگرد رہ چکا تھا اور سیّد کاظم اُس کے غیر مخلصانہ رویے پر آنسو بہا چکے تھے۔ حضرت باب کو ڈانٹنا شروع کیا اور بولا "اے کمبخت اور شیراز کے نابالغ لڑکے! تم عراق پر پہلے ہی لرزہ طاری کر چکے ہو کیا اب آذربائیجان میں بھی ایسا ہی ہنگامہ کھڑا کرنا چاہتے ہو۔" "عالی جناب"، حضرت باب بولے: میں یہاں اپنی مرضی سے نہیں آیا مجھے یہاں طلب کیا گیا ہے۔" آرام سے بیٹھو۔" مولوی چلایا' "تم گمراہ اور شیطان کے پیرو ہو۔" تب ولی عہد کے اتالیق نے دوبارہ گفتگو شروع کی۔ اس نے کہا: "جو دعویٰ تم نے پیش کیا ہے" وہ احمقانہ ہے اس کی کسی ناقابل تردید حجت سے تائید ہونی چاہئے۔" حضرت باب نے فرمایا: "سب سے بڑی اور منوانے والی دلیل جو رسولؐ خدا نے پیش کی ہے۔ وہ آپ کا کلام ہے آپ خود اس حقیقت کی تصدیق فرماتے ہیں: کیا یہ اُن لوگوں کے لئے کافی نہیں کہ ہم نے تم پر ایک کتاب نازل کی جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی

ہے(۱)۔ یہ دلیل پیش کرنے کی طاقت خدا نے مجھے دی ہے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم دو شبانہ روز میں اتنی تعداد میں آیات الٰہی نازل کرنے کے قابل ہیں جو پورے قرآن کے برابر ہوں۔" ولی عہد کے اتالیق نے حضرت باب کو چیلنج کیا کہ وہ اس مجلس کی کاروائی ایسی زبان میں فرمائیں جو قرآن کی زبان سے ملتی جلتی ہو۔ حضرت باب نے یہ چیلنج قبول کر لیا اور گویا ہوئے: **بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمدللہ الذی خلق السموات و الارض** اس موقع پر اسی سفید ریش مولوی نے بڑی بدتمیزی سے مداخلت کی جس نے پہلے آپ کو ڈانٹا تھا اُس کو یہ شکایت تھی کہ حضرت باب نے عربی نحو کے ایک ابتدائی اصول کو نظر انداز کر دیا "اس ہمارے خود ساختہ قائم نے" وہ عالم دین کبر و نخوت سے چلایا" خطاب کے آغاز میں ہی نحو کے بالکل ابتدائی اصولوں کے بارے میں اپنی ناواقفیت کا اظہار کر دیا ہے"۔ اس پر حضرت باب نے جواب دیا: "خود قرآن پاک بھی لوگوں میں مروّج قواعد اور اصول کے مطابق نہیں ہے کلمۃ اللہ مخلوق کی محدودیت کے ماتحت کبھی نہیں ہوتا۔"

اس بیان کے بعد حضرت باب نے دوبارہ وہی کلمات دھرائے چنانچہ اُس مولوی نے دوبارہ مداخلت کی اور اپنا وہی اعتراض دھرایا تب ایک دوسرے مولوی نے گرائمر کے ایک اور نکتے کے بارے میں بے ہودہ سا سوال کر دیا۔ حضرت باب نے اس موقع پر قرآن پاک کی آیہ مبارکہ پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے:

......یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحب عزت ہے اس سے پاک ہے اور رسولوں پر سلام اور سب طرح کی تعریف خدائے رب العالمین کے لئے ہے(۲)۔

پھر آپ اپنی جگہ سے اُٹھے اور چلے گئے۔ جس انداز میں مجلس منعقد ہوئی اور جس طرح حضرت باب سے توہین آمیز سلوک کیا گیا اُس پر ولی عہد کا اتالیق اور کچھ دوسرے علماء پریشان ہو گئے۔ دوسرے لوگ حضرت باب سے کئے گئے سلوک پر بر آفروختہ ہو گئے اور اکثریت کا ساتھ دیتے ہوئے وہ یہ خوف محسوس کرنے لگے کہ امر باب کی ترقی ان کے جاہ و منصب کے لئے ایک خطرہ ہے۔ اب فیصلہ کیا گیا کہ حضرت باب کو تبریز کے بڑے علماء میں

---

۱-العنکبوت آیہ :۵۱۔ ۲-الصافات آیہ :۱۸۱۔

سے کسی کے گھر لے جایا جائے اور گورنر کے محافظ اُن کو کوڑے لگائیں۔ ان محافظوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اُن کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ معاملہ صرف علماء سے متعلق ہے۔ تب تبریز کی مذہبی عدالت کے چیف جج نے جو خود بھی سیّد تھا یہ فیصلہ کیا کہ وہ خود حضرت باب کے کوڑے لگائے گا چنانچہ حضرت باب کو اُس کے گھر لے جایا گیا اور اس شقی جج نے حضرت باب کے پائے مبارک کے تلووں پر گیارہ کوڑے لگائے۔ ایک کوڑا غلطی سے آپ کے چہرہ مبارک پر لگ گیا تھا جس سے زخم آگیا۔ حضرت باب کے زخم چہرہ کا علاج ایک انگریز ڈاکٹر کے ذریعے کروایا گیا جس کا نام کورمک تھا۔ کورمک نے بعد میں حضرت باب کے بارے میں یہ بیان دیا:

"وہ (حضرت باب) بہت ممنون تھے کہ میں توجہ دے رہا ہوں۔ وہ ایک حلیم طبع اور لطیف منظر آدمی تھے آپ کا قد چھوٹا تھا اور بہت خوبصورت تھے آواز میں کھنک تھی آپ کی ہیکل اور رویے کو دیکھ کر آدمی اُن پر فریفتہ ہو جاتا تھا۔ میں نے اُن کی زبانی اُن کے عقیدے کے بارے میں کچھ نہیں سنا اگرچہ خیال یہ تھا کہ اُن کے مذہب میں عیسائیت کے بارے میں ایک بہتر تفہیم پائی جاتی ہے۔ کچھ آرمینیائی ترکھانوں نے جو زندان خانے میں مرمت کا کام کر رہے تھے آپ کو بائیبل پڑھتے دیکھا تھا۔ یقیناً متعصب مسلمان اُن کے مذہب میں نہیں پائے جاتے جب کہ عیسائی موجود ہیں۔

یہ ملا چیف جسٹس جس نے حضرت باب کو کوڑے لگائے تھے اس واقعہ کے فوراً بعد فالج کا شکار ہو گیا اور اُسی سال تکلیف دہ موت مر گیا۔

اگست ۱۹۴۸ء کے شروع میں حضرت باب کو دوبارہ چہریق لے جایا گیا۔ زندان چہریق سے آپ نے وزیر اعظم مرزا آقاسی کو ایک مکتوب لکھا جو "صحیفۂ قہریہ" کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے یہ مکتوب ملا محمد علی حجت زنجانی کو دیا جنہوں نے طہران جا کر اصالتاً حاجی میرزا آقاسی کو پیش کر دیا۔ جن دنوں یہ مکتوب پہنچا وزیر اعظم کی شان و شوکت پہلے ہی مٹ گئی تھی اور اُس نے جب اپنی جان کا خطرہ محسوس کیا تو شاہی دربار سے کنارہ کش ہو گیا تھا۔ اس وقت شاہ ایران بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا اور وزیر اعظم عباس آباد گاؤں میں چلا گیا تھا اس گاؤں میں اس کی جائیداد تھی اُس کا محافظ جسے ماکو کے گاؤں میں سے بھرتی کیا گیا تھا اُسے یہاں

تنہا چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ مرزا آقاسی نے ولی عہد کو اور چند بااثر درباریوں کو دوستی کے خطوط لکھے لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ طہران میں اپنی رہائش گاہ میں منتقل ہو جائے لیکن اُسے شہر سے واپس کر دیا گیا۔ پھر اُس نے آذربائیجان کا رخ کیا تا کہ ماکو میں پناہ لے لیکن وہاں سے بھی اُس کو دھتکار دیا گیا۔ چنانچہ وہ ماکو سے کچھ فاصلے پر جا کر ایک خانقاہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ ۴ ستمبر ۱۸۴۸ء کو محمد شاہ (شاہ ایران) مر گیا اور تخت ایران پر نیا حکمران بیٹھ گیا۔ سابقہ وزیر اعظم حاجی میرزا آقاسی کی وسیع جائیداد حکومت نے ضبط کر لی اور آخر کار اُسے کربلا میں پناہ لینی پڑی جہاں دوسرے سال وہ بیمار ہو کر بے یار و مددگار مر گیا۔ یہ تھا اس ظالم اور دجال کا انجام جس نے قائم آل محمد حضرت سید علی محمد باب کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔(۱)

اقبال نے اپنے طنزیہ قطعہ میں فقط اتنا کہا ہے کہ "بیچارہ اعراب سموات" غلط پڑھتا تھا۔ لیکن اس کی کوئی تفصیل نہیں دی، کہ سموات کے صحیح اعراب کیا ہیں۔

عربی نحو کا علم رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ قاعدہ کی رو سے اگر سماء کی جگہ "سموات" مفعول واقع ہو تو اسے مفتوح کی بجائے مکسور پڑھا جاتا ہے۔

میں جب ۷۲-۱۹۶۸ء کے دوران طہران یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کر رہا تھا تو مجھے اچانک دانشگاہ کی مرکزی لائبریری میں ایک مختصر سا فارسی مخطوطہ مل گیا جو شمارہ ۳۴۱۹ کے تحت درج تھا۔ مخطوطہ کا نام یہ ہے: "مباحثہ محمد بن حسین التبریزی الممقانی با سید علی محمد باب در مجلس ولی عہد"۔

اس رسالہ کے بارے میں لکھا ہے بخط خود مؤلف کہ "نسخ بسیار نفیس و مہمی است"۔

یہ رسالہ چند صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں اس مناظرہ کی تفصیل ملتی ہے جو تبریز میں ہوا تھا۔ یاد رہے کہ یہ رسالہ پوری طرح قابل اعتماد و اعتبار نہیں ہے۔

ملا ممقانی لکھتا ہے:

---

۱۔ سوانح سید علی محمد باب۔

......گفتم دلیل تو بر این دعوی باطله چیست ؟ پس به لحن خاصی که تلاوت قرآن مجید می کنند به قرأت آیات مجعوله خود شروع کرد ـ گفت : بسم الله الرحمن الرحیم ' سبحان الذی خلق کُل شیء بضم لام . گفتم که غلط مخوان کُل شیء بخوان بفتح لام . چرا که مفعول است ' و جناب امیر فرمود کل مفعول منصوب۔ گفت حالا گوش کنید۔ الذی جعل السموات والارض بفتح تا ـ گفتم جعل السموات بکسرتا نه فتحه است ـ باز گفت ' حالاگوش کنید و اقام العرش علی المأ بکسر شین ـ گفتم ـ اقام العرش بفتح شین۔ سرکار ولی عهد دام اجلاله فرمودند عرش مضاف الیه نیست که مجرور میخوانی...... (۱)

اس رپورٹ میں یہ نہیں بتایا گیا کہ حضرت باب نے اس کا کیا جواب عنایت فرمایا۔ مگر تاریخ نبیل نے تفصیل اس طرح دی ہے کہ آپ نے مذکورہ بالا آیہ کی تلاوت فرمائی تو :...... ملا محمد ممقانی فریاد برآورد که اعراب کلمه را خطا گفتی تو که از قواعد نحو بی خبری چگونه قائم موعود هستی حضرت باب فرمودند در آیات قرآنیه نیز رعایت قُواعد نحویه نشده زیرا کلام الهی بمقیاس قواعد خلق سنجیده نمی شود ـ مردم باید تابع قوانین کلام الله باشند۔ در سی صد موضع قرآن خلاف قواعد نحویه نازل مذکور است۔ ولی چون کلام الهی است هیچ کس جرأت اعتراض ندارد و همه مسلمین قبول دارند ـ بعد از این بیان ثانیاً بنزول آیات شروع فرمودند و همان جمله قبل را بطرز سابق بیان کردند ـ ملا محمد اعتراض را تجدید کرد یکنفر دیگر از یك گوشه ای بحضرت باب گفت کلمه " اشترتن " چه صیغه است ' حضرت باب در مقابل این سوال این آیات قرآن را تلاوت فرمودند ـ

---

۱ـ رسالہ خطی بخط ملا ممقانی (؟)۔

سبحان ربك رب العزة عما يصفون ، و سلام على المرسلين و الحمدلله رب العالمين ' بعد برخاستند و از مجلس بيرون تشريف بردند نظام العلماء از طرز معامله' ملا محمد و سايرين در آن مجلس با حضرت باب ' بر آشفت و گفت واى بر مردم تبريز! اين شخص مدعى چه مقامى است و اين مردم از او چه سوالاتى مى كنند! اين گونه سوالهاى بارده چه ربطى با دعاى اين مقام عظيم دارد(۱)۔

مناظرہ کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح حضرت باب کو مجرم ٹھہرا کر سزا دی جائے۔ اور آپ کی تحریک کو مٹا دیا جائے۔ لیکن نتیجہ ان کی امیدوں کے برعکس نکلا۔ کیونکہ آپ کو اپنے دعویٰ کا مکمل کھلم کھلا اعلان ولی عہد کے دفتر میں علماء اور امراء کے سامنے کرنے کا موقع مل گیا۔ سبھی آپ کے علم' قدرت' جلال اور جرأت کے سامنے مبہوت ہو کر رہ گئے۔

اب اعراب کا مسئلہ۔

دنیا کی تمام زبانوں کی صرف و نحو کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کے قواعد شعراء وادباء کے کلام سے اخذ کئے جاتے ہیں یعنی کوئی شاعر شعر کہتے ہوئے قواعد کو سامنے کم رکھتا ہے۔ بلکہ وہ جب کلام لکھ لیتا ہے تو علمائے صرف و نحو اس کے کلام سے استناد کر کے ایک قاعدہ تلاش کرتے ہیں اور دوسروں کو اس قاعدہ کی پابندی کی نصیحت کرتے ہیں۔ عربی صرف و نحو کا اصول بھی یہی ہے کہ دور جاہلیت کے شعراء نے جو لفظ جس طرح شعر میں باندھ دیا جس لفظ کا جو تلفظ کیا آنے والوں کے لئے وہی اصول و قاعدہ بن گیا۔ چونکہ نزول قرآن کے عہد تک عربی عبارات میں اعراب لگانے کا رواج نہ تھا اور نہ ہی نقطے لگائے جاتے تھے۔ لہذا لفظ کا تلفظ تو سمجھ میں آسکتا تھا لیکن فتحہ ضمہ کسرہ اور سکون کا تعلق تحریری قاعدہ سے نہ تھا بلکہ سماع سے تھا۔ شاعر نے جس حرف پر جو حرکت پڑھی وہ اصول بن گیا۔

عہد نزول میں قرآن پاک پر بھی اعراب نہیں لگائے جاتے تھے۔ یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قراتک پہنچی تھی کہ کس لفظ پر کون سی حرکت پڑھنی ہے۔ بعض

---

۱- تاریخ نبیل' ص ۳۲۲۔

لفظوں کے اعراب میں پیچیدگی بھی تھی۔ مثلاً سموات کے لفظ کو لیجئے۔ اصولاً ہر مفعول لفظ مفتوح ہوتا ہے لیکن اس اسم کے سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ اس کی "تا" مکسور زدلبفق ۴۵ ہوگی۔ یہ اصول غالباً عرب شعراء کے تلفظ سے ملا ہوگا۔ چنانچہ قرآن کی مندرجہ ذیل سورتوں کی جن آیات میں السموات (بکسر تا) آیا ہے ان میں سے چند ایک کی تفصیل یہ ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| الانعام آیہ ۱ | ابراھیم آیہ ۱۹ | النمل آیہ ۶۰ |
| الاعراف آیہ ۵۴ | النمل آیہ ۳ | (نیز عنکبوت، الروم، |
| التوبہ آیہ ۳۶ | الاسراء آیہ ۹۹ | یٰس، الزخرف اور |
| یونس آیہ ۳ | طٰہٰ آیہ ۴ | التغابن (۱) |
| الفرقان آیہ ۹ | | |

سوال یہ ہے کہ کیا کلام الٰہی بندوں کے وضع کردہ اصول و قواعد کے تحت نازل ہونا چاہئے یا اس کے برعکس کلام خداوندی کو اہل ادب کے کلام کے معیار کا ماخذ سمجھنا چاہئے۔ یہ اہم اور بحث طلب مسئلہ ہے۔

حضرت سید علی محمد باب نے محاکمہ تبریز کے دوران جب کلام نازل کرنا شروع کیا تو آپ نے دوسرے موقف کو اپنایا۔ آپ نے نحو کے مروجہ قاعدہ کی پابندی نہ کرتے ہوئے السموات کی تا پر کسرہ کی جگہ فتحہ پڑھا، جس پر مجلس میں موجود علمائے صرف و نحو نے اعتراض کیا تھا، بعد میں مخالفین نے اسے خوب اچھالا اور یہ قصہ جب علامہ اقبال تک پہنچا تو انہوں نے زیر بحث مزاحیہ قطعہ لکھ دیا۔

اس ضمن میں حضرت باب کا فرمان یہ ہے کہ کلام خدا، قواعد قوم کے مطابق نہیں ہوتا۔

حضرت باب نے نزول کلام کو ہی اپنی حجت ٹھہرایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: و انا نحن قد جعلنا الآیات حجة لکلمتنا علیکم افتقدرون علی حرف بمثلها فاتو برهانکم ان کنتم بالله الحق بصیراً (۲)

---

۱۔ قرآن حکیم۔ ۲۔ قیوم الاسماء۔

ترجمہ: اور ہم نے تم پر اپنے دعویٰ کی حجت آیات (کلام) کو ٹھہرایا ہے' کیا تم اس جیسا ایک حرف بھی لانے پر قادر ہو۔ اگر تم سچے اللہ پر نظر رکھتے ہو تو اپنی برہان پیش کرو۔

آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ آپ ھوی وہوس سے کلام نہیں لاتے بلکہ اللہ کے اذن سے لاتے ہیں۔ انّا نحن تا اللّه الحق ماننطق عن الهوی و ما ننزّل حرفا من ذالك الكتاب الاباذن اللّه الحق(۱)۔

ترجمہ: اللہ کی قسم' ہم ھوی وہوس سے کچھ نہیں بولتے اور اس کتاب کا ایک حرف بھی اللہ برحق کے اذن کے بغیر نہیں اتارتے۔

اس میں شک نہیں کہ کلام کا فصیح و بلیغ ہونا بطور دلیل پیش کیا جاتا رہا ہے اور حضرت باب پر بھی عربی و فارسی میں فصیح ترین کلام اترا جس پر ایران کے درجنوں مجتہد علماء ایمان لائے اور اس کلام پر شیفتہ ہو کر شہید ہوئے۔ تاہم اصل روح حیات وہ پیغام ہے جو اس کلام کے اندر ہوتا ہے۔ حضرت باب اس مفہوم کو بیان (فارسی) میں بیان فرماتے ہیں کہ جو منطق' نحو' صرف' فقہ اور اصول کے عالم ہیں اگر وہ کلام الہی پر ایمان نہ لائیں تو ان پر دون ایمان کا حکم ہوتا ہے اور یہ علوم انہیں کچھ نفع نہیں دے سکتے۔

...... زیرا که کل از اتیان او عاجز هستند۔ ولی هزاران هزار عالم منطق و نحو و صرف و فقه و اصول و امثال آن هستند که اگر مومن بکتاب اللّه نباشند حکم دون ایمان بر آنها میشود۔(۲)

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت باب امّی تھے' ۲۵ سالہ نوجوان تھے اور عربی ان کی مادری زبان نہ تھی پھر بھی ایسا کلام نازل فرمایا جو حجت و برہان ثابت ہوا۔

حضرت باب قواعد خلق کے خلاف کلام نازل کرنے کی ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں۔

...... این که در بعضی مقامات تبدیل کلمات و در بعضی بخلاف قواعد اهل سبحات جاری گشته لاجل اینست که مردم یقین

---

۱- قیوم الاسماء۔ ۲-بیان۔

نمایند که صاحب این مقام بر سبیل تحصیل اخذ آیات و علوم ننموده بلکه بنورالله صدر آن منشرح بعلوم الهیه شده و حکم تبدیل را شان بدیع و خلاف قواعد را بقاعده آلهیه راجع نمایند(۱)۔

اس اقتباس سے معلوم ہو گیا کہ "اعراب" کے سلسلے میں حضرت باب کا موقف یہ تھا کہ (ترجمہ) : اگر بعض مقامات پر کلمات کو تبدیل کر دیا (صرفی صورتوں میں) یا قواعد کے خلاف کر دیا تو یہ اس لئے تھا کہ لوگ یقین کر لیں کہ آپ نے مروجہ علوم صرف و نحو نہیں سیکھے بلکہ وحی کے ذریعے ان علوم کی تعلیم دی گئی۔ لہذا حکم تبدیل کو نیا انداز اور خلاف قواعد کو قاعدہ الہیہ سمجھیں۔

آپ ایک جگہ فرماتے ہیں :

و ہر گاه کسی تصور در ظہور این شجره نماید بلاریب تصدیق در علو امرالله می نماید زیرا که از نفسی که بیست و چهار سال از عمر او گذشته و از علومی که کل بانها متعلم می گشته متعری بود - و حال باین نوع تلاوت آیات می نماید بدون فکر و تامل و در عرض پنج ساعت هزار بیت در مناجات می نویسد بدون سکون قلم و تفاسیر و شئون علمیه در علو مقامات معرفت و توحید ظاهر می نماید که کل علماء و حکماء در آن مورد اعتراف بعجز از ادراك آنها نموده شبه ای نیست که کل ذالك من عند الله است - علمای که از اول عمر تا آخر عمر اجتهاد نموده، چگونه در وقت نوشتن عربی دقت نموده و آخر الامر کلماتی است که لائق ذکر نیست (۲)۔

اس بیان مبارک سے جو نکات سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ :

(۱) حضرت باب جوان تھے۔

(۲) مروجہ علوم آپ نے نہیں سیکھے تھے۔

---

۱-صحیفۃ العدل بحوالہ امر و خلق ج ۲، ص ۱۰۲۔ ۲-بیان (فارسی)۔

(۳) آپ آیات نازل کرتے تھے۔

(۴) پانچ گھنٹوں میں سات ہزار بیت مناجات بدون سکون قلم و فکر و تامل نازل کرتے تھے۔

(۵) تفسیر اور شئون علمیہ بیان کرتے تھے کہ تمام علماء و حکماء جن کے ادراک سے بھی اظہار عجز کرتے تھے۔

(۶) علماء جو بچپن سے بڑھاپے تک یہ علوم سیکھتے ہیں۔

(۷) پھر عربی سوچ سوچ کر لکھتے ہیں اور وہ بھی۔

(۸) ایسے کلمات لکھتے ہیں جو لائق ذکر بھی نہیں ہوتے۔

بقول مولانا رومی :

صد ہزاران علم ہائے صرف و نحو

پیش علم معرفت ما ت است و محو

خلاصہ کلام یہ کہ ضروری نہیں کہ پیغمبروں کا کلام قوم میں مروجہ قواعد صرف و نحو کے مطابق ہی ہو بلکہ وہ اگر ان قواعد کے مطابق نہ بھی ہو تب بھی قواعد کے مطابق ہوتا ہے۔ جنہیں قواعد الہیہ کہا جاتا ہے۔ بنابرین حضرت باب نے جو کچھ تحریر فرمایا اور جس طرح پڑھا وہ ہر گز غلط نہ تھا۔ اس لئے اقبال نے جو طنز کیا اس کا کوئی جواز موجود نہ تھا۔

## غلط فہمی-۲

## شاہ نعمت اللہ ولی کا قصیدہ

حضرت باب اور حضرت بہاء اللہ کے ظہور کے بارے میں جہان' صحائف آسمانی وعدہ دیتے چلے آئے ہیں وہاں مغرب اور مشرق کے درجنوں عرفاء و شعراء نے بھی ان دونوں ہستیوں کے ظہور کی علامات بتاتے ہوئے پیش گوئیاں کی ہیں۔

مہدی و مسیح کے ظہور کے حوالے سے حافظ شیرازی' مولانا رومی' قاآنی اور صحبت لاری کی بشارات بہت مشہور ہیں۔ شعراء کی پیش گوئی کی صداقت و اصالت پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت باب فرماتے ہیں: روح القدس گاهی بزبان شعراء ناطق می گردد

و مطالبی بلسان آنہا جاری می سازد که غالباً خود آنہا مقصود اصلی و منظور واقعی را نمی دانند ۔(۱)

سید علی محمد باب اور مرزا حسین علی بہاء اللہ کے ظہور سے متعلق ایران کے عارف و شاعر جناب شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی کا ایک قصیدہ ہمیشہ مورد توجہ رہا ہے۔ چنانچہ تاریخ کامل ایران کا مؤلف لکھتا ہے : بر سبیل کنایات راجع به ظہور حضرت مہدی پیش بینی ھای کردہ است(۲)۔

اصل قصیدہ میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مہدی "غرس" کے سال ظہور فرمائیں گے۔ ان کے بعد بہاء اللہ کا ظہور ہو گا جو چالیس سال زندہ رہیں گے اور ان کے صعود کے بعد ان کا بیٹا ان کا جانشین ہو گا۔

قصیدہ میں تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں رونما ہونے والے سیاسی و تمدنی واقعات کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ مجھے یہ فرصت تو نہیں مل سکی کہ میں قصیدہ میں دی گئی تمام پیش گوئیوں کا سراغ تاریخ سے لگاتا' البتہ میں نے یہ سمجھنے کی کوشش ضرور کی ہے کہ ظہور باب و بہاء کے بارے میں یہ قصیدہ کہاں تک نشاندہی کرتا ہے۔

حضرت باب کا جب ۱۸۴۴ء میں ظہور ہوا تو اسی زمانے میں بلکہ اس سے غالباً پہلے بھی نئے ظہور کے حق میں یہ قصیدہ ایک پیش گوئی کے طور پر ایران کی علمی محافل میں پیش کیا جاتا تھا۔ اس وقت یعنی ۱۸۴۴ء تک قصیدہ کے "شہریار"۔ بہاء اللہ کا ظہور نہیں ہوا تھا تاہم اہل علم و عرفان کو یقین تھا کہ ایک عارف کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ضرور پورے ہوں گے اور ایسا ہی ہوا کہ حضرت بہاء اللہ کا ظہور ۱۸۵۲ء میں ہو گیا ظاہر ہے کہ فوت ہونا آپ کے اختیار میں نہ تھا کہ آپ شاہ نعمت اللہ کی اس پیش گوئی کو سچا کر دکھانے کے لئے اپنی مرضی سے عمر کے چالیس سال پورے کرتے۔

معروف مستشرق اور "بابیات" کا ماہر پروفیسر ای جی براؤن لکھتا ہے کہ وہ جب ۹ اگست ۱۸۸۸ء کو ماہان (کرمان) گیا تو اس کے اپنے بیان کے مطابق وہاں کے بابیوں نے

---

۱۔ تاریخ نبیل، ص ۲۴۲۔ ۲۔ تاریخ کامل ایران، ص ۳۹۴۔

اسے بتایا کہ اس قصیدہ میں حضرت باب کا سال ظہور ۱۸۴۴ء / ۱۲۶۰ھ دیا گیا ہے۔ براؤن لکھتا ہے کہ اس نے ماہان کے ایک درویش سے یہ قصیدہ حاصل کیا جو نسخہ "قدیم ترین تھا اور لائق اعتماد" بھی۔ اسے پتہ چلا کہ اس میں تاریخ ظہور ۱۲۶۰ھ کی بجائے ۱۲۷۲ھ دی ہوئی ہے، یعنی غ۔ر۔س کی جگہ ع۔ر۔د لکھا ہوا ہے۔ اور رضا قلی خان کے مجمع الفصحائیں ۱۲۰۴ بنتی ہے (د۔ر۔غ)۔ براؤن نے ماہان سے ملنے والا قصیدہ اپنی "تاریخ ادبیات ایران" جلد سوم میں شائع کیا ہے۔

قصیدہ اس بیت سے شروع ہوتا ہے:

قدرت کردگار می بینم　　حالت روزگار می بینم

اور آخری شعر ہے:

گلشن شرع را همی بویم　　گل دین را ببار می بینم

------

براؤن لکھتا ہے کہ یہ قصیدہ ایران میں ۱۸۶۰ء میں طبع ہوا۔ جو دراویش کے علاوہ دوسرے لوگوں میں بھی مقبول ہے۔ اب قصیدہ "تاریخ ادبیات ایران" کے حوالے سے یہاں دیا جا رہا ہے اور اس کے بعد براؤن کا کیا ہوا انگریزی ترجمہ بھی شامل کر رہا ہوں۔ آخر میں براؤن کے شکوک و شبہات کا جواب دیا جائے گا۔

در اظهار بعضی از رموزات و مکاشفات بر سبیل کنایات ۔

قدرت کردگار می بینم　　حالت روزگار می بینم
حال امسال صورتی دگرست　　نه چو پیرار و پار می بینم
از نجوم این سخن نمی گویم　　بلکه از کردگار می بینم
عین و را دال چون گذشت از سال　　بو العجب کار و بار می بینم
در خراسان و مصر و شام و عراق　　فتنه و کارزار می بینم
ظلمت ظلم ظالمان دیار　　بیحد و بیشمار می بینم

قصّهٔ بس عجیب می شنوم غصّهٔ در دیار می بینم
جنگ و آشوب و فتنه و بیداد از یمین و یسار می بینم
غارت و قتل و لشکر بسیار درمیان و کنار می بینم
بنده را خواجه وش همی بینم خواجه را بنده وار می بینم
سکّهٔ نو زنند بر رخ زر در همش کم عیار می بینم
دوستان عزیز هر قومی گشته غمخوار و خوار می بینم
هر یك از حاکمان هفت اقلیم دیگری را دو چار می بینم
ماه را رو سیاه می بینم مهر را دلفگار می بینم
نصب و عزل بتکجی و عمّال هر یکی را دوبار می بینم
ترك و تاجیك را بهمدیگر خصمی و گیر و دار می بینم
تاجر از دست دزد بی همراه مانده در رهگذار می بینم
مکر و تزویر و حیلهٔ بسیار از صغار و کبار می بینم
حال هندو خراب می یابم جور ترك و تتار می بینم
بقعهٔ خیر سخت گشته خراب جای جمعی شرار می بینم
بعضی اشجار بوستان جهان بی بهار و ثمار می بینم
اندکی امن اگر بود آن هم در حد کوهسار می بینم
همدمی و قناعت و کنجی حالیا اختیار می بینم
گرده می بینم این همه غمها شادی غمگسار می بینم
غم مخور ز آنکه من درین تشویش خرمن وصل یار می بینم
بعد امسال و چند سال دگر عالمی چون نگار می بینم
بر کفِ دستِ ساقی وحدت بادهٔ خوشگوار می بینم
غازی دوستدار دشمن کش همدم و یارِ یار می بینم
تیغ آهن دلان زنگ زده کند و بی اعتبار می بینم
زینت شرع و رونق اسلام هر یکی را دوبار می بینم

کرگ با میش و شیر با آهو در چرا برقرار می بینم
گنج کسری و نقد اسکندر همه بر روی کار می بینم
ترک عیار مست می نگرم خصم او در خمار می بینم
نعمت اللّه نشسته در کنجی از همه بر کنار می بینم
چون زمستان پنجمین بگذشت ششمش خوش بهار می بینم
نایب مہدی آشکار شود بلکه من آشکار می بینم
پادشاهی تمام دانائی سروری با وقار می بینم
بندگانِ جناب حضرت او سر بسر تاجدار می بینم
تا چهل سال ای برادرِ من دور آن شهریار می بینم
دور او چون شود تمام بکام پسرش یادگار می بینم
پادشاهی تمام دانائی شاهِ عالی تبار می بینم
بعد ازو خود امام خواهد بود که جهان را مدار می بینم
میم حا میم دال می خوانم نام آن نامدار می بینم
صورت و سیرتش چو پیغمبر علم و حلمش شعار می بینم
ید بیضا که باد پاینده باز با ذوالفقار می بینم
مہدی وقت و عیسی دوران هر دو را شهسوار می بینم
گلشن شرع را همی بویم گُلِ دین را ببار می بینم

براؤن کا کیا ہوا انگریزی ترجمہ :

(1) " I see the Power of the Maker; I see the state of the time.

(2) The state of this year is of another sort; not like last year and the year before do I see it.

(3) These words I speak not from the stars; rather I see them from the Creator.(1)

(4) When'ayn,ra and dal(=274) have passed of the years I see wonderful doings.

(5) In Khurasan, Egypt, Syria and Iraq I see sedition and strife.

(6) I see the darkness of the tyranny of the lands' oppressors boundless and beyond computation.

(7) I hear a very strange story ; I see vexation in the land.

(8) War, strife, mischief and injustice I see on the right and on the left.

(9)Lootings, slaughter and many armies I see in the midst and around.

(10) I see the servant like the master; I see the master like the servant.

(11) They impress a new superscription of the face of the gold; I see his dirhams of short weight.

(12) I see the dear friends of every people grown sorrowful and abased.

(13) Each of the rulers of the Seven Climes I see involved with another.

(14) I see the face of the moon darkened; I see the heart of the sun transfixed.

(15) The appointment and dismissal of officials and agents, each one I see twice repeated.

(16) In Turk and Tajik (2) towards one another I see enmity and strife.

---

1.I.e. these predictions are not based on astrological predictions but inspired by revelation from God.

2.Tajik, a term originally to the Arabs(Tazik, Tazi) who garrisoned the towns of Khurasan and Transoxiana, was later and is still applied to the Persian settled population as opposed to the nomads of Turkish stock.

(17) I see the merchant left friendless on the road at the hands of the thief.

(18) I see from small and great much cunning, guile and trickery.

(19) I find the condition of the Indian ruined; I see the oppression of Turks and Tartars.

(20) I see the Holy Place fearfully desolated, the abode of a number of evil men.

(21) Some of the trees of the Garden of the World I see springless and fruitless.

(22) If there be a little security, that too I see within the borders of the mountains.

(23) A companion, contentment and a [quiet] corner I now see as most to be desired.

(24) Although I see all these sorrows, I see the [final] joy of the sorrowful.

(25) Grieve not, for in this trouble I see the harvest of union with the Friend.

(26) After this year and a few years more (1) I see a world like a [fair] picture.

(27) I behold this world like Egypt; I see Justice as its stronghold .

(28) My king and his ministers are seven; all of these I see triumphant.

(29) Such as rebel against my immaculate Imam I see ashamed and disgraced.

(30) On the palm of the hand of the Cup-bearer of Unity I see the pleasant wine.

(31) The friendly foe-destroying warrior I see as the comrade and friend of the friend.

---

1.The variants in the Majma'u'l-Fusaha give a slightly different meaning, viz " After that year for several years more."

(32) I see the swords of those whose hearts are hard as iron rusted, blunt and of no account.

(33) The beauty of the Law and the splendour of Islam, each one I see doubled (1)

(34) I see the wolf and the sheep, the lion and the gazelle, dwelling to gether in the meadow.

(35) I see the treasure of Chosroes and the coin of Alexander all put to good use.

(36) I see the roguish Turk drunk, I see his enemy with the headache born of wine.

(37) I see Ni'matu'llah seated in a corner apart from all.

(38) When the fifth winter has passed I see in the sixth a pleasant spring.

(39) The vicar of the Mahdi will appear, yea, I see him plainly.

(40) I see a king perfect in knowledge; I see a leader endowed with dig nity.

(41) I see the servants of His Majesty all wearing crowns.

(42) For forty years, O my brother, I see the cycle of that Prince continue.

(43)When his cycle ends victoriously,I see his son as a memorial of him.

(44) I see a king perfect in knowledge, a ruler of noble family.

(45) After him will be the Imam himself , whom I see as the pivot of the world.

(46) I read'M.H.M.D.: I see the name of that famous one.(2)

(47) I see his aspect and atributes like the Prophet : I see knowledge and clemency as his distinctive signs.

---

1. Or, if the variant be adopted, " strong and firmly established."

2. I.e. Muhammad.

(48) I see again' the White Hand'(long may it endure!) conjoined with Dhu'l-Fiqar.

(49) I see the Mahdi of the time and the Jesus of the age both royally riding forth.

(50) I smell the rose-garden of the Law, I see the flower of Religion in blossom."(1)

"تاریخ ادبیات ایران" کی تیسری جلد ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی تو اقبال نے اس کا مطالعہ کیا اور شاہ نعمت اللہ کرمانی (متوفی ۸۳۴ھ) کا وہ مشہور قصیدہ بھی دیکھا جس میں امام مہدی اور حضرت عیسٰی کے آنے کی بشارت دی گئی ہے۔ اقبال، گرامی جالندھری کے نام اپنے خط محررہ نومبر ۱۹۲۰ء میں لکھتے ہیں:

شاہ نعمت اللہ کرمانی کا مشہور قصیدہ "حالت روزگار می بینم" پروفیسر براؤن کی تاریخ ادبیات کی تیسری جلد جو حال ہی میں انگلستان سے چھپ کر آئی ہے، شائع ہوا ہے یہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ ہندوستان میں جو نسخ اس قصیدے کے مروج ہیں بہت غلط ہیں۔ پروفیسر براؤن نے جو نسخہ شائع کیا ہے۔ بہت صحیح ہے(۲)۔

اس قصیدے کے بارے میں مجھے براؤن کے نوٹ اور اقبال کے خط کے حوالے سے چند تنقیحات کی اجازت دیجئے۔

۱۔ براؤن سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ انہوں نے بابیوں سے یہ کیوں معلوم نہ کیا کہ قصیدے کے اس نسخہ کی سندیت کیا ہے جس میں غ۔ر۔س آیا ہے۔

۲۔ براؤن نے "درویش" سے ملنے والے قصیدہ کو "قدیم ترین" کس دلیل سے مان لیا؟

۳۔ براؤن نے یہ تکلیف گوارا کیوں نہ کی کہ وہ اگر غ۔ر۔س کی جگہ ع۔ر۔د کو صحیح سمجھتے تھے تو تحقیقات کر لیتے۔ کہ ان سالوں میں ایسے کون سے بڑے اور اہم واقعات

---

1. History of Persian literature P.468-470.

۲۔ رجال اقبال۔

رونما ہوئے جن کی پیش گوئی شاہ نعمت اللہ نے کی تھی۔ اور اگر کوئی واقعہ سال ۲۷۴ یا مجمع الفصحاٗ کے د۔ر۔غ کے مطابق ۱۲۰۴ھ میں ایسا نہیں ہوا تو پھر پیش گوئی کی سچائی کا معیار کیا رہ جائے گا؟

علامہ اقبال یقین واعتماد کے ساتھ ہندوستان میں چھپنے والے قصیدہ کو "بہت غلط" قرار دے رہے ہیں۔ مگر چونکہ وہ قصیدہ ہمارے پاس نہیں ہے اس لئے کچھ کہنا بے سود ہوگا۔ لیکن علامہ کو یہ تو بتا دینا چاہئے تھا کہ وہ قصیدہ غلط کیوں ہے اور براؤن کا شائع کیا ہوا قصیدہ "بہت صحیح" کس طرح ہوگیا؟ ممکن ہے علامہ اقبال کی نظر سے وہ غلط اور محرف قصیدہ گذرا ہو جو "نشان آسمانی" میں درج ہے۔ جو لوگ حضرت باب کے ظہور کا انکار کرنے کی نیت سے قصیدے کے اس نسخہ ہی کو تحریف شدہ قرار دے رہے ہیں جس میں غ۔ر۔س (غرس) آیا ہے۔ ان سے ہم یہی پوچھیں گے کہ آپ یہ تو بتا دیجئے کہ ۲۷۴ھ یا ۱۲۰۴ھ میں کون سے تاریخی واقعات رونما ہوئے؟ تھوڑی دیر کے لئے چلیئے مان لیتے ہیں کہ قصیدے میں غ۔ر۔س نہیں آیا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ کئی دیگر بشارات میں بھی تو "غرس" آیا ہے پھر آپ اس کا انکار کیسے کریں گے؟ سال "غرس" کی تائید احادیث وروایات سے بھی ہوتی ہے جہاں کہا گیا ہے کہ قائم آل محمد (مہدی) کا ظہور سال "ستین" (۶۰+۱۰۰) میں ہوگا۔

حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: در سال "غرس" (۱۲۶۰ھ) شجرۂ هدایت آلهی در جهان کاشته خواهد شد(۱)۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: یا مفضل یظهر فی سنة "الستین" (۶۰)(۲)۔

نبیل زرندی کے مطابق مرزا محمد اخباری نے پیش گوئی کی که در سال "غرس" (۱۲۶۰ ھ) زمین از نور قائم روشن می شود(۳)

سید محمد عباس قمر زیدی: "مجمع النورین" کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ سال "غرس" میں ظہور ہوگا (۴)۔

---

۱- تاریخ نبیل، ص ۴۶۔ ۲- بحوالہ ظہور قائم آل محمد۔۔

۳- تاریخ نبیل، ص ۴۶ ۴- بحوالہ بہائی میگزین ۱۹۷۵ء۔

بارہ سو میں ستین کے عدد (ساٹھ) ملائیں تو سنہ ۱۲۶۰ھ بنتا ہے۔ جمل کے حساب سے "غرس" کے عدد ۱۲۶۰ھ ہی نکلتے ہیں اور یہی امام مہدی حضرت باب کا سال ظہور ہے جس کی خبر احادیث میں آئی ہے دراصل حضرت شاہ نعمت اللہ ولی نے بھی غ۔ر۔س سے یہی سال مراد لیا ہے۔ لگتا ہے "غ ۔ ر ۔ س" کو حضرت باب کے سال ظہور ۱۸۴۴ء / ۱۲۶۰ھ کے بعد مخالفین نے تبدیل کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ موجودہ اشاعتوں میں قصیدے سے یہ شعر ہی نکال دیا گیا ہے۔ اگر براؤن کے مطابق اصل قصیدہ میں ع۔ر۔د ہے تو بھی صحیح ہے۔ اس کے عدد ۲۷۴ ہیں۔ جب اس میں ہزار شامل کریں تو ہجری تقویم کے ۱۲۷۴ سال بنتے ہیں۔ یہ وہ سال ہے جب کوہ سلیمانیہ سے مراجعت کے بعد حضرت بہاء اللہ پر "کلمات مکنونہ" جیسا اہم صحیفہ نازل ہوا۔ ۱۲۷۴ء کا سال گذر گیا تو "بوالعجب کا دو بار" کا آغاز اس طرح ہوا کہ آپ نے ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء میں بغداد میں اعلان عمومی فرمایا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ قصیدہ میں رد و بدل کرنے کے باوجود اس کی صداقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ :

۱۔ قصیدے میں امام مہدی کو "معصوم عن الخطاء" کہا گیا ہے۔ اور یہ لفظ دوسرے کسی خلیفہ، مجدد، مصلح، سلطان یا سیاسی و مذہبی رہنما کے ظہور کے امکان کو رد کر دیتا ہے کیونکہ یہ لوگ عصمت کبریٰ کے مقام پر فائز نہیں ہوتے۔

شاہ نعمت اللہ فرماتے ہیں :

عاصیان از امام معصومم　　خجل و شرمسار می بینم

مرزا حسین علی بہاء اللہ حضرت باب کے مومن و پیروکار تھے اس طرح آپ "نائب مہدی" ہوتے ہیں جن کے ظہور کا ذکر ان اشعار میں آیا ہے :

نائب مهدی آشکار شود　　بلکه من آشکار می بینم

تا چهل سال ای برادر من　　دور آن شهریار می بینم

دور آن چون شود تمام بکام　　پسرس یادگار می بینم

حضرت بہاء اللہ اقلیم علم و عرفان کے شہریار تھے۔ جو ظہور فرما کر چالیس سال

(۱۸۵۲ء-۱۸۹۲ء) تک زندہ رہے اور آپ کے فرزند حضرت عبدالبہاء آپ کے جانشین بن کر ۱۸۹۲ء سے ۱۹۲۱ء تک "یادگار زمانہ" رہے۔

شاہ نعمت اللہ ولی' مہدی موعود حضرت باب کا اسم گرامی "محمد" بتاتے ہیں۔

میم حا میم دال می خوانم     نام آن نامدار می بینم

حضرت باب کا اسم گرامی علی محمد ہے اور یہ نام اس قصیدہ کے علاوہ بھی احادیث و روایات میں بھی آیا ہے۔

اس کے بعد مہدی کے وہی اوصاف بتائے گئے ہیں جو احادیث میں آئے ہیں۔

صورت و سیرتش چو پیغمبر     علم و حلمش شعار می بینم

حضرت باب سیرت وصورت میں اپنے نانا حضرت رسول اکرمؐ پر گئے تھے۔

حضرت شاہ نعمت اللہ ایک اور شعر میں واضح کرتے ہیں کہ مہدی اور عیسیٰ دو الگ الگ ظہور ہوں گے۔ کوئی ایک ہی آدمی دونوں منصبوں کا دعویٰ نہیں کر سکے گا۔

مہدی وقت و عیسی دوران     ہر دو شہسوار می بینم

سید علی محمد باب نے مہدی (قائم) ہونے کا ادعا فرمایا تھا۔ آپ کی ماموریت کا دور ۱۸۵۲ء-۱۸۴۴ء ہے۔ اور مرزا حسین علی بہاء اللہ مسیح موعود (عیسیٰ دوران) ہو کر تشریف لائے اور آپ کا عہد ۱۸۹۲-۱۸۵۲ء ہے۔ اس طرح یہ دونوں دعوے مستقل علیحدہ اور مشخص ہیں۔ جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے یہ بے اساس دعویٰ کیا کہ وہ مہدی بھی ہیں اور مسیح بھی۔

مرزا قادیانی صاحب کے دعوے متضاد تھے۔ وہ ۱۸۹۰ء تک مجدد ہونے کا دعویٰ کرتے رہے اور ۱۸۹۱ء میں مسیح نہیں بلکہ "مثیل مسیح" ہونے کا دعویٰ کیا اور ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے۔ اس حساب سے وہ ادعائے مسیحیت کے بعد فقط ۱۸ سال زندہ رہے لیکن حضرت بہاء اللہ جو شاہ نعمت اللہ ولی کے "شہریار" ہیں پورے چالیس سال تک زندہ رہے۔ اب قارئین کرام ہی انصاف کریں کہ اس بشارت کا مصداق کون ٹھہرتا ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب یا حضرت بہاء اللہ ؟

حضرت اقبال نے گویا اسی موقعہ کے لئے فرمایا تھا:

نمودش سری از اسرار غیب است

ز ہر گردی برون ناید سواری

حافظ شیرازی نے بھی فیصلہ دے دیا ہے۔

اسم اعظم بکند کار خود ای دل خوش باش

که به تلبیس و حیل دیو سلیمان نشود

حضرت بہاء اللہ کا ۱۸۹۲ء میں صعود واقع ہوا تو آپ کے تحریری وصیت نامہ کے مطابق آپ کے فرزند حضرت عبدالبہاء آپ کے جانشین ہوئے اور ساری زندگی اسی منصوص منصب پر فائز رہے۔ مگر مرزا غلام احمد صاحب ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے تو ان کا بیٹا جانشین نہیں ہوا بلکہ حکیم مولوی نورالدین ۱۹۱۴ء تک خلافت پر فائز رہے اور ظاہر ہے کہ حکیم مولوی نورالدین مرزا صاحب کے بیٹے نہ تھے بلکہ ان کے مرید تھے۔ یہ پیش گوئی بھی مرزا صاحب کے حق میں سچی ثابت نہ ہوئی۔ کیونکہ شاہ نعمت اللہ فرماتے ہیں۔

دور او چون شود تمام بکام "پسرش" یادگار می بینم

شاہ نعمت اللہ کے مشہور قصیدہ پر مرزا غلام احمد قادیانی کا ایک رسالہ بنام "نشان آسمانی" حال ہی میں ہمیں ملا ہے۔ اس رسالے میں بیشمار اشتباہات موجود ہیں لہذا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مرزا صاحب کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے صحیح حقائق کو سامنے لایا جائے۔

سترہ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ جون ۱۸۹۲ء میں زیر نگرانی غلام محمد کاتب ریاض ہند (پریس) امرتسر میں چھپا تھا۔ صفحہ ۲ ٹائیٹل پر "اطلاع" کے عنوان سے اشتہار ہے جو مرزا صاحب نے خود لکھا ہے جس میں کہا گیا کہ یہ رسالہ "قیمت پر بھیجا گیا ہے" اور "بلا توقف قیمت اس کی جو تین آنے ہے۔ بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیں" اس کے بعد از الف تا د صفحات پر قصیدہ دیا گیا ہے' اور پھر اصل صفحات شروع ہوتے ہیں۔ اس رسالہ "شافیہ کافیہ" کو مخالفوں پر "حجت اللہ" کہا گیا ہے۔ رسالہ کے نام کے بعد یہ عبارت ملتی ہے۔ "از تالیفات مہدی زمان و مسیح دوران مجدد الوقت حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی"۔

علمائے اسلام جانتے ہیں کہ مہدی' مسیح اور مجدد مختلف مناصب ہیں جو کسی ایک

ہی شخص میں جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے ان تینوں مصبوں کو اپنے اندر جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ عقل اور نقل کی رو سے ممتنع الاجتماع ہے۔

یاد رہے کہ ای جی براون کو جو قصیدہ ۹ اگست ۱۸۸۸ء کو ماہان (کرمان) کی خانقاہ سے ملا تھا۔ وہ اس نے اپنی "تاریخ ادبیات فارسی" جلد سوم میں شامل کیا ہے اور اس کے کل اشعار ۵۰ ہیں جبکہ "نشان آسمانی" میں ۵۵ اشعار درج ہیں اور اس کی ترتیب بھی اس قصیدے کی ترتیب سے مختلف ہے جو براون نے برقرار رکھی ہے۔

مرزا صاحب دعویٰ کرتے : ......"اس زمانہ میں بجز اس عاجز کے کسی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا......"

حالانکہ اس سے چالیس سال پہلے ۱۸۵۲ء میں مرزا حسین علی بہاء اللہ کا ایران میں مسیح موعود کی حیثیت سے ظہور ہو چکا تھا۔ اور اس کی خبر مرزا صاحب کو پہنچ چکی تھی۔

یہاں پر ہم حضرت بہاء اللہ کے دعویٰ مسیحیت پر چند آیات دیتے ہیں اور اس کے بعد مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی شہادت پیش کریں گے کہ وہ بابی اور بہائی لٹریچر کا مطالعہ کر چکے تھے۔

حضرت بہاء اللہ ۱۸۹۲ء سے بہت پہلے بڑے اعتماد و یقین کے ساتھ اعلان فرما چکے تھے کہ آپ حضرت مسیح موعود کی حیثیت سے ظہور فرما چکے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں :

انه قد اتى من السماء مرة اخرى كما اتى منها اول مرة . اياك ان تعترض عليه كما اعترض عليه الفريسيون من دون بينةٍ و برهان. (۱)

ترجمہ : یقیناً وہ مسیح اسی شان سے آسمان سے آگیا ہے جس شان سے وہ آسمان سے پہلی بار آیا تھا۔ خبردار جو تو اس پر اعتراض کرے۔ جیسے اس پر فریسی فرقہ کے لوگوں نے بغیر دلیل و برہان کے اعتراض کیا تھا۔

---

۱- کتاب مبین، ص ۳۸۔

اس واضح اعلان مسیحیت کے بعد ۱۸۹۲ء میں مرزا غلام احمد کا یہ لکھنا محض دروغ بیانی نہیں تو اور کیا ہے کہ "اس زمانے میں بجز اس عاجز کے کسی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا"۔ اگر کوئی صاحب یہ اعتراض کریں کہ حضرت بہاء اللہ کے دعویٰ کے سال کا ذکر نہیں ہوا تو اتنی بات تو یقینی ہے کہ حضرت بہاء اللہ نے مرزا صاحب کے دعویٰ سے (اگر مرزا صاحب کا کوئی دعویٰ ہے تو) بہت پہلے یہ دعویٰ کیا تھا۔ لیکن تسلی کے لئے ہم ایک اور آیہ نقل کرتے ہیں جو کتاب "الاقدس" میں وارد ہے۔ اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کتاب "الاقدس" ۱۸۷۳ء میں عکا میں نازل ہوئی تھی۔

حضرت بہاء اللہ مسیح ہونے کا دعویٰ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

**قل یا ملا الانجیل قد فُتح باب السماء و اتی من صعدالیه و انه نیادی فی البر و البحر.**(۱)

ترجمہ: کہہ دو۔ اے انجیل والو۔ آسمان کا دروازہ کھل گیا' اور وہ آگیا جو آسمان پر چلا گیا تھا۔ وہ اب بحر و بر میں منادی کر رہا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب "البلاغ" میں جس کا دوسرا نام "فریاد درد" ہے اپنے وسیع مطالعہ کا ذکر کرتے ہوئے مختلف علوم کی کتب کی طویل فہرست دی ہے جن کا مطالعہ وہ کر چکے تھے' جن مذاہب کی کتب کا مطالعہ کیا تھا ان کے نام دیتے ہوئے لکھتے ہیں' کتب مذہب بابی "پڑھ چکا ہوں۔ یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ نے بابی مذہب کی کتب کا مطالعہ کیا تھا۔ اور جانتے تھے کہ ۱۸۴۴ء میں امام مہدی اور ۱۸۵۲ء میں مسیح موعود کا ظہور ایران میں ہو چکا تھا۔

اب ہم مرزا غلام احمد صاحب کے ان مغالطوں کا جائزہ لیتے ہیں جن مغالطوں سے انہوں نے "نشان آسمانی" میں جان بوجھ کر کام لیا ہے۔

**مغالطہ -۱** : مرزا صاحب ۱۸۹۲ء میں لکھتے ہیں کہ : اور یہ بزرگ سات سو انچاس برس پہلے ہمارے زمانے (۱۸۹۲ء) سے گذر چکے ہیں...... (ص ۳)۔

---

۱- الاقدس آیہ ۷۴۔

یہ عبارت مرزا صاحب نے ۱۸۹۲ء میں لکھی تھی۔ حضرت شاہ نعمت اللہ کے انتقال کی تاریخ ای۔ جی براؤن نے بہار ۱۴۳۱ء (۲۲ رجب ۸۳۴ ہجری) تحریر کی ہے (۱) اور اسی تاریخ پر ایران کے تذکرہ نویسوں نے اتفاق کیا ہے۔ اب ۱۸۹۲ء سے مرزا صاحب کے بتائے ہوئے ۷۴۹ سال نکالیں تو ۱۱۴۳ سال بنتے ہیں یہ حساب غلط ہو گیا کیونکہ شاہ نعمت اللہ کے سال تولد ۱۴۳۱ء کے مطابق سات سو انچاس کی بجائے ۴۶۱ ہونا چاہیے اور یہی صحیح ہے۔ مرزا صاحب نے سوچا ہو گا کہ اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ قصیدہ شاہ صاحب نے زندگی میں ہی کہا تھا مرنے کے بعد نہیں کہا، کہتے ہیں...... اور اس قدر مدت ان کے قصیدے کی تألیف میں گذر گئی (۲)...... یہ انکشاف عجیب ہے۔ ظاہر ہے کہ قصیدہ حین حیات میں ہی کہا ہو گا۔

مغالطہ – ۲ : مرزا صاحب نے یہ مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور شاہ نعمت اللہ کے قصیدہ میں بتائے ہوئے چالیس سال کو اپنی طبیعی عمر پر منطبق کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

......لیکن براھین احمدیہ کے دیکھنے سے ظاہر ہو گا کہ یہ عاجز تجدید دین کے لئے اپنی عمر کے سن چالیس میں مبعوث ہوا جس کے گیاراں (کذا) برس کے قریب گذر گیا۔ (۳)

براھین احمدیہ کے چار حصے ۱۸۸۰ء سے لے کر ۱۸۸۴ء تک کی مدت میں شائع ہوئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان حصوں میں انہوں نے "عیسیٰ دوران" ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ وہ مجدد ہیں۔ مسیح نہیں بلکہ "مثیل مسیح" ہیں۔

اس ضمن میں سید ابوالحسن علی ندوی رقم طراز ہیں :

"......اس کتاب میں اپنی ذات کے متعلق وہ بار بار اظہار کرتے ہیں کہ وہ دنیا کی اصلاح اور اسلام کی دعوت کے لئے خدا کی طرف سے مامور اور عصر حاضر کے مجدد ہیں اور ان کو حضرت مسیح سے مماثلت ہے اس کتاب میں ان کو حضرت مسیح کے آسمان پر جانے اور دوبارہ اترنے کا بھی اقرار ہے (۴)۔

---

۱- تاریخ ادبیات ایران (انگریزی) ج ۳، ص ۴۶۳۔ ۲- نشان آسمانی

۳- ایضاً ص ۴۔ ۴- قادیانیت، ص ۴۹۔

مرزا صاحب کا دعویٰ جو اوپر درج ہوا کہ "یہ عاجز تجدید دین کے لئے اپنی عمر کے سن چالیس میں مبعوث ہوا"۔ درست نہیں ٹھہرتا ہے۔ مرزا صاحب ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۸۲ء میں مجدد مبعوث ہوئے(۱) اب ۱۸۸۲ء سے ۱۸۳۵ء سال منہا کئے تو باقی ۴۷ سال بنتے ہیں اس حساب سے آپ کی عمر "بعثت" کے وقت چالیس سال نہ تھی بلکہ سنیتالیس سال تھی لہذا وہ قصیدہ میں دی گئی عمر کا مصداق نہ ٹھہرے۔

حقیقت یہ ہے کہ شعر میں یہ نہیں کہا گیا کہ بعثت چالیس سال کے سن میں ہو گی۔ بلکہ کہا یہ گیا ہے کہ بعثت کے بعد وہ "شہریار" چالیس سال زندہ رہے گا۔ میرزا صاحب اس کی تاکید میں لکھتے ہیں...... یعنی اس روز سے جو وہ امام ملہم ہو کر اپنے تئیں ظاہر کرے گا چالیس برس تک زندگی کرے گا۔(۲)

پھر لکھتے ہیں: انہی اشعار میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ وہ مبعوث ہونے کے وقت سے چالیس برس تک عمر پائے گا۔(۳)۔

اب اگر براھین احمدیہ کے مطابق مرزا صاحب نے کوئی دعویٰ ۱۸۸۲ء میں کیا تھا تو ان کے سال وفات یعنی ۱۹۰۸ء تک ۲۶ سال بنتے ہیں۔ اس طرح بھی ان کی دلیل کمزور پڑ گئی کیونکہ چالیس سال، پورے نہیں ہوتے۔

اور اگر ادعا کا سال ۱۸۹۰ء لیا جائے "جو فتح اسلام" میں دیا گیا ہے تو بھی مرزا صاحب کی وفات تک آٹھ سال بنتے ہیں چالیس سال نہیں بنتے۔ اور اگر تاریخ پیدائش سے چالیس سال مراد لیں تو بھی دونوں سالہائے دعاوی کی رو سے حساب غلط ہو جاتا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱- مثلاً پیدائش | : ۱۸۳۵ء | |
| ادعا | : ۱۸۸۲ء | فرق ۷ سال۔ |
| ۲- پیدائش | : ۱۸۳۵ء | |
| ادعا | : ۱۸۹۰ء | فرق ۵۵ سال۔ |

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

---

Life of Ahmad , P.73-۱ ۲- نشان آسمانی، ص ۱۴۔ ۳- نشانی آسمانی، ص ۴۔

**مغالطہ - ۳ :** یہ بات قابل غور ہے کہ مرزا صاحب "ایام بعثت کے چالیس برس" کا حساب لگا کر آخر میں لکھتے ہیں : "واللہ اعلم"۔ جبکہ "واللہ اعلم" وہاں لکھا جاتا ہے جہاں معاملہ مشکوک اور غیر یقینی ہو مگر تولد اور بعثت کے سلسلے میں شک کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے کہ دونوں واقعات کی تاریخ معلوم ہوتی ہے اور ہونی چاہئے۔ اگر ان کو اپنی تاریخ تولد کا یقین تھا تو "واللہ اعلم" لکھنا یعنی چہ ؟ اور اگر سال تولد معلوم نہ تھا۔ تو سن کے اعتبار سے حساب لگانا ہی مشکوک ہو گیا۔

**مغالطہ - ۴ :** مرزا صاحب نے رسالہ میں "نائب مہدی" والا شعر ہی حذف کر دیا ہے ' جبکہ اصل قصیدہ میں چار شعر اس تسلسل سے آئے ہیں :

نائب مہدی آشکار شود — بلکه من آشکار می بینم
پادشاهی تمام دانائی — سروری باوقار می بینم
بندگان جناب حضرت او — سر بسر تاجدار می بینم
تا چهل سال ای برادر من — دور آن شهسوار می بینم (۱)

احادیث میں مذکور ہے کہ حضرت عیسی امام مہدی کے پیرو اور آپ کے نائب ہوں گے۔ اور آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ حضرت بہاء اللہ نائب مہدی اور مطیع مہدی تھے اور ان چاروں اشعار میں آپ ہی کے بارے میں پیش گوئی کی گئی ہے کہ نائب مہدی آئیں گے 'آپ کشور دین و عرفان کے دانا بادشاہ اور باوقار آقا ہوں گے۔ آپ کے ماننے والے اقلیم عرفان کے تاجدار ہوں گے۔ آپ وہ "شہریار" ہوں گے جو بعثت کے بعد چالیس سال تک زندہ رہیں گے۔

چنانچہ حضرت بہاء اللہ کی بعثت ۱۸۵۲ء میں طہران کے سیاہ چال میں ہوئی اور آپ کی وفات ۱۸۹۲ء میں عکا میں ہوئی۔

احمدی اخبار "الحکم" نے خود بھی حضرت بہاء اللہ کے سال ظہور اور سال صعود کی

---

۱۔ای۔ جی براؤن، ص ۷ ۴۶۔

گواہی دیتے ہوئے لکھا ہے:

بہاء اللہ جس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء میں کیا وہ ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۲ء تک زندہ رہا اور آخر دم تک اس دعوے پر قائم رہا اور اپنے تئیں مہبط روح الٰہی بتاتا رہا۔(۱)

**مغالطہ - ۵:** مرزا صاحب نے قصیدے کی نہ صرف یہ کہ ترتیب بدل دی ہے بلکہ اکثر مصرعوں کے الفاظ ہی تبدیل کر دیئے ہیں۔ چنانچہ "نشان آسمانی" میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

| قصیدہ کا اصل مصرعہ: | تحریف |
| --- | --- |
| پادشاهی تمام دانائی | پادشاهی مشام دانائی |
| گرچه می بینم این همه غمها | گرچه می بینم این همه غم نیست |
| از یمین و یسار می بینم | درمیان و کنار می بینم |
| تاجر از دست دزد بی همراه | تاجراز دور دست و بے همراه |
| حال هند و خراب می یابم | حال هند خراب می یابم (بے وزن کر دیا) |
| جور ترك و تتار می بینم | جور ترك تبار می بینم |
| چون زمستان پنجمین بگذشت | چون زمستان بے چمن بگذشت |
| ششمش خوش بهار می بینم | شمس خوش بهار می بینم (بے وزن کر دیا) |
| پادشاهی تمام دانائی | پادشاهی تمام هفت اقلیم |
| ید بیضا که باد پاینده | ید بیضا که با او تابنده |
| دور آن شهریار می بینم | دور آن شهسوار می بینم |
| میم حامیم دال می خوانم | اح م د دال می خوانم (بے وزن کر دیا) |

یہ مشت نمونہ از خروار تھا ورنہ مرزا صاحب نے قصیدہ میں جو کاری گری اور دست اندازہ کی ہے اس کا صحیح اندازہ اسی وقت ہوگا جب آپ اصلی اور جعلی نسخوں کا مقابلہ کریں گے

---

۱- الحکم قادیان، ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۴ء۔

مغالطہ - ٦ : مرزا صاحب نے سب سے بڑا مغالطہ یہ ڈالا کہ شاہ صاحب کے قصیدہ کے شعر میں آنے والے نام "محمدؐ" کو "احمد" سے تبدیل کر دیا۔

اصل شعر: میم حا میم دال می خوانم نام آن نامدار می بینم

م - ح - م - دال (محمد)

مرزا صاحب کا تحریف شدہ شعر۔

ا- ح- م و دال می خوانم نام آن نامدار می بینم

حدیث میں آیا ہے کہ امام مہدی کا نام "محمد" ہوگا اور یہی بات قصیدہ میں کہی گئی ہے۔ کسی ایک حدیث میں بھی یہ خبر نہیں دی گئی کہ آپ کا نام "احمد" ہوگا۔ مثال کے طور پر یہ احادیث دیکھئے:

ابو داؤد اور الترمذی نے یہ حسن صحیح حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

...... يملك رجل من اهل بيتي يواطي اسمه اسمي (۱)

ترجمہ: میری اہل بیت سے ایک مرد مالک ہوگا۔ جس کا نام میرے نام پر ہوگا۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

انه قال يواطي اى يوافق اسمه اسمي

ترجمہ: یواطی کا معنیٰ یہ ہے کہ امام مہدی کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔(۲)

مشارق الانوار میں ہے۔

قال امير المومنين انا الجانب و الجنب محمد (۳)

ترجمہ: حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا (مہدی کے نام میں) ایک طرف میرا نام (علی) ہے اور دوسری جانب محمد ہے۔

حضرت باب کا اسم گرامی انہی دو بڑے اسمائے گرامی سے مرکب ہے یعنی علی محمد

---

۱- مشارق الانوار بحوالہ المعیار الصحیح، ص ۱۰۶۔ ۲- الاشاعہ لاشراط الساعہ، ص ۸۷۔

۳- مشارق الانوار۔

ہے جبکہ مرزا صاحب کا نام غلام احمد ہے اور ظاہر ہے کہ غلام کوئی بڑا نام نہیں ہے اور رہا "احمد" سو وہ بھی رسول اللہؐ کا آسمانی نام نہیں ہے بلکہ قرآن میں آپ کو ہمیشہ محمد کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے۔ مثلاً محمد الرسول اللہ 'ایک جگہ بھی احمد الرسول اللہ نہیں کہا گیا۔ جناب مرزا صاحب نے جس دیدہ دلیری کے ساتھ شاہ نعمت اللہ کے قصیدے میں لفظ "محمد" کی جگہ "احمد" لکھا اور شعر کے وزن کو بگاڑا اس کی مثال شعری تحریفات میں کہیں اور نہیں ملے گی۔ مرزا صاحب ایک طرف تو شاعر ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور انہوں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی شاعری کے نمونے بھی پیش کئے ہیں 'لیکن یہاں اپنا نام "احمد" لانے کے لئے عروض کی ساری حدود پھلانگ گئے اور شعر کو بے وزن کر دیا(۱)۔ ایران کے بہائی عالم وادیب شیخ الرئیس ابو الحسن مرزا نے متشاعر قادیان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

**لا ینطبق ببحر من البحور ...... فعلمتُ ان هذا المتنبیُ و الشیخ المتصبیّ للشعر قلیل الروایة و کلیل الدرایة و لیس فیه من آثار النبوّة الاّ انّ الله ما علمه الشعر (۲).**

**مغالطہ - ۷** : مرزا صاحب کو جہاں قصیدہ کے سمجھنے میں غلطی لگی وہاں آپ حضرت شاہ نعمت ولی کے سوانح سے متعلق بھی کچھ نہیں جانتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں :

......واضح ہو کہ نعمت اللہ ولی رہنے والے دہلی کے نواح کے اور ہندوستان کے اولیاء کاملین میں سے مشہور ہیں۔ ان کا زمانہ پانسو ساٹھ ہجری ان کے دیوان کے حوالہ سے بتایا گیا ہے......(۳)

حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب "دہلی کے نواح کے" رہنے والے نہ تھے اور نہ ہی ان کا شمار ہندوستان کے اولیاء میں ہوتا ہے اور نہ ہی ان کا زمانہ پانسو ساٹھ ہجری ہے' یہ ساری باتیں نہایت گمراہ کن اور سنی سنائی ہیں۔ کیا ایک " مثیل مسیحیت "کو ایسی بے سروپا باتیں لکھنی چاہئیں تھیں جو کوئی ان پڑھ اور غیر ذمہ دار شخص بھی نہیں لکھے گا۔

---

۱- قصیدہ کی بحر : بحر خفیف + مسدس (فاع۔ تن۔ مفاعلن۔ فعلن)۔

۲-کتاب الابرار' ص ۱۴۸۔ ۳-نشان آسمانی' ص ۹۔

اب ہم شاہ صاحب کی مستند سوانح دیتے ہیں تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے۔ کہ جس طرح مرزا صاحب کا دعویٰ بے اساس تھا اسی طرح ان کی معلومات بھی ناقص اور ان کی دلیل بے وزن ہے۔

## سوانح شاہ نعمت اللہ

از ای۔جی براؤن

انگریزی سے ترجمہ : صابر آفاقی

ان کا اصل نام امیر نور الدین نعمت اللہ تھا۔ والد کا نام میر عبد اللہ تھا سلسلۂ نسب و پانچویں امام حضرت امام محمد باقر علیہ السلام تک پہنچتا ہے' شاہ نعمت اللہ ۷۳۰ ھ / ۳۰-۱۳۲۹ء میں حلب میں پیدا ہوئے جوانی کا عرصہ بغداد میں گذارا۔ ۲۴ سال کی عمر میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہاں سات سال تک قیام کیا' اور معروف صوفی شیخ عبد اللہ الیافعی (متوفی ۷۶۸ھ / ۱۳۶۶ء) کی شاگردی حاصل کی۔ نجف و کربلا میں بھی قیام کیا۔

عمر کا بقیہ حصہ آپ نے سمرقند' ہرات اور یزد میں گذارا۔ آخر کے ۲۵ سال آپ نے ایران کے شہر کرمان کے نزدیک قصبہ ماہان میں بسر کئے۔ وہیں آپ ۲۲ رجب ۸۳۴ ھ / ۵ اپریل ۱۴۳۱ء کو فوت ہوئے۔ مادۂ تاریخ وفات : جنت الفردوس ۸۳۴۔

ماہان میں آپ کی درگاہ مرجع خلائق ہے۔ آپ صوفیہ کے سلسلۂ نعمت اللہیہ کے بانی ہیں۔ ای۔جی براؤن نے اس درگاہ کی زیارت ۱۸۸۸ء میں کی تھی۔ شاہ نعمت اللہ بہت بڑے عالم عارف اور فارسی کے شاعر تھے۔ دیوان کے علاوہ پانسو کے قریب صوفیانہ رسائل آپ کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔

براؤن لکھتا ہے : میرے پاس دیوان شاہ نعمت اللہ کا جو نسخہ ہے وہ لتھو پر طہران میں چھپا ہے اور اس پر تاریخ طباعت ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء درج ہے۔ آپ کی شہرت ایک صوفی کی حیثیت سے زیادہ ہوئی۔ آپ کی نمایاں منظومات وہ ہیں جن کا لہجہ پیغمبرانہ ہے' اور یہ منظومات سلسلۂ دراویش کے باہر بھی بڑی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں ان میں ایک وہ مشہور قصیدہ ہے جو "فتنہ آخر الزمان" اور ظہور امام مہدی کی پیش گوئی پر مشتمل ہے۔ بابی مذہب کے لوگ جناب

(علی محمد) باب کے ظہور کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں(۱)۔

اس قصیدہ میں امام مہدی کے ظہور سے پہلے کی علامات بتائی گئی ہیں۔اور پھر خود امام مہدی کا نام "محمد" دے کر دیگر علامات کا ذکر ہے۔ راقم یہاں پر اپنی ناقص سمجھ کے مطابق بعض اہم اشعار کی تشریح پیش کرتا ہے مگر پہلے اس نکتے کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ انبیاء و اولیاء کی پیش گوئیاں اس ترتیب کے مطابق نہیں ہوتیں جس ترتیب سے ان کو واقع ہونا ہوتا ہے۔ میرا ناقص خیال یہ ہے کہ الہام کی تجلیات آسمانی بجلی کی طرح وقفوں وقفوں سے چمکتی رہتی ہیں۔ یہ تجلیات آنے والے واقعات کو دکھادیتی ہیں مگر ان میں ترتیب زمانی نہیں ہوتی۔

زیر نظر قصیدہ کی ترتیب وصحت کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کوئی قلمی نسخہ ہاتھ آجائے جو ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء سے پہلے کا ہو تو خیال ہے کہ اس کی ترتیب مختلف ہوگی، لیکن جو نسخے حضرت باب کے سال ظہور یعنی ۱۸۴۴ء کے بعد تیار ہوئے۔ گمان غالب ہے کہ مخالفین نے ان کی ترتیب شاید بدل دی ہو اور تحریف کر دی گئی ہو تاہم براؤن چونکہ ایک محقق تھا اور قصیدہ کا قدیم ترین نسخہ بھی اس نے محفوظ کر دیا ہے۔ لہذا میں اس قصیدے کو بنیاد بنا کر گفتگو کروں گا۔

بعد امسال و چند سال دگر عالمی چون نگار می بینم

"امسال" سے مراد سال غرس (۱۲۶۰ھ) ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ امسال کے کچھ سال بعد دنیا نئی نویلی دلہن بن جائے گی۔ چنانچہ امسال یعنی ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء کے چند سال بعد ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء میں حضرت بہاء اللہ کا ظہور ہوا۔

هفت باشد وزیر و سلطانم همه را کام یار می بینم

ہفت وزیر سے مراد سات حرف ہو سکتے ہیں جو "علی محمد" میں پائے جاتے ہیں اور سلطان سے مراد حضرت بہاء اللہ ہیں جو شاہ نعمت اللہ کے "شہریار" اور حضرت باب کے من یظہرہ اللہ ہیں۔

---

1. Literary History of Persia Vol.III, P.463-465.

عاصیان از امام معصومم　　خجل و شرمسار می بینم

مطلب یہ ہے کہ حکومت ایران امام معصوم۔ حضرت سید علی محمد باب کو شہید کر کے معصیت کا ارتکاب کرے گی اور اسے اس کام سے شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔

برکف دست ساقی وحدت　　بادۂ خوشگوار می بینم

یہاں حضرت بہاء اللہ کو "ساقی وحدت" کا لقب دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ آپ کے دست مبارک پر نئی تعلیمات اور نئی شریعت کا "بادۂ خوشگوار" ہوگا۔

حضرت بہاء اللہ تمام ادیان واقوام کے لئے اتحاد واتفاق کی تعلیمات لائے ہیں۔ آپ نے تعلیم دی کہ خدا ایک ہے۔ نوع انسانی ایک ہے، تمام ادیان ایک ہیں اور سارے مظاہر ظہور ایک ہیں۔ توحید کا یہ اعلیٰ ترین تصور پیش کر کے نوع بشر میں وحدت پیدا کر دی۔ اور تمام تعصبات کا خاتمہ کر دیا۔

آپ فرماتے ہیں:

بگو ای دوستان، سرا پردۂ یگانگی بلند شد، بچشم بیگانگان یکدیگر را مبینید همه بار یك دارید و برگ یك شاجسار(۱)۔

اس کے برعکس مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے پیروکاروں کے سوا سب کو کافر قرار دیا۔ اس لئے وہ اس پیش گوئی کا مصداق نہیں ہو سکتے۔

گرگ بامیش و شیر با آهو　　در چرا برقرار می بینم

احادیث میں ظہور مہدی و مسیح کی برکات کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ آپ گرگ کی گوسفند سے اور شیر کی آہو سے آشتی کر دیں گے۔ گرگ و شیر جابر و متعصب اقوام سے استعارہ ہے جبکہ گوسفند و آہو سے مراد مظلوم قومیں ہیں۔ مندرجہ ذیل حدیث میں بشارت دی گئی ہے کہ امام مہدی اور مسیح ظہور فرمائیں گے تو جدید تعلیمات کے زیر اثر ظالم و مظلوم اور قاہر و مقہور قوموں اور قبیلوں میں دوستی پیدا ہو جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

---

۱۔ دریای دانش، ص ۸۔

حتی ترتع الابل مع الاسر جمیعاً و الذئاب مع الغنم(۱)

ترجمہ : یہاں تک کہ اونٹ اور شیر اور بھیڑیئے بھیڑوں کے ساتھ ایک چراگاہ میں رہیں گے۔

اس حدیث شریف کے مطابق حضرت بہاء اللہ نے مشرق و مغرب کی متخاصم قوام اور گونا گون ادیان کو باہم شیر و شکر کر دیا ہے۔

شاہ نعمت اللہ کی یہ پیش گوئی کسی دوسرے مدعی پر ہرگز منطبق نہیں ہوتی۔

نعمت اللّه نشسته در کنجی از همه بر کنار می بینم

اس شعر میں جناب نعمت اللہ اس واقعہ کی پیش گوئی کرتے ہیں جب حضرت بہاء اللہ عراق کے کوہ سلیمانیہ میں ہجرت کر کے چلے گئے اور ایک درویش کی حیثیت سے ۱۸۵۴ء سے ۱۸۵۶ء تک قیام پذیر رہے۔ اس پیش گوئی کا مصداق حضرت بہاء اللہ کے بغیر دوسرا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

چون زمستان پنجمین بگذشت ششمش خوش بہار می بینم

حضرت بہاء اللہ کا ظہور خفی طہران کے سیاہ چال میں ۱۸۵۲ء میں ہوا۔ اسی سال آپ کو جلاوطن کر کے بغداد بھیج دیا گیا آپ ۱۸۵۴ء میں کوہ سلیمانیہ میں چلے گئے اور ۱۸۵۶ء میں وہاں سے واپس بغداد تشریف لائے۔ ظہور کے سال ۱۸۵۲ء سے شمار کریں تو ۱۸۵۶ء تک پانچ سال بنتے ہیں اور اسی واقعہ کی بشارت اس شعر میں دی گئی ہے' حضرت بہاء اللہ موسم سرما (زمستان) گذرنے کے بعد ۱۹ مارچ ۱۸۵۶ء کو سلیمانیہ سے بغداد تشریف لائے تھے(۲) جس کی طرف شاہ صاحب نے "زمستان پنجمین" کے الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔ دیکھ لیجئے شعر کا مفہوم کتنی خوبی سے واضح ہو گیا۔

نائب مہدی آشکار شود بلکه من آشکار می بینم

جناب شاہ نعمت اللہ بتاتے ہیں کہ جب ظہور کے پانچویں سال کا موسم سرما گذر جائے گا تو حضرت بہاء اللہ سلیمانیہ سے واپس آئیں گے چنانچہ آپ تشریف لائے تو

---

۱- التصریح بما تواتر فی نزول المسیح ' ص ۱۶۱۔ ۲- تقویم تاریخ امر ' ص ۵۷۔

۱۸۶۳ء میں بغداد کے باغ رضوان میں اپنے مسیح ہونے کا کھلم کھلا اعلان کر کے "آشکار" ہوئے۔ یاد رکھیئے کہ اس سے پہلے آپ حضرت باب کے نائب و مطیع ہی تھے۔ مسیح کی حیثیت سے آپ نے اعلان نہیں فرمایا تھا۔

قصیدہ میں جو "آشکار" کا لفظ شاہ صاحب نے استعمال کیا ہے وہی لفظ حضرت بہاء اللہ نے کئی الواح میں برتا ہے۔ مثلاً۔ آپ فرماتے ہیں:

...... و این روشنی که از آفتاب دانش هویدا گشت چون بتابید جنبش نخستین نمودار و آشکار شد۔ (۱)

پادشاهی تمام دانائی سروری با وقار می بینم

شاہ صاحب حضرت بہاء اللہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ایسے بادشاہ ہوں گے جو سراپا دانش ہوں گے اور باوقار سرور و آقا ہوں گے۔

حضرت بہاء اللہ کا کلام آپ کی دانائی پر گواہ صادق اور آپ کی سیرت آپ کے وقار پر شاہد عادل ہے۔ حضرت بہاء اللہ اپنی خداداد حکمت و دانش کے بارے میں اس طرح گویا ہیں۔

منم آفتاب بینش و دریای دانش پژ مردگان را تازه نمایم و مردگان را زنده کنم (۲)

تا چهل سال ای برادر من دور آن شهریار می بینم

شاہ نعمت اللہ حضرت بہاء اللہ کو "شہریار" کا لقب دیتے اور فرماتے ہیں کہ ظہور کے بعد آپ کا دور حیات چالیس سال ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ حضرت بہاء اللہ کا ظہور ۱۸۵۲ء میں طہران میں ہوا اور آپ کا صعود ۱۸۹۲ء میں عکا میں واقع ہوا۔

مهدی وقت و عیسی دوران هر دو را شهسوار می بینم

اس شعر میں حضرت شاہ نعمت اللہ ولی یہ بتاتے ہیں کہ مہدی پہلے آئیں گے اور پھر عیسیٰ کا ظہور ہوگا۔ اور یہ دو شخص ہوں گے۔ اور ایسا ہی ہوا۔

---

۱- دریای دانش، ص ۲۔ ۲- نشان آسمانی، ص ۱۷۔

ہمیں کسی بھی کاذب مدعی کے حیلوں سے بچانے کے لئے شاہ نعمت اللہ نے "ہر دو" کے الفاظ سے وضاحت کردی اور ہر طرح کی تاویل کا دروازہ بند کر دیا۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں :

"...... یعنی وہ مہدی بھی ہوگا اور عیسیٰ بھی، دونوں صفات کا حامل ہوگا اور دونوں صفات سے اپنے تئیں ظاہر کرے گا۔ یہ آخری بیت عجیب تصریح پر مشتمل ہے، جس سے صاف طور پر سمجھا جاتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم پا کر عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ تیرہ سو برس سے آج تک کسی نے بجز اس عاجز کے نہیں کیا کہ عیسیٰ موعود میں ہوں۔(۱)

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اس بیت میں دو ظہوروں کا ذکر ہے کہ پہلے مہدی آئیں گے اور پھر عیسیٰ کا ظہور ہوگا۔ "ہر دو" کی تاکید سے یہ مغالطہ ہی کہاں رہا کہ ایک ہی شخص دو منصبوں پر فائز ہوگا۔ اگر مدعی کا کوئی گواہ چست ان اغلاط کا یہ سست جواز پیش کرے کہ میرزا صاحب نے یہ مواد جیسا ملا نقل کر دیا تو سوال یہ ہے کہ الہام نے ان کو برلاس سے "سید" اور پنجابی سے "فارسی" تو بنا دیا۔ پھر ان کا "سروش" یہ کیوں نہ بتا سکا کہ شاہ نعمت اللہ ولی کے حالات اور قصیدے میں تاریخی اور فنی غلطیوں کی تعداد کتنی ہے۔ ایسا الہام کس کام کا جو آڑے وقت میں کام نہ آئے۔

## غلط فہمی - ۳

## امام مہدی

اہل تشیع کی اصطلاح میں قائم آل محمد اور اہل تسنن کی اصطلاح میں امام مہدی کے ظہور کا عقیدہ تعلیمات اسلام کا ایک اہم حصہ رہا ہے۔ اس موضوع پر سینکڑوں نہیں ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اور امت کو ہمیشہ ظہور امام کا انتظار رہا ہے (اور آج بھی ہے)۔ مسلمانوں کو انتظار رہا ہے کہ تیرہویں صدی ہجری کی چھٹی دہائی میں مہدی کا

---

۱۔ نشان آسمانی، ص ۱۷۔

ظہور فارس (ایران) میں ہو گا۔ اقبال تاریخ اور عقائد اسلام سے بخوبی واقف تھے۔ آپ نے آئیڈل انسان (Ideal Man) کا جو نظریہ پیش کیا ہے میرے خیال میں اس سے مراد یہی امام مہدی ہیں۔ انہوں نے کہیں کہیں علامت کے پیرائے میں اور کبھی کبھی مہدی کے نام سے اپنے کلام میں اشارے کئے ہیں۔ جس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ "مہدی" کے بارے میں کس نقطۂ نظر کے حامل تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ کردار سازی مظہر ظہور کے علاوہ دوسرے کسی شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ مظہر خداوندی روح القدس کی قوت و تائید سے انسانوں کی سوچ کے دھارے تبدیل کر کے ان میں اعلیٰ ترین کردار پیدا کر دیتا ہے۔ صحت مند نظریات و افکار بھی وہی ہیں جن کا ابلاغ خدا کا فرستادہ کرتا ہے۔ انسانی ذہن نیک و بد کا معیار مقرر نہیں کر سکتا۔ تاریخ میں بیشمار فلاسفہ و مصلحین گذرے ہیں جو اپنے اپنے نظریات کی تبلیغ کرتے رہے لیکن روح القدس کی تائید سے محروم ہونے کے سبب انسانی سماج کو ترقی و خوشحالی کی طرف لے جانے کی بجائے اسے تنزل و تمدنی میں گراتے رہے۔

اقبال اس حقیقت سے آگاہ تھے۔ اور "کردار" و "صحت مند تخیل" (فکر) کو دنیا کی تعمیر نو کے لئے ناگریز سمجھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

"...... کردار اور صحت مند تخیل میسر آجائے تو اس گناہ اور دکھ بھری دنیا کی ایسی تعمیر نو ممکن ہے کہ یہ ایک حقیقی جنت بن جائے (۱)۔

یہ "شذرہ" دراصل حضرت بہاء اللہ کی اس تعلیم کا انعکاس معلوم ہوتا ہے۔ جس میں آپ فرماتے ہیں۔

**قل . قد جاء الغلام لیحیی العالم و یتحد من علی الارض کلھا و سوف یغلب ما اراداللہ و تری الارض ھی جنّة الابھیٰ** (۲)۔

ترجمہ: کہہ دے 'یہ نوجوان (بہاء اللہ) اس لئے آیا ہے کہ عالم کو (صحت مند فکر سے) زندہ کر دے اور زمین پر تمام رہنے والوں کو (کردار سے) متحد کر دے اور جلد ہی اللہ کا

---

۱- شذرات فکر اقبال، ص ۱۳۸۔ ۲- کتاب مبین۔

ارادہ غالب ہوگا اور تو دیکھے گا کہ روئے زمین جنت ابھی بن گئی ہے۔

اقبال ایک اور شذرہ میں کہتے ہیں کہ یہ انتظار چھوڑ دو کہ مہدی کہیں غائب ہے اور وہ اپنے جسم و پیکر کے ساتھ ظہور کرے گا۔ بلکہ مہدی بطن مادر سے پیدا ہو کر ظاہر ہوگا۔

"......پیکر قوت مہدی کا انتظار چھوڑ دو' جاؤ اور مہدی کی تخلیق کرو۔(۱)

"ضرب کلیم" میں اقبال نے دور حاضر کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے۔ جن مسائل نے بیسویں صدی کے دوسرے اور تیسرے عشرے کے مفکرین کو پریشان کر رکھا تھا ان میں سے اکثر مسائل پر اقبال نے اپنی رائے پیش کی ہے 'ان مسائل میں چند ایک یہ ہیں :

تقدیر' معراج' اجتہاد' جہاد' تصوف' وحی' مہدی بر حق' امامت' الہام' نبوت' مہدی' موت' عورت' آزادی نسواں' ادبیات' فنون لطیفہ وغیرہ۔

اقبال نے "مہدی بر حق" اور "مہدی" کے دو مختلف عنوانات کے تحت نظمیں کہہ کر اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ اب ہم نظم "مہدی بر حق" پر تبصرہ کریں گے۔

چار اشعار کے اس قطعہ میں اقبال کہتے ہیں کہ سب مفکرین۔ وہ خواہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے سب "اپنے بنائے ہوئے زنداں" میں محبوس ہیں۔ یہ "اپنا بنایا ہوا زنداں" کیا ہے' تقلید' تعصب' فرسودہ روایات' کہنہ نظریات بیکار عقائد اور دوراز کار خیالات۔ مزید تشریح میں فرماتے ہیں کہ کلیسا کا مذہبی نظام ہو یا اسلام کی تشکیلات ان میں کہیں بھی "جدت گفتار" اور "جدت کردار" نظر نہیں آتی۔

مغرب و مشرق کے فلسفہ و مذہب کی بیچارگی کا حال بتانے کے بعد کہتے ہیں آپ اہل سیاست کو دیکھیں تو وہاں بھی وہی کہنہ "پیچ و خم" دکھائی دیتے ہیں۔ رہا شاعر سو وہ بھی افلاس تخیل میں گرفتار ہے۔

اقبال قطعہ کے آخری شعر میں "مہدی بر حق" کی ضرورت پر زور دیتے اور اس کا معیار یہ ٹھہراتے ہیں کہ وہ :

---

۱۔ شذرات فکر اقبال' ص ۱۳۴۔

۱- "اپنے بنائے ہوئے زندان" میں محبوس نہ ہو۔

۲- وہ نئے افکار و خیالات پیش کرے اور نیا کردار پیدا کرے۔

۳- وہ سیاسیات عالم کی الجھی ہوئی کہنہ گتھیوں کو سلجھانا جانتا ہو۔

۴- وہ افلاس تخیل کا شکار نہ ہو بلکہ اس کے پاس نئی تعلیمات کی فراوانی ہو۔

۵- اور اس کی نگہ "عالم افکار" میں ایک "زلزلہ" پیدا کر دے۔ مہدی برحق حضرت سید علی محمد باب میں یہ پانچوں اوصاف پائے جاتے تھے۔

اس تبصرے کے بعد اب اصل نظم ملاحظہ کیجئے:

## مہدی برحق

سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس
خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیار
پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں
نے جدّتِ گفتار ہے ' نے جدّتِ کردار
ہیں اہل سیاست کے وہی کہنہ خم و پیچ!
شاعر اسی افلاسِ تخیل میں گرفتار
دنیا کو ہے اس مہدیٔ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالمِ افکار (۱)

ایک اور نظم میں جس کا عنوان "امامت" ہے۔ علامہ اقبال امام مہدی کے شرائط اس طرح بیان کرتے ہیں۔

۱- امام مہدی وہ ہے جو آدمی کی توجہ "مادیات" سے ہٹا دے۔

۲- جو آدمی میں "جذبہ شہادت" پیدا کر دے۔

۳- جو زیاں کا احساس دلا کر آدمی کو "جدوجہد" کے لئے تیار کر دے۔

---

۱- ضرب کلیم، ص ۴۰۔

۴-ایسا "فقر و قناعت" کا درس دے کہ آدمی کو بیباک و دلیر بنادے۔

## امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے!
ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق!
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے!
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے!
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے!(۱)

حضرت باب نے یہی چار کام کیئے ہیں۔ آپ نے شروع میں ہی ہزاروں لوگوں کے دلوں میں خدا کی محبت اور مادیات کی نفرت پیدا کر دی، بیس ہزار مومنین عشق خدا میں جام شہادت نوش کر گئے اور ایسی قناعت اختیار کی کہ دنیا کا کوئی لالچ انہیں صراط مستقیم سے بھٹکا نہ سکا۔ سارے آئمہ طاہرین انہیں اوصاف حمیدہ کے حامل تھے اور بارھویں امام (قائم آلِ محمد) نے بھی یہی معیار قائم رکھا ہے۔

علامہ اقبال کی مذکورہ نظم "امامت" کی بحر میں اور اسی نظم سے متاثر ہو کر میں نے ساٹھ اشعار کا جو قصیدہ حضرت باب کی شان میں ۲۹ مئی ۱۹۹۹ء کی شام کو نی البدیہہ کہا ہے وہ یہاں دیا جارہا ہے جس میں علامات ظہور اور اوصاف ظہور بیان کیئے گئے ہیں۔

### علی محمد باب

تجھ کو اللہ مرا حشر سے دوچار کرے
یہ قیامت کی گھڑی ہے اگر اقرار کرے

---

۱- ضرب کلیم، ص ۴۴۔

شعرِ اقبال کا مصداق بنے سیدِ باب
ذھن بیمار ہی اس بات سے انکار کرے
"ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے"
جس کا ہو نام علی اور محمد باہم
پورا فرمانِ محمد کا جو معیار کرے
عترت سید لولاکؐ سے رکھے نسبت
فخر اس بات پہ وہ سرور ابرار کرے
نوجوانی میں کہے قائم موعود ہوں میں
اپنے دعویٰ سے کبھی پھر نہ وہ انکار کرے
اسکو شیراز کا لکھیئے کوئی شاداب گلاب
رشک جس پھول پہ فردوس کا گلزار کرے
سامنے حضرت بشروئی کے ھنگام عشاء
سال "ستین" میں وہ امر کا اظہار کرے
جو اٹھارہ سو چوالیس میں فرمائے ظہور
عشق کی از سر نو گرمی بازار کرے
اس پہ عشاق کریں جان فدا بیس ہزار
معجزہ ایسا کہاں ساحر و سحار کرے
لوگ مشھد کی طرف دوڑ کے جائیں سارے!
ہر کوئی جان عجب شان سے ایثار کرے
رقص کرنے لگیں فطرت کے عناصر باہم
رقص بازار میں یوں حضرت افشار کرے

نفخہ صور سے برپا جو کرے روز نشور ،
نسل انساں کو نئے دور سے دوچار کرے
آمد دور بہاء کا جو سنائے مژدہ
نوع انسان کو اس کے لئے تیار کرے
جو کرے کعبے میں اعلان امامت جا کر
ہر جگہ اپنی صداقت پہ جو اصرار کرے
جس کے قدموں پہ ہو قربان زمینِ یثرب
اور طواف اس کا سدا گنبد دوار کرے
جس کو مبعوث کرے قادر و قیوم خدا
جس کو مختار جہاں ، مالک و مختار کرے
اس طرف کو ہی اٹھیں ارض و سما کے اقدام
جس طرف عزم سفر قافلہ سالار کرے
وہ نسیم سحری کی طرح مہکے ہر جا
کبھی مکہ کبھی ماکو گے وہ اسفار کرے
اس کا پیغام اڑے دوش صبا کے اوپر
مردہ اقوام کو جینے کا سزاوار کرے
جس کی عظمت کے سر عرش ترانے گائیں
جس کی تعریف و ثنا ثابت و سیار کرے
دے بشارات ولی اور کبھی شیخ عرب(۱)
پیش گوئی کبھی رومی ، کبھی عطار کرے

---

۱- مراد : شاہ نعمت اللہ ولی اور ابن عربی۔

قید تنہائی میں کوئی نہ ہو جس کا مونس
گر کبھی بات کرے روزن دیوار کرے
جس کو ماکو میں رکھیں حضرت یوسف کی طرح
اور چہریق کی راتوں کو پر انوار کرے
وہ جو تاریکی زنداں میں لکھے شرع جدید
صبح اقوام کو یوں مطلع انوار کرے
جس کو تبریز میں لے جائیں خدا کے دشمن
تا کہ پیش علماء دعوے کا تکرار کرے
ایسا مظلوم کہ اقوام کا داور کہلائے
ایسا معصوم کہ خواہش سے نہ گفتار کرے
مجتہد جس کو کہیں کافر و زندیق و لعین
قتل ایران کا پھر طبقہ قاچار کرے
نطق جس کا ہو ہوی اور ہوس سے خالی
لعل و گوہر ہی جھڑیں لب سے، جو گفتار کرے
وہ جو سلطان امم ہو کے بھی درویش رہے
وہ جو دنیا میں عجب شان کی رفتار کرے
اسکی جیسی کسی سلطان کو عزت نہ ملی
اسکی شہرت کی ہوس کوئی نہ بیکار کرے
فخر اس باز پہ کرتا ہے سدا دشت حجاز
ناز اس آھو پہ تبریز کا کہسار کرے
آخر کار وہ محبوب پہ قرباں ہو جائے
تازہ تبریز میں یوں سلسلہ دار کرے

اپنی شوکت کی جھلک وہ سر کونین دکھائے
اپنی قدرت کی تجلی سربازار کرے
جو ضعیفوں کو بٹھائے سر عرش اعظم
جو ستم گار زمانہ کو نگوں سار کرے
وہ نئے معرکہ نطق و بیاں کے اندر
ہاتھ میں خامہ اٹھائے اسے تلوار کرے
لفظ بولے تو وہ تاثیر دکھائے ایسی
دل کو پر نور کرے، ذہن کو سرشار کرے
بے خرد کو جو عنایت کرے علم و دانش
بے عمل کو جو عطا قوت کردار کرے
جان کے باغ میں مہکائے گل عشق و جنوں
روح کے دشت میں پیدا گل و گلزار کرے
جس کے پاؤں میں بچھے خاک عجم دشت عرب
اپنی رفتار سے طاؤس کو سرشار کرے
ایسا اُمّی کہ ہو دروازۂ شہر حکمت
ایسا تاجر کہ حقیقت کا خریدار کرے
وہم و تقلید کی زنجیر سے دلوائے نجات
سب کو آزاد وہی سیّد احرار کرے
جو نیا لشکر ایمان و یقیں لے کے چلے
قصر اوہام و خرافات کو مسمار کرے
دہر کو حاضر و موجود سے رغبت نہ رہے!
اس طرح عام زمانے میں غم یار کرے

اس پہ ایمان جو لائے اسے بخشے عزت
جو تامل کرے دُنیا میں اسے خوار کرے
ذرۂ خاک کو افلاک کی بخشے رفعت
سنگ ریزوں کو وہی، گوہر شاہوار کرے
انجمن میں وہی آنکھوں کے جلائے فانوس
شب تاریک میں روشن وہی رخسار کرے
جب کبھی دل پہ کروں بوجھ سا محسوس تو وہ
میرے سب بار اٹھائے وہ سبکبار کرے
اسکو ہوتی ہے کہاں ظلِ ہما کی حاجت
جس پہ سردار مرا، سایۂ دستار کرے
وہ اگر چاہے صدف کو کرے چشم حیراں
وہ اگر چاہے خزف کو گہر آثار کرے
وہ اگر چاہے مری آنکھ سے ابھریں سورج
وہ اگر چاہے مرے خامہ کو مینار کرے
وہ اگر چاہے تو باتیں کرے مجھ سے شب کو
وہ اگر چاہے میری آنکھ بھی دیدار کرے
وہ اگر چاہے تو دشوار کو آساں کر دے
وہ اگر چاہے تو آسان کو دشوار کرے
وہ اگر چاہے تو ٹھکرائے عقیدت کے یہ پھول
وہ اگر چاہے تو منظور یہ اشعار کرے
حضرت باب کے منصب کی خبر ہے کس کو!
جی میں جو آئے وہی آپ کی سرکار کرے

زندگی پائے نجات اس کے حوالے سے مری
یہ بھی اعجاز مرا ایزد غفار کرے
عشق سے مجھ کو عطا ہو گئی روئین تنی
جس کو ارماں ہو کسی دن وہ چلے وار کرے
کس نے لکھا ہے، کہو ایسا قصیدہ پہلے
معجزہ یہ بھی زمانے میں غم یار کرے
نہ میرے پاس میرا سر نہ میرے پاس مرا دل
ایسے افلاس میں کیا آدمی ایثار کرے!
حضرت باب کی توصیف میں دم ہو پورا
دل یہ کہتا ہے شب و روز یہی کار کرے
یہ اگر عیب ہے اپنائے ہنر کی طرح
یہ اگر جرم ہے صابر اسے سوبار کرے(۱)

"ضرب کلیم" میں اقبال کا ایک اور قطعہ بعنوان "مہدی" ملتا ہے جو اس طرح ہے۔

## مہدی

قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف
یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو!
مجذوب فرنگی نے باندازِ فرنگی
مہدی کے تخیل سے کیا زندہ وطن کو

---

۱- غیر مطبوعہ۔

اے وہ کہ تو مہدی کے تخیل سے ہے بیزار
نومید نہ کر آہوئے مشکیں سے ختن کو
ہو زندہ کفن پوش تو میت اسے سمجھیں !
یا چاک کریں مردکِ ناداں کے کفن کو !؟(۱)

اقبال بتاتے ہیں کہ قومیں تخیل (Vision) کی بدولت زندہ رہتی ہیں۔ یہی تخیل اور مقصد قوم کے اندر نظم پیدا کرتا ہے۔ جو لوگ مہدی کے عقیدہ کے خلاف ہیں انہیں آپ نصیحت کرتے ہیں کہ ظہور مہدی پر ایمان نہ رکھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ اب ختن (کاشغر) میں آہو پیدا نہ ہوگا۔ حضرت اقبال کہتے ہیں کہ جو قوم روحانی طور پر مر کر کفن پوش ہو گئی ہو اس کے کفن کو چاک نہیں کرنا چاہئے۔

آخری شعر کا مطلب میری ناقص سمجھ میں جو آتا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ ضرورت امام مہدی پر ایمان نہیں رکھتے وہ گویا روحانی طور پر مر چکے ہیں جن کو اب چھیڑنا بے سود ہے۔

ایک اور نظم اقبال نے ۱۹۲۱ء میں طنزیہ انداز میں کہی تھی جس کے مخاطب قائداعظم محمد علی جناحؒ تھے۔ اقبال سید باب کے صحیح نام کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے۔ وہ کئی جگہوں پر علی محمد کو محمد علی ہی لکھتے رہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اقبال مولانا محمد علی جوہر اور محمد علی جناح کا نام اس زمانے میں اکثر سنتے پڑھتے تھے۔ یہ نام ان کے ذھن میں ایسا راسخ ہو گیا کہ حضرت علی محمد (باب) کو محمد علی ہی کہتے رہے۔

اس نظم میں اقبال نے "محمد علی" کے نام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے محمد علی (قائداعظم) کو علی محمد "باب" کا ہم پایہ قرار دیا۔ نظم بدون عنوان زمیندار ۹ نومبر ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ زمیندار نے قطعہ کے تعارف میں لکھا ہے۔

---

۱۔ ضرب کلیم، ص ۵۲۔

جب ۱۹۲۱ء میں مسلم لیگ کانگریس کا ساتھ دے کر اپنی ہستی کو گم کر چکی تھی اور سر آغا خان اور مشیر حسین قدوائی نے اس کی عروق مردہ میں زندگی کا خون دوڑانے کیلئے لندن سے قائداعظم محمد علی جناح کو بلوایا تو علامہ اقبال نے یہ اشعار کہے تھے۔

لندن کے چرخ نادرہ فن کے پہاڑ پر
اترے مسیح بن کے محمد علی جناح
نکلے گی تن سے تو کہ رہے گی ہمیں بتا
اے جان بر لب آمدہ' اب تیری کیا صلاح
دل سے خیال دشت و بیاباں نکال دے
مجنوں کے واسطے ہے یہی جادۂ فلاح
آغا امام اور محمد علی ہے "باب"
اس دین میں ہے ترک سواد حرم مباح
بشریٰ لکم کہ منتظر ما رسیدہ است
یعنی حجاب غیبت کبریٰ دریدہ است (۱)

اقبال طنزیہ لہجے میں کہتے ہیں کہ سر آغا خان امام ہیں اور محمد علی (جناح) گویا "باب" ہیں۔ جو نائب امام ہیں۔ قطعہ کے فارسی شعر میں امام مہدی کے غیاب کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ ہمارا امام منتظر آگیا ہے اور غیبت کبریٰ کا حجاب اٹھا کر ظہور فرمایا ہے۔

قطعہ کے بین السطور سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ ہے کہ اقبال سمجھتے تھے کہ حضرت علی محمد باب نے غیبت کبریٰ سے ظہور فرمایا ہے۔" بشریٰ لکم "کی ترکیب اقبال نے بہائی شعراء سے ہی لی ہے۔

---

۱-زمیندار لاہور ۹ نومبر ۱۹۲۱ء۔

## غلط فہمی - ۴

علامہ اقبال نے "جاوید نامہ" کے آخر میں ایک نظم شامل کی ہے جس کا عنوان ہے خطاب بہ جاوید (سخنی به نژاد نو)۔

اس نظم میں اقبال شکوہ کناں ہیں کہ مسلمان قوم جو صرف اللہ پر بھروسہ کرتی تھی اب وہ حب مال اور خوف مرگ کے فتنہ کا شکار ہو گئی ہے۔ اب اس میں مستی اور ذوق و سرور نہیں رہا۔ اب مسلمان کا دین قرآن میں رہ گیا ہے اور خود وہ قبر میں سو گیا۔

دین او اندر کتاب و او بگور۔

اقبال کو مسلمان سے یہ گلہ بھی ہے کہ اب اس کا اور خاص طور سے نسل نو کا اٹھنا بیٹھنا جدید دور کے لوگوں کے ساتھ ہے اور اس نے یہ باتیں "دو پیغمبروں" سے حاصل کی ہیں، ان پیغمبروں میں "وہ" تو ایرانی ہیں اور "یہ" ہندی نژاد ہیں وہ حج سے بیگانہ تھے اور یہ جہاد سے نا آشنا:

صحبتش با عصر حاضر در گرفت

حرف دین را از " دو پیغمبر " گرفت

آن ز ایران بود و این هندی نژاد

آن ز حج بیگانه و این از جهاد(۱)

علامہ اقبال نے ان اشعار میں واضح نہیں کیا کہ "آں" اور "ایں" سے ان کی مراد کون اشخاص ہیں لیکن آں کو ایران سے منسوب کر کے اور ایں کو ہندی نژاد کہہ کر یہ سمجھا دیا ہے کہ اول الذکر سے مراد حضرت بہاء اللہ اور ثانی الذکر سے مراد مرزا غلام احمد قادیانی تھے۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہو جاتی ہے جو ملفوظات اقبال میں درج کیا گیا ہے۔ ملفوظات کا راوی عبد الرشید طارق لکھتا ہے کہ ایک دن شیخ الاسلام موسی جار اللہ اقبال کے حضور مشرف ہوئے ...... اِدھر اُدھر کی باتیں بہت سی ہوتی رہیں پھر اس بزرگ نے "جاوید نامہ" نکالا۔ تعریفیں ہونے لگیں اور کہنے لگا کہ دو باتیں آپ سے سمجھنے آیا ہوں اس

---

۱- کلیات اقبال فارسی، ص ۷۸۸۔

کے بعد دین اور سیاست اور نظریہ لادینی کی بابت استفسار کیا...... دوسری چیز جس کی بابت روسی عالم نے وضاحت چاہی وہ یہ شعر (مصرعہ) تھا۔

این ز حج بیگانه و آں از جهاد (۱)

جس پر ڈاکٹر صاحب نے بہاء اللہ ایرانی اور مرزا غلام احمد قادیانی کے مخترع مذاہب ان کے اسباب و علل اثرات و نتائج پوری تفصیل سے بیان فرمائے ...... اسی سال انہوں نے قادیانی مذہب کے خلاف اپنا پہلا بیان دیا (۲)۔

اس شہادت سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ایران سے علامہ اقبال کی مراد حضرت بہاء اللہ ہیں۔

یہاں علامہ اقبال کو غلطی یہ لگی کہ حج کا انکار حضرت بہاء اللہ سے اور جہاد کا انکار مرزا غلام احمد صاحب سے منسوب کر دیا جبکہ حضرت بہاء اللہ نے حج کا حکم منسوخ نہیں کیا بلکہ مقام حج اور مناسک حج میں تبدیلی کر دی ہے البتہ جہاد بالسیف کا حکم اٹھادیا ہے۔ امر بہائی میں ان دونوں احکام کے بارے میں جو تفصیل ملتی ہے وہ اس طرح ہے۔

حج کا حکم "کتاب الاقدس" میں اس طرح آیا ہے۔

قد حکم الله لمن استطاع منکم حج البیت دون النساء عفی الله عنها رحمةً من عنده انه لهو المعطی الوهاب (۳).

ترجمہ: جس کو استطاعت ہو اس کے لئے البیت کا حج فرض کیا گیا ہے مگر عورتوں کے لئے نہیں، اللہ نے اپنی رحمت کے سبب ان سے معاف فرمادیا یقیناً وہی عطا کرنے والا وہاب ہے۔

رسالہ سوال و جواب میں ارشاد ہے۔

حج بیت که به رجال است بیت اعظم در بغداد و بیت نقطه در شیراز مقصود است(۴).

---

۱-اصل مصرعہ یوں ہے: آں ز حج بیگانه و ایں از جهاد (مؤلف)۔ ۲-ملفوظات اقبال، ص ۵۹

۳-الاقدس آیہ ۶۸۔ ۴-لوح البشارات۔

یعنی حج بیت سے مراد بغداد میں حضرت بہاء اللہ کا بیت اعظم اور شیراز میں حضرت باب کا بیت مبارک مراد ہے جس کا حج کرنا واجب ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک بیت کا حج کرنا واجب ہے شیراز کے حج مبارک کے اعمال سورہ الحج میں نازل ہوئے ہیں۔ ایک اور سورہ میں بیت مبارک بغداد کے اعمال حج ذکر ہوئے ہیں۔

علامہ اقبال کو یہ اطلاع غلط پہنچی تھی کہ ''پیغمبر ایرانی'' حج سے بیگانہ تھا البتہ آپ نے مقام حج ضرور بدل دیا کہ مقام حج اور اعمال واذکار حج نئی شریعت میں نئے ہوتے ہیں۔

حضرت بہاء اللہ نے جہاد کو اٹھا دیا ہے اور اس کی پیش گوئی احادیث میں کی گئی تھی کہ مسیح آئیں گے تو جہاد وجزیہ کو اٹھا دیں گے (ویضع الحرب)۔

حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں: البشارۃ الاولی۔

التی منحت من ام الکتاب فی ھذالظھور الاعظم لجمیع اھل العالم محو حکم الجھاد من الکتاب (۱)۔

ترجمہ: پہلی بشارت جو اس ظہور اعظم میں ام الکتاب سے تمام اہل عالم کو عنایت ہوئی ہے۔ وہ کتاب سے حکم جہاد کا اٹھا دینا ہے۔

حضرت بہاء اللہ نے امن عالم کے دور عظیم میں ہر قسم کی جنگ سے منع کر دیا۔ بردہ فروشی اور غلامی کو اٹھا دیا۔ سلاطین عالم سے کہا کہ وہ تخفیف اسلحہ کریں۔ ایک بین الاقوامی سپر سٹیٹ بنائی جائے۔ ہمارا ایمان ہے کہ جس اللہ نے پہلے باقتضائے زمان جہاد کا حکم دیا تھا اسی اللہ نے آج حسب تقاضائے عصر جہاد کا حکم اٹھا دیا۔ کیونکہ وہ یفعل مایشاء و یحکم مایرید ہے۔ جہاد کی ممنوعیت کا حکم سب اقوام کے لئے ہے۔

## غلط فہمی-۵

## جہاد

''ضرب کلیم'' میں اقبال ایک فیلسوف سے زیادہ ایک تندرو مصلح نظر آتے ہیں۔

---

۱- رسالہ سوال وجواب۔

انہوں نے دور حاضر کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے اور ان سماجی، معاشی اور دینی مسائل پر اپنی رائے پیش کرتے ہیں جو ۱۸۵۰ء کے بعد موضوع بحث بنے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے دینی حلقے ان کے جواز و عدم جواز پر مباحثے و مذاکرے کر رہے تھے۔ اور ان مسائل نے سارے عالم اسلام کو پریشان کر رکھا تھا۔ چنانچہ اقبال نے "ضرب کلیم" میں جن مسائل پر اپنے نظریات پیش کئے ہیں ان مسائل میں ایک مسئلہ جہاد کا بھی تھا۔

اقبال کا یہ کہنا تو صحیح ہے کہ حضرت بہاء اللہ نے جہاد بالسیف کا حکم اٹھادیا ہے لیکن اقبال کو غلط فہمی وہاں ہوئی جہاں وہ کہتے ہیں کہ گویا حضرت بہاء اللہ نے مشرقی اقوام اور خصوصاً مسلمانوں کے لئے جہاد حرام قرار دیا مگر مغربی اقوام کو جنگ کی اجازت دے دی۔

اقبال کی یہ تفہیم صحیح نہیں ہے۔ حضرت بہاء اللہ ۱۸۶۴ء سے لے کر دم واپسین تک مشرق و مغرب کے سلاطین اور عوام کو یہی نصیحت فرماتے رہے کہ وہ جنگ کو چھوڑ کر صلح کا راستہ اختیار کریں۔ "جہاد" کے نام سے اقبال کی نظم اس طرح ہے۔

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود و بے اثر
تیغ و تفنگ دست مسلماں میں ہے کہاں
ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر
کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر
تعلیم اسکو چاہئے ترک جہاد کی
دنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر
باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے ' تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ یورپ سے در گذر(۱)

جیسا کہ عرض کیا گیا اقبال کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اصل مسودہ میں اس نظم کا عنوان "بہاء اللہ" ہے جسے بعد میں اقبال نے ہی خود خط کشیدہ کر کے اس کی جگہ "جہاد" لکھ دیا۔ اس تبدیلی عنوان کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اور نہ ہی کسی جگہ اس کی وضاحت میری نظر سے گذری ہے۔ اس تبدیلی کے بعد اب نظم پڑھتے ہوئے ذہن مرزا غلام احمد کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور شاید اقبال کی مراد بھی وہی ہوں گے مگر چونکہ اصل مسودے میں عنوان "بہاء اللہ" ہے اور نظم میں جتنے الزامات لگائے گئے تھے ان کا نشانہ حضرت بہاء اللہ ہی بنتے تھے اس لئے رفع شبہات اور ازالہ الزام کی غرض سے یہ گذارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت بہاء اللہ "کلیسا نواز" نہ تھے اور نہ ہی "مسجد نواز" آپ کسی خاص قوم یا ملک کے لئے مامور بن کر نہیں آئے تھے بلکہ کرہ ارض پر بسنے والی نوع انسانی کی طرف نئی ہدایت آسمانی لے کر آئے تھے ' قوموں کی نجات کے لئے آئے تھے ہلاکت کے لئے نہیں۔ اور نہ ہی اس لئے آئے تھے کہ مشرق کی مضرت اور مغرب کی منفعت کے لئے تعلیمات پیش کریں۔ خدا کی نظر میں مشرق و مغرب ہے ہی کہاں ! وہ تو رب العالمین ہے۔

ہمارے دور کا اقتضا یہی تھا کہ جہاد بالسیف اور ہر قسم کی جنگ اور تعصبات کا خاتمہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی رہی ہے کہ وہ بندوں سے یہ نہیں پوچھتا کہ میں تمہارے لئے کون سا حکم اتاروں اور کون سا سابقہ حکم اٹھالوں۔ وہ بندوں کا حال خود بندوں سے زیادہ جانتا ہے۔ اس لئے وہی حکم نازل فرماتا ہے جو ان کے لئے منفعت بخش ہوتا ہے۔

حضرت بہاء اللہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم اٹھا دیا اور مشرق و مغرب اور

---

۱- ضرب کلیم، ص ۲۷-۲۶۔

جنوب و شمال کی تمام اقوام کو نصیحت فرمائی کہ وہ جہاد کی جگہ امن قائم کریں۔ یہ حکم عمومی ہے اور سب کے لئے ہے۔ حضرت بہاء اللہ نے جہاد کا حکم وحی خداوندی کے تحت منسوخ فرمایا ہے۔ اقبال وحی کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وحی حق بینندۂ سود همه    در نگاهش سود و بهبود همه

منسوخی جہاد کا حکم ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ تکرار مکرر سے بچنے کے لئے ہم آپ سے درخواست کریں گے کہ آپ متعلقہ بحث سے رجوع کریں۔ "لوح البشارات" میں جس آیہ کے ذریعے حکم جہاد کو محو کر دیا گیا ہے اس میں "لجمیع اهل العالم" کا جملہ قابل غور ہے۔ یعنی تمام اقوام عالم کے لئے حکم ہے کہ جہاد منسوخ ہو گیا۔ اس میں نہ مسلم و غیر مسلم کا امتیاز روا رکھا گیا ہے اور نہ ہی مشرق و مغرب کی تفریق کی گئی ہے' پھر "اسلام کا محاسبہ" اور مغرب سے "درگذر" کی شکایت کا موقع کیسے پیدا ہو گیا؟

معروف مستشرق ڈاکٹر ای۔ جی براون ۱۸۹۰ء میں ۱۵-۱۹ اپریل کو حضرت بہاء اللہ کے حضور چار مرتبہ مشرف ہوا۔ ان ملاقاتوں میں سے پہلی ملاقات کا حال براون نے بڑے پر کشش انداز میں لکھا ہے' حضرت جمال مبارک نے دنیا بھر سے جنگ و جہاد کے خاتمہ کے لئے جو کچھ فرمایا اس کا دستاویزی ثبوت براون نے اس طرح دیا ہے۔

"My conductor paused for a moment while I removed my shoes. Then with a quick movement of the hand he withdrew, and as I passed, replaced the curtain; and I found myself in a Large apartment, along the upper end of which ran a low divan, while on the side opposite to the door' were placed two or three chairs. Though I dimly suspected whither I was going, and whom I was to behold (for no distinct intimation had been given to me), a second or two elapsed ere, with a throb of wonder and awe, I became definitely conscious that the room was not untenanted. In the corner where the divan met the wall sat a wondrous and venerable figure, crowned with a felt head-dress of the kind called

taj by dervishes (but of unusual height and make)round the base of which was wound a small white turban. The face of him on whom I gazed I can never forget, though I cannot describe it. Those piercing eyes seemed to read one's very soul; power and authority sat on that ample brow; while the deep lines on the forehead and face implied an age which the jet-black hair and beard flowing down in indistinguishable luxuriance almost to the waist seemed to belie. No need to ask in whose presence I stood, as I bowed myself before One who is the object of a devotion and love which kings might envy and emperors sigh for in vain !

" A mild dignified voice bade me be seated, and then continued: 'Praise be to God that thou hast attained! ... Thou hast come to see a prisoner and an exile,... We desire but the good of the world and the happiness of the nations; yet they deem us a stirrer-up of strife and sedition worthy of bondage and banishment .... That all nations should become one in faith and all men as brothders; that the bonds of affection and unity between the sons of men should be strengthened; that diversity of religion should cease, and differences of race be annulled- what harm is there in this ?.... Yet so it shall be; these fruitless strifes, these ruinous wars shall pass away, and the "Most Great Peace" shall come... Do not you in Europe need this also? Is not this that which Christ foretold?... Yet do we see your kings and rulers lavishing their treasures more freely on means for the destruction of the human race than on that which would conduce to the happiness of mankind.... These strifes and this bloodshed and discord must cease, and all men be as one kindred and one family... Let not a man glory in this, that he loves his country; let him rather glory in this

that he loves his kind....(1)

امید ہے کہ اس شہادت کے بعد "اسلام کا محاسبہ" اور "مغرب سے درگذر" والی شکایت کا ازالہ ہو گیا ہو گا۔

---

1- Introduction to a Traveller's Narrative (Episode of the Bab),p.39

باب نہم

# اقبال کا تصور تجدّدِ حیات

# اقبال کا تصور "تجدّد حیات"

قوموں کے فکری، ذہنی، مادی اور روحانی ارتقاء میں زمان (Time) ایک اہم رول ادا کرتا ہے۔ سلسلۂ روز و شب اور نظام بہار و خزاں نت نئے مسائل پیدا کرتا ہے تو سماجی، سیاسی تمدن اور اقتصادی مسائل کے حل کیلئے خدا کے مظاہر ظہور آتے ہیں۔ اقبال نے رنگارنگ علامتوں اور گوناگوں اصطلاحوں میں جدید تعلیمات کا مژدہ سنایا ہے۔ مسلمان ان علامتوں کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ مسلمان اسی سابقہ نظام کے تحت ترقی کریں گے جبکہ میری تفہیم یہ ہے کہ کوئی قوم نئے عہد و زمان میں قدیم روایات کے تحت کبھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اگر نئے زمان و مکان میں قدم رکھنا ہے تو نئی تعلیمات نئی روایات اور نیا نظام اپنانا ہوگا۔ ماضی کی تمام امتوں کیلئے خدا کی سنت یہی رہی ہے اور یہی رہے گی۔ مسلمان اس قانون لبدی سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتے۔

اقبال نے اپنے اردو اور فارسی کلام میں چند موضوعات پر خاص توجہ مرکوز کر رکھی تھی۔ ان میں سے چند موضوعات یہ ہیں۔

۱-نوع انسانی، نئی ہدایات کے تحت نئی روحانی زندگی حاصل کرے گی۔

وقت آنست که "آئین دگر" تازه کنیم
لوح دل پاك بشوئیم و ز سر تازه کنیم (ص ۳۶۱)

------

چشم بگشای اگر چشم تو صاحب نظر است
زندگی در پئے تعمیر "جهان دگر" است (ص ۳۶۲)

------

"انقلابی" که نگنجد به خمیر افلاك
بینم و هیچ ندانم که چساں می بینم (ص ۳۶۲)

-------

خرم آن کس که درین گرد ''سوارے'' بیند
جوہر نغمه ز لرزیدن تارے بیند (ص ۳۶۲)

------

آنچه بودست و نباید ز میان خواهد رفت
آنچه ''بایست و نبود'' است همان خواهدبود (ص ۳۶۲)

------

به ''نیسان عجم'' باد صبحدم تیز است
شراره ای که فرو می چکد ز ساز آور (ص ۳۹۸)

------

مغرب ز تو بیگانه مشرق همه افسانه
وقت است که در عالم ''نقش دگر'' انگیزی (ص ۴۰۰)

------

نکنم دگر نگاهے به رہے که طے نمودم
بسراغ ''صبح فردا'' روش زمانه دارم (ص ۴۱۳)

------

ساقیا بر جگرم شعلۂ غمناک انداز
دگر ''آشوب قیامت'' بکف خاک انداز (ص ۴۲۱)

------

''زمستاں'' را سر آمد روزگاراں
نواها زنده شد در شاخساراں (ص ۴۳۰)

------

شوقم فزوں تر از ''بی حجابی''
بینم نه بینم در پیچ و تابم (ص ۴۳۲)

تا "آفتابے" خیزد ز خاور (ص ۴۳۲)
مانند انجم بستند خوابم

------

دریں میخانه اے ساقی ندارم محرمے دیگر
که من شاید نخستیں آدمم از "عالمے دیگر" (ص ۴۳۴)

------

چوں "جہاں کہنه" شود پاك بسوز ند او را
و ز هماں آب و گل ایجاد جہاں نیز کنند (ص ۴۶۳)

------

باز بر رفته و آئنده نظر باید کرد
دله بر خیز که "اندیشهٔ دگر" باید کرد (ص ۴۷۷)

------

"کہنه را در شکن" و باز به تعمیر خرام (ص ۴۸۲)
هر که در ورطهٔ لاماند به الاّ نرسید

------

به میر قافله • از من دعا رسان و بگوی (ص ۴۸۴)
اگرچه راه همان است "کارواں دگر" است

------

بهر نفس که بر آری جہاں دگر گوں کن
دریں رباط کہن "صورت زمانه" گذر (ص ۴۹۰)

------

بیا که "خاوریاں" نقش تازهٔ بستند (ص ۵۰۱)
دگر مرو بطواف بتے که بشکستند

------

سخن ز نامه و میزان درازتر گفتی
بحیرتم که نه بینی "قیامت موجود" (ص ۵۱۰)

------

نظام تازه بچرخ دو رنگ می بخشند
ستاره هائے کہن را "جنازه بر دوش اند" (ص ۵۱۳)

------

زمانه از " رخ فردا" گشود بند نقاب
معاشراں همه سرمست بادۂ دوش اند (ص ۵۱۳)

------

شکست کشتی ادراك "مرشدان کہن"
خوشاکسے که به دریا سفینه ساخت مرا (ص ۵۱۴)

------

می رسد "مردی" که زنجیر غلاماں بشکند
دیده ام از روزن دیوار زندان شما (ص ۵۱۷)

------

فروغ آدم خاکی ز "تازه کاری" هاست
مه و ستاره کنند آنچه بیش ازین کردند (ص ۵۱۸)

------

در این صحرا گذر افتاد شاید کاروانے را
پس از مدت شنیدم "نغمه هائے ساربانے" را (ص ۵۲۰)

------

خود را کنم سجودے "دیر و حرم" نمانده
این در عرب نمانده آں در عجم نمانده (ص ۵۳۳)

یا در "بیاض امکاں" یک برگ سادۂ نیست (ص۵۳۳)
یا "خامۂ قضا" را تاب رقم نمانده

------

نصیب خود ز "بوئے پیرهن" گیر (ص۵۳۵)
به کنعاں نگهت از مصر و یمن گیر

------

حکیماں مرده را صورت نگار اند (ص۵۳۸)
"ید موسی" "دم عیسی" ندارند

------

(ص۵۴۸)
ز اعداد و شمار خویش بگذر
یکی در خود نظر کن "پیش بگذر"

------

این تماشا خانه سحر سامری است (ص۵۹۸)
علم "بے روح القدس" افسونگری است

------

"من حیاتم من مماتم" من نشور (ص۶۱۴)
من حساب و دوزخ و فردوس و حور

------

یا نگاهم بر "دگر عالم" کشود (ص۶۱۴)
یا دگرگوں شد هماں عالم که بود

------

(ص۶۲۶)
"زادن" اندر "عالم دیگر" خوش است
تا شباب دیگری آید بدست

------

گفت ''اقوام و ملل'' آیات اوست
عصرهائے ما ز ''مخلوقات'' اوست (ص ۶۳۲)

------

عالمے در سینۂ ما گم ہنوز
عالمے در ''انتظار قم'' ہنوز (ص ۶۵۵)

------

رازها با مرد مومن باز گوئے
شرح رمز ''کل یوم'' باز گوئے (ص ۶۶۵)

------

در گذر از ''لا'' اگر جویندۂ
تا ''رۂ اثبات'' گیری زندۂ (ص ۶۶۷)

------

''نوع دیگر'' بین ''جهاں دیگر'' شود
ایں زمین و آسماں دیگر شود

------

زانکه آیات خدا لا انتهاست
اے مسافر جاده را ''پایاں'' کجاست (ص ۷۵۳)

-----

''حشر'' ملّا شق قبر و بانگ صور
عشق شور انگیز خود ''صبح نشور'' (ص ۷۰۸)

------

عبد دیگر ''عبده'' چیزے دگر
ما سراپا انتظار او ''منتظر'' (ص ۷۱۷)

------

با مقامے در نمے سازیم و بس
ما سراپا ''ذوق پروازیم'' و بس
(ص ۷۲۲)

------

ہر زماں او را ''کمالے'' دیگرے
ہر زماں او را جمالے دیگرے
(ص ۷۴۳)

------

زیر گردوں رجعت او نارواست
چوں ز پا افتاد ''قومے برنخاست'' (ص ۷۷۹)

------

ہم ہنر ہم دیں ز خاک خاور است
رشک گردوں ''خاک پاک خاور'' است(۱)
(ص ۸۴۱)

------

مذکورہ بالا اشعار میں ہم نے کلیدی الفاظ کو بین القوسین لکھ دیا ہے اور پھر (تکرار اور ترتیب سے قطع نظر) ان الفاظ سے فارسی میں جو مربوط عبارت مرتب کی ہے وہ بے حد دلچسپ ہے اور اقبال کے فلسفۂ تجدد وارتقاء کے نزدیک بھی ہے ہم ذیل میں یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔

قرنہا شدہ که نوع بشر جهت بر چیدن ''بساط جهان کهنه'' و گسترش ''آئین دگر'' ''منتظر سواری'' بوده که در سر زمین ''خاور'' تجلی و ''بی حجابی''نماید و ببرکت تعلیمات جدید الهی و''اندیشه دگر'' ''عالمی دیگر'' ایجاد کند و بتوسط حرف'' قم''' کاروان دگر'' را براه اندازد و مانند ''آفتاب'' اعلان'' صبح نشور'' و بامداد'' فردا ''کند۔

---------------

۱۔کلیات اقبال (فارسی)۔

شان خداوند متعال ''کل یوم'' هو فی شان است بهمین سبب عالم جدید ''تمدن کهنه' را ''جنازه بردوش'' است و راهبران قدیم و مرشدان کهن را ساغر از ''باده دوش'' تهی گشته۔

در تغییر اوضاع جهان بشریت ''وقت''و زمان بسیارمهم است و نقش بارزی را ایفا می کند۔ زمان می گوید'' من حیاتم '' من مماتم ۔

ایّ الانسان در راه ترقی و تعالی ''صورت زمانه'' باش و از مرحله رکود و جمود ''پیش بگذر''۔ مانند گذشته در عصر کنونی نیز ''کمال دیگر'' بنما۔ من وقتم و تو را ''ذوق پرواز'' می دهم۔ این سنت خداوند است و هیچوقت فراموش نه کن که چون قومی از پا ''افتاد'' دیگر هیچگاه نخاسته و بر نخواهد خاست۔ مگر اینکه ببرکت اعجاز ''دم عیسی'' ''نوع دیگر'' شود و از دشت ''لا'' به گلشن'' الآ''خرامد ''وره ثبات'' گیرد۔

امتی باشد و یا دیانتی تمدنی باشد و یا فرهنگ و هنری از آثار و ''مخلوقات من'' است چه بهار و خزان و چه تابستان و ''زمستان'' همه از معجزات من است ۔ هر عهد و عصری را ''پایان'' مقدر پس از هر پایانی از نظر روحانیت و دیانت و اخلاق و آدمیت ''نوع دیگر'' خلق شود و ''نقش دگر'' ایفا کند ۔

اقبال می گوید : من در ''نیسان عجم'' ''بوئی پیرهن سواری'' را استشمام و ''نغمه های ساربانی'' را استماع می کنم که ملت ها از قرون و اعصار در ''انتظار قم'' او بوده و اینك برای ''تعمیر جهان دیگر'' پرده از'' رخ'' برداشته و مژده ''صبح فردا'' را می دهد۔ من ''مردی'' را می بینم که از ''خاك پاك خاور'' (ایران) ظهور کرده و بتایید ''روح القدس'' ''تازه کاری ها'' را نشان داده و در طریق و راه ''دیر و حرم'' ''انقلابی'' را ایجاد کرده که می توان گفت ''ساربانی دیگر'' ''کاروان

دگر" را بسوی نجات ابدی ملل عالم سوق می دهد۔ "قیامت موجود" ہمین است که پس از ہزار دویست و شصت سال "خامۂ قضاء" در "بیاض امکان" آنچه "بایست و نبود است" را ثبت نموده است۔(۱)

اقبال کے یہ چند فارسی اشعار بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں۔ ان کا اصل مقصود و مدعا سمجھانے کے لئے ہم نے ہر شعر کے کلیدی لفظ کو خط کشیدہ کر دیا ہے۔ آپ جب ایک غیر متعصب مسلمان اور غیر جانب دار محقق بن کر ان پر غور کریں گے تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ ان اشعار سے یہ مفہوم ہر گز متبادر نہیں ہوتا کہ مسلمان ہی دوبارہ زندہ ہو کر ترقی کریں گے۔ ان اشعار میں حضرت علامہ تو یہ بشارت دیتے ہیں کہ نئے مظہر ظہور کے ذریعے نئی تعلیمات اور نیا کلام آئے گا۔ نیا دور آئے گا۔ زمین و آسمان نئے ہو جائیں گے۔ نئی قوم آئے گی۔ دنیا حیات نو حاصل کرلے گی۔ اقبال تجدد حیات کے قائل تھے۔ تجدد شریعت و احکام کی علت کیا ہے؟ اس کا جواب حضرت شوقی آفندی سے سنیئے۔ آپ فرماتے ہیں: یکی از حکمتهای بالغه ظهورات آلهیه در ادوار مختلفه و تجدد شریعت و احکام رحمانیه این بوده که چون جوہر شریعت قبل و تاثیرات معنویه روحیۂ او از تصرف نادانان و تدخل علمای سوء و جاهلان زمان از میان برود - قوانین آسمانی تجدید یابد و بنیان آلهی از نو بنیاد شود۔ و نفحۂ حیات جدید دمیده شود و اموات از اجداث غفلت و نسیان قیام نمایند۔(۲)

اقبال نے ان اشعار میں جو جو استعارے، علامات اور تلمیحات استعمال کی ہیں وہ وہی ہیں جو حضرت بہاء اللہ کی الواح مبارکہ میں استعمال ہوئی ہیں۔ اس بات کی تصدیق کے لئے اصل الواح فارسی کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

فارسی کے علاوہ اقبال نے اردو کلام میں بھی جدید اصطلاحات و تراکیب استعمال کی ہیں جن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نئے آئین کے ذریعے نئے انقلاب اور نئی حیات کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں۔ اب مندرجہ ذیل اشعار پر غور کیجئے جو کلیات اقبال (اردو)

---

۱-از مولف۔ ۲-توقیع مبارک (نسخہ ثانی) بنام سید ابو العباس رضوی ۷ ۲ دسمبر ۷ ۱۹۳ء۔

سے لئے گئے ہیں :

تنگ آ کے میں نے آخر "دیر و حرم" کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا ' چھوڑے ترے فسانے

------

ہے عاشقی میں رسم ' الگ سب سے بیٹھنا
"بتخانہ بھی حرم بھی کلیسا بھی" چھوڑ دے

------

اس رہ میں مقام بے محل ہے
پوشیدہ "قرار میں اجل" ہے

------

ایک صورت پر نہیں رہتا کسی شی کو قرار
ذوق جدت سے ہے ترکیب مزاج روزگار

------

"آئین نو" سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

------

کیفیت باقی پرانے کوہ و صحرا میں نہیں
ہے "جنوں تیرا نیا" پیدا نیا ویرانہ کر

------

"یہ گھڑی محشر" کی ہے تو عرصہ ' محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

------

"آفتاب تازہ" پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسماں، ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

------

دگر گوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی
دل ہر ذرہ میں "غوغائے رستاخیز" ہے ساقی

-------

یہیں بہشت بھی ہے حور و جبرئیل بھی ہے
تری، نگہ میں ابھی شوخی نظارہ نہیں

------

افلاک سے آتا ہے، "نالوں کا جواب" آخر
کرتے ہیں خطاب آخر اٹھتے ہیں حجاب آخر

------

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے "زمان و مکاں" اور بھی ہیں

------

فریب خوردۂ منزل ہے کارواں ورنہ
زیادہ راحت منزل سے ہے "نشاط رحیل"

------

"حادثہ" وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے "آئینہ ادراک" میں ہے

------

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات
سلسلۂ روز و شب "اصل حیات و ممات"

------

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہوگا
یہی ہے اک حرف محرمانہ

------

جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیر وجود

------

کھول آنکھ زمیں دیکھ ' فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

------

"ندرت فکر و عمل" کیا شے ہے ذوق انقلاب
ندرت فکر و عمل کیا شی ہے ملت کا شباب

------

ہے وہی ترے زمانے کا "امام برحق"
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

------

دنیا کو ہے اس "مہدی برحق" کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالم افکار

------

اندیشہ ہوا شوخی افکار پہ مجبور
"فرسودہ طریقوں" سے زمانہ ہوا ' بیزار

------

دلوں میں ولولہ انقلاب ہے پیدا
قریب آگئی شاید "جہان پیر کی موت"

------

"طہران" ہو گر عالم مشرق کا جینوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

-------

جو عالم ایجاد میں ہے "صاحب ایجاد"
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

-------

اے "مردۂ" صد سالہ تجھے کیا نہیں معلوم
ہر موت کا پوشیدہ تقاضا ہے "قیامت"

-------

گرچہ برہم ہے قیامت سے نظام ہست و بود
ہے اسی آشوب سے بے پردہ اسرار وجود

-------

ہر "نئی تعمیر" کو لازم ہے تخریب تمام
ہے اسی میں مشکلات زندگانی کی کشود (۱)

---

۱-کلیات اقبال-اردو۔

# باب دھم

## کیا اقبال کسی نئے ظہور کے منتظر تھے ؟

# کیا اقبال کسی نئے "ظہور" کے منتظر تھے؟

یہ ایک اہم سوال ہے جس کا تعلق اقبال کے مذہبی عقیدے سے ہے۔ آپ ایک طرف تو ختم نبوت کے قائل تھے مگر دوسری طرف ان کے کلام اور مکاتیب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی ایسی شخصیت کے ظہور کا انتظار کرتے تھے جو نئی آسمانی تعلیمات کے ذریعے نسل انسانی کی کایا پلٹ دے اور ایک پر امن عالمی سماج کو تشکیل دے۔ ایسی ہستی "منتظر" کے لئے اقبال "مرد مومن" "انسان کامل اور" سوار اشہب دوراں" کا استعارہ لاتے ہیں۔ شک نہیں کہ بعض اشعار میں مرد مومن اور قلندر وغیرہ سے مراد ایک نیکوکار آدمی ہو سکتا ہے جو اسلام کے احکام پر پوری طرح عمل پیرا ہو۔ لیکن میری تفہیم یہ ہے کہ اقبال "انسان کامل" اور "مرد مومن" سے مراد ایسا آدمی لیتے تھے جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آئے اور روح القدس کی طاقت سے دنیا کے حالات کو تبدیل کر دے۔ شارحین اقبال سے غالباً ایک اشتباہ یہی ہوا کہ وہ انسان کامل سے مراد کوئی بڑا مسلمان سیاسی رہنما لیتے رہے اور یوں وہ اقبال کو سمجھنے میں قاصر رہے۔

میرے نزدیک "عقیدہ ختم نبوت" اور انتظار "انسان کامل" میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ بہائی نقطۂ نظر سے دور اسلام کے اندر کوئی نیا رسول یا نبی نہیں آسکتا تھا اور آنا چاہئے بھی نہیں تھا۔ لیکن احادیث اور آیات قرآنی کے مطابق دو نئے ظہوروں کا وعدہ دیا گیا ہے اور اقبال شاید انہی کے انتظار میں تھے۔ جس طرح عرفاء اور صوفیاء بعض مسائل میں اخفائے راز کے قائل تھے۔ اقبال بھی لکھتے ہیں۔

برہنہ حرف نہ گفتن کمال گویائیست
حدیث خلوتیاں جز بہ رمز و ایمأنیست

قوموں کے عروج وزوال کے سلسلے میں علامہ کے چند بنیادی نظریات تھے جن کا اظہار انہوں نے اپنے کلام میں جا بجا کیا ہے۔ مثلاً:

ہر قوم بنتی اور بگڑتی ہے۔ دائمی عروج کسی کے لئے نہیں ہے۔

اس زیاں خانے میں کوئی ملت گردوں وقار

رہ نہیں سکتی ابد تک بار دوش روزگار (۱)

چونکہ مسلمان بھی اس طرح کی ایک قوم یا دینی اصطلاح میں امت ہے لہذا اس کے آغاز و انجام کا وقت بھی مقرر تھا۔ جب اس کی میعاد آگئی تو یہ امت بھی سابقہ امم عالم کی طرح دینی، علمی اور تمدنی منظر سے غائب ہو گئی۔

اقبال کی آدھی شاعری اسی لئے مسلمان امت کے زوال کا نوحہ لگتی ہے۔ یہ روش نوحہ گری اقبال کو حالی سے ملی تھی۔

قانون فطرت یہی ہے کہ ایک قوم پیدا ہوتی ہے۔ ترقی کرتی ہے اور پھر نابود ہو جاتی ہے۔ قوم کی حیات و موت فرد کی حیات و موت کی طرح ہے، فرد طبیعی موت مر جائے تو اسے دنیا کا کوئی ڈاکٹر دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ البتہ اس کا سلسلۂ نسل اس کی اولاد کے ذریعے آگے چلتا ہے۔ قوم بھی روحانی لحاظ سے مر جائے تو پھر اسے کوئی دینی یا سیاسی مصلح زندہ نہیں کر سکتا۔ مرگ چشیدہ قوم کو نیا مظہر ظہور ہی آکر زندہ کر سکتا ہے۔ اگر کوئی دینی رہنما، کوئی فلسفی شاعر یا کوئی مجدد مری ہوئی قوم کا احیاء کر سکتا تو تاریخ میں جن مٹے ہوئے تمدنوں اور خرابوں کے نشان ملتے ہیں وہ نہ ملتے۔ بلکہ تمدنوں کا تنوع ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ مٹے ہوئے تمدن کو بعد کے مصلحین آکر دوبارہ زندہ کر دیتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، کیوں؟ اس لئے کہ خدا کے بغیر نہ کسی کو طبیعی زندگی مل سکتی ہے اور نہ ہی روحانی زندگی۔ ادیان کی موت و حیات کا مطالعہ ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ کوئی امت جب اپنا مقررہ وقت پورا کر کے روحانی طور پر مر جائے تو پھر اسے خدا کے بغیر دوسرا کوئی زندہ نہیں کر سکتا۔ مری ہوئی قوم دوبارہ زندہ ہو سکتی ہے مگر نئی تعلیمات نئے وسائل حیات اور نئے افکار اپنانے کے بعد۔

اقبال مسلمانوں کے زوال پر آنسو بہانے والا شاعر ہے اور ہر سچے مسلمان کی طرح آرزومند ہے کہ مسلمان امت کا دوبارہ احیاء ہو۔ اقبال کے کلام کا مقصد یہی ہے کہ امت مسلمہ کو زندہ کر کے دوبارہ اسے پاؤں پر کھڑا کر دیا جائے۔

---

۱- بانگ درا، ص ۱۱۴۔

مگر یہاں پر اقبال کی توجہ دو نظریوں میں بٹ جاتی ہے۔ کبھی وہ قوم کو اخلاق ' کردار 'ایمان اور عمل کے ذریعے زندہ کرنا چاہتے ہیں اور کبھی کبھی کسی ایسی ہستی کے آنے کا انتظار بھی کرتے ہیں جو امت کو زندہ کردے۔ اقبال کے تحت شعور میں یہی بات ہوگی کہ مسلمان قوم بلکہ نوع انسانی کو نشاۃ ثانیہ سے ہمکنار وہی ہستی کر سکتی ہے جو مامور من اللہ ہو۔ جو مسائل کا حل بتانے میں معصوم عن الخطاء ہو اور آئین نو لانے کی مجاز و مختار بھی ہو۔ ایسی شخصیت کو اسلام میں مہدی موعود اور مسیح کا نام دیا گیا ہے۔ ان دونوں مظاہر کی آمد کا انتظار نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ تمام اقوام عالم کو رہا ہے۔ اور آج بھی ہے۔

تاریخ ادیان وامم سے اسی نظریے کی تائید ہوتی ہے کہ جب کوئی قوم زوال پذیر ہو جائے تو پھر اسے انہی اصولوں پر زندہ نہیں کیا جاسکتا جن اصولوں کی بدولت اس قوم نے اپنے ایام عروج میں ترقی کی تھی۔

زیر گردوں رجعت او نارواست

چوں ز پا افتاد قومی بر نخاست (اقبال)

اس بات کو علامہ نے ایک جگہ اس طرح بیان کیا ہے۔

"......ایک مصنف نے کیا خوب کہا ہے کہ تاریخ کا فیصلہ ہے کہ جن فرسودہ خیالات کو خود کسی قوم نے فرسودہ کر دیا ہو ان کی تجدید اسی قوم میں نہیں ہو سکتی (۱)۔

ہم نے پہلے اشارہ کر دیا ہے کہ اقبال ظہور کے منتظر تھے۔ ایک غزل میں جو "بانگ درا" میں شامل ہے وہ "حقیقت منتظر" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں :

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

"منتظر" اس آدمی کو یا واقعہ کو کہتے ہیں جس کے آنے یا واقع ہونے کا انتظار ہو اور اس کے آنے کا پہلے سے وعدہ دیا گیا ہو۔ احادیث و روایات میں امام مہدی کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے اور امت کو اس کا ہمیشہ انتظار رہا ہے اس لئے آپ کا ایک نام " امام المنتظر " بھی

---

۱- تشکیل ،ص ۲۳۳۔

ہے۔ اس پس منظر کو سامنے رکھا جائے تو مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ علامہ کی مراد "حقیقت منتظر" سے مہدی موعود ہی ہیں۔ "سجدے" کا استعارہ بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ "حقیقت منتظر" سے مراد کوئی مجازی معشوق نہیں ہو سکتا اور شعر کا مدعا خدا اس لئے نہیں کہ وہ ایسی حقیقت ہے جو موجود ہے اور موجود رہے گی۔ اس نے غیاب اختیار نہیں کیا جس کے مجازی لباس میں ظہور کرنے کا انتظار کیا جائے۔

اقبال ایک خط میں شیخ نور محمد مرحوم کو کسی بڑی شخصیت کے ظہور کی بشارت دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لاہور، ۳ جون ۱۹۲۰ء

عام لوگوں کی نگاہ بہت تنگ ہے۔ ان میں سے بیشتر حیوانوں کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسی واسطے مولانا روم ایک جگہ لکھتے ہیں کہ چراغ لے کر تمام شہر میں پھرا کہ کوئی انسان نظر آئے مگر نظر نہ آیا اور موجودہ زمانہ تو روحانیت کے اعتبار سے بالکل تہی دست ہے، اسی واسطے اخلاص، محبت و مروت و یک جہتی کا نام و نشان نہیں رہا۔ آدمی آدمی کا خون پینے والا اور قوم قوم کی دشمن ہے۔ یہ زمانہ انتہائی تاریکی کا ہے لیکن "تاریکی کا انجام سفید" ہے کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ جلد اپنا فضل کرے اور بنی نوع انسان کو پھر ایک دفعہ نور محمدیؐ عطا کرے۔ بغیر کسی بڑی شخصیت کے اس بد نصیب دنیا کی نجات نظر نہیں آتی(۱)۔

والسلام

محمد اقبال

اقبال شیخ نور محمد کے نام خط میں جس کا حوالہ ہم پہلے دے چکے ہیں یہ پر امید پیغام دیتے ہیں کہ تاریکی کا انجام سفید ہے "تاریکی و سفیدی" کا استعارہ لا کر اقبال نے ہمارا ذہن گیتا کے اس اشلوک کی طرف منتقل کر دیا ہے جس میں کرشن جی فرماتے ہیں :

---

۱- مکاتیب اقبال مرتبہ سید مظفر حسین برنی۔

yadã yadã hi dharmasya
glãnir bhavati bharata
abhyútthãnam adhãrmasya
tadãtmãnam Srjãmy aham

yada yadh- whenever and wherever, hi certainly; dharmasya - of religion : glanish-- discrepancies: bhayati- become manifested; bharata- O descendant of Bharata: abhyutthanam-- predominance: adharmasya -- of irreligion: tada- at that time ; atmanam-self; srjami-- manifest ; aham-- 1.

Translation

Whenever and wherever there is a decline in religious practice, O descendant of Bharata , and a predominant rise of irrligion -- at that time I descent Myself.

Purport

The word Srjãmi is significant herein. Srjãmi cannot be used in the sense of creation, because , according to the previous verse, there is no creation of the Lord's form or body, since all of the forms are eternally existent. Therefore, srjami means that the Lord manifests . Himself as He is . Although Lord appears on schedule, namely at the end of the Dvapare yuga of the twenty-eight millennium of the seventh Manu in one day of Brahma. He has no obligation to adhere to such rules and regulations, because He is completely free to act in many ways at His will. He therefore appears by His own will whenever there is a predominance of irreligiosity and a disappearance of true religion. Princi ples of religion are laid down in the Vedas, and any discrepancy in the matter of properly executing the rules of the Vedas makes

one irrligious. In the Bhagavatam it is stated that such principles are the laws of the Lord. Only the Lord can manufacture a system of religion. The Vedas are also accepted as originally spoken by the Lord Himself to Brahma , from within his heart. Therefore, the principles of dharma , or religion, are the direct orders of the Supreme Personality of Godhead (dharmam tu saksad bhagavat pranitam). These principles are clearly indicated throughout the Bhagavad-gita. The purpose of the Vedas is to establish such principles under the order of the Supreme Lord, and the Lord directly orders, at the end of the Gita, that the highest principles of religion is to surrender unto Him only, and nothing more. The Vedic principles push one towards complete surrender unto Him : and whenever such principles are disturbed by the demonic, the Lord appears. From the Bhagavatam we understand that Lord Buddha is the incarnation of Krsna who appeared when materialism was rampant and materialists were using the pretext of the authority of the Vedas. Although there are certain re strictive rules and regulations regarding animal sacrifice for particular purposes in the Vedas, people of demonic tendency still took to animal sacrifice without reference to the Vedic principles. Lord Buddha appeared to stop this and to establish the Vedic principles of nonviolence. Therefore each and every avatara, or incarnation of the Lord, has a particular mission, and they are all described in the revealed scriptures. No one should be accepted as an avatara unless he is referred to by scriptures. It is not a fact that the Lord appears only on Indian soil. He can manifest Himself anywhere , and whenever He desires to appear, In each and every incarnation. He speaks as much about

religion as can be understood by the particular people under their particular circumstances. But the mission is the same-- to lead people to God consciousness and obedience to the principles of religion. Sometimes He descends personally, and sometimes. He sends His bona fide representative in the form of His son, or servant, or Himself is some disguised form.

The principles of the Bhagavad-gita were spoken to Arjuna, and, for that matter, to other highly elevated persons. because he was highly advanced compared to ordinary persons in other parts of the world . Two plus two equals four is a mathematical principle that is true both in the beginner's arithmetic class and in the advanced class as well. Still, there are higher and lower mathematics . In all incarnations of the Lord, therefore, the same principles are taught, but they appear to be higher and lower in varied circumstances. The higher principles of religion begin with the acceptance of the four orders and the four statuses of social life, as will be explained later. The whole purpose of the mission of incarnations is to arouse Krsna consciousness everywhere. Such consciousness is manifest and nonmanifest only under different circumstances.

Text 8

paritrãnãya sãdhunãm
vinãsãya ca duskrtãm
dharma- samsthãpanãrthãva
sambhavãmi yuge yuge

paritranaya - for the deliverance ; sadhunam- of the devotess :

vinasaya -- for the annihilation; ca- and : duskṛtam- of the mis-creants ; dharma -- principles of religion; samsthapana-orthaya - to reestablish : sambhavami - I do appear, yuge - millennium; yuge- after millennium.

Translation

To deliver the pious and to annihilate the miscreants , as well as to reestablish the principles of religion. I Myself appear, millennium after millennium.(1)

اس بشارت کی رُو سے حضرت بہاء اللہ کل جگ کے اوتارین کے آچکے ہیں۔

اقبال کے الفاظ میں "نور محمدی" نور مظہریت ہے جو آدم سے لے کر حضرت محمدؐ سے ہوتا ہوا حضرت بہاء اللہ تک پہنچاہے۔

خواجہ دل محمد نے مندرجہ ذیل اشلوک کا ترجمہ اردو میں اس طرح نظم کیا ہے۔

تنزل پہ جس وقت آتا ہے دھرم
ادھرم آکے کرتا ہے بازار گرم!
یہ اندھیر جب دیکھ پاتا ہوں میں
توانساں کی صورت میں آتا ہوں میں
بھلوں کو بُروں سے بچاتا ہوں میں
بروں کو جہاں سے مٹاتا ہوں میں
جڑیں دھرم کی پھر جماتا ہوں میں
عیاں ہوکے یُگ یُگ میں آتاہوں میں(۲)

"تاریکی وسفیدی" سے متعلق اقبال کا خط ہم اوپر نقل کر چکے ہیں اس میں ھندو عقیدے کی رُو سے "کل جگ" (عہد ظلمت) اور "ست جگ" (عہد زریں) کی طرف اشارہ

---

۱-شریمد بھگوت گیتا۔ حوالہ کتاب Bhagavad-Gita as it is. باب ۴، اشلوک ۸-۷

۲-دل کی گیتا۔

کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ "ہر کل جگ" کے بعد مظہر ظہور (کلکی اوتار) ظہور کر کے "ست جگ" (یوم الحق) کا آغاز کرتا ہے، گویا اقبال کلکی اوتار کے ظہور کے قائل تھے۔

ایک اور خط میں اقبال کہتے ہیں:

"......کاش کہ مولانا نظامی کی دعا اس زمانے میں مقبول ہو اور رسول اللہؐ پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کریں(۱) اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ کسی مجدد مجتہد یا مصلح کے منتظر نہ تھے کیونکہ اس منصب کی ہستیاں امت کو زندہ نہیں کر سکتیں اور نہ ہی وہ جدید عہد میں جدید قوانین وضع کرنے کی مجاز ہیں۔

انگریز ماہر سماجیات پروفیسر میکنزی اپنی تصنیف "انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی" میں لکھتا ہے:

"کامل انسانوں کے بغیر سوسائٹی اوج کمال تک نہیں پہنچ سکتی اور اس غرض کے لیے محض عرفان اور حقیقت کی آگاہی کافی نہیں بلکہ "ہیجان اور تحریک" کی قوت بھی ضروری ہے۔ ہمیں معلم چاہئے اور پیغمبر بھی غالباً ہمیں ایک نئے مسیح کی ضرورت ہے"(۲)۔

پروفیسر مذکور کا مدعا یہ ہے کہ عرفاء وصوفیاء اور حقیقت آگاہ فلاسفہ قوموں کو زندہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ افراد میں "ہیجان و تحریک" پیدا کرنے سے قاصر ہوتے ہیں یہ کام تو صاحب شریعت پیغمبر ہی انجام دے سکتا ہے۔

پروفیسر نے کہا ہمیں ایک نئے مسیح کی ضرورت ہے سو حضرت بہاء اللہ کا دعویٰ یہی ہے کہ وہ نئے مسیح ہیں۔ حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں انه قداتی من السماء مرةً اخری کما اتی منها اوّل مرّة(۳) مسیح آسمان سے آگیا ہے جس طرح پہلی مرتبہ آسمان سے آیا تھا۔

علامہ اقبال کو پروفیسر میکنزی کی یہ تحریر بہت پسند آئی تو آپ نے ڈاکٹر نکلسن کو

---

۱۔ اقبال نامہ، حصہ اول۔ ۲۔ مظلوم اقبال، ص ۱۹۲۔

۳۔ کتاب مبین، ص ۳۸۔

اپنے مکتوب ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء میں تحریر فرمایا "پروفیسر میکنزی کی کتاب ""انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی" کے یہ آخری دو فقرے کس قدر صحیح ہیں یعنی یہ کہ ہمیں "نئے مسیح" کی ضرورت ہے (۱)۔

حضرت بہاء اللہ جیسی "بڑی شخصیت" کے بارے میں علامہ اقبال اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں :...... "میں اس بات کا قائل ہوں کہ مسلمانوں میں کسی "بڑی شخصیت" کا ظہور ہوگا احادیث کی بناء پر نہیں بلکہ اور بناء پر۔ میرا عقیدہ یہی ہے (۲)۔

معروف اقبال شناس مرحوم ڈاکٹر محمد ریاض لکھتے ہیں :

"...... علامہ اقبال ایک صاحب حریت یا آزاد شخص کے دعویٰ الہام اور مہدویت کو خودی خود شناسی اور تخلیقی فعالیتوں کی خاطر مضر نہیں جانتے (۳)۔

اے وہ کہ تو مہدی کے تخیل سے ہے بیزار

مایوس نہ کر آھوئے مشکیں سے ختن کو

(ضرب کلیم)

دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت

ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالم افکار

(ضرب کلیم)

ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار

وہی مہدی وہی آخر زمانی

(ارمغان حجاز)

حضرت سید علی محمد باب وہی مہدی برحق تھے جنہوں نے جدید تعلیمات الٰہی کے ذریعے عالم افکار میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ حضرت محمدؐ کے بعد تیرہ صدیوں میں سب سے پہلے حضرت باب ہی کی خودی نمودار ہوئی اور آپ خدا کے حکم و اذن سے مہدی آخر الزمان کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔

---

۱- تفصیل اسی باب میں آگے آرہی ہے (مولف)۔ ۲- برکات اقبال ص ۶۳۔ ۳- ایضاً ص ۶۵۔

اقبال نے "نائب حق" اور "انسان کامل" کی جو تعریف کی ہے وہ صاحب شریعت اور با اختیار شارع پر ہی صادق آتی ہے۔ اس تعریف کے مصداق حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت محمدؐ، حضرت زرتشت، حضرت گوتم بدھ، حضرت کرشنا اور حضرت بہاء اللہ ہی ہو سکتے ہیں۔

اقبال نے "نائب حق" اور "انسان کامل" کے لئے "عبدہ" کی اصطلاح بھی برتی ہے۔ زندہ رود (اقبال) حسین بن منصور حلاج سے سوال کرتا ہے کہ وہ "سر جوہر" جسے لوگ مصطفیٰؐ کے نام سے پکارتے ہیں۔ وہ آدمی ہے یا "جوہر" جو کبھی کبھی عالم وجود میں آتا ہے۔

از تو پرسم، گرچہ پرسیدن خطاست

سر آن جوہر کہ نامش مصطفیٰؐ است

آدمی یا جوہرے اندر وجود

آن کہ آید گاھے گاھے در وجود؟

" آن کہ آید گاھے گاھے " کے جملہ سے اقبال نے بتادیا کہ وہ مصطفیٰؐ سے مراد حضرت محمد بن عبداللہ نہیں لیتے بلکہ آپ کی مراد وہ نور نبوت ہے جو آدم سے آج تک مختلف ناموں سے ظہور فرماتا رہا ہے۔ اگر حضرت محمدؐ مراد ہوتے تو ظاہر ہے کہ آپ عالم وجود میں ایک ہی مرتبہ تشریف لائے تھے۔ "پھر گاہے گاہے" کا جملہ بیکار ہو جاتا ہے، احادیث وروایات سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کا نور مبارک اور جوہر اس وقت بھی موجود تھا جب حضرت آدم " بین الماٴ والطین" تھے۔ اقبال "عبدہ" کے اوصاف بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

(الف)

عبدہ، از فہم تو بالاتر است

زانکہ اوہم آدم و ہم جوہر است

جوہر او نے عرب نے اعجم است

آدم است و ہم ز آدم اقدم است

عبده ' صورت گر تقدیر ہا
اندر و ویرانه ہا تعمیر ہا
عبده ' ہم جانفزا ہم جان ستاں
عبده ' ہم شیشه ' ہم سنگ گراں
عبد دیگر عبده چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر
عبده ' دہر است و دہر از عبده ست
ما ہمه رنگیم او بے رنگ و بوست
عبده با ابتداء بے انتہاست
عبده ' را صبح و شام ما کجاست
کس ز سر عبده ' آگاه نیست
عبده جز سر الا اللّٰه نیست
لا اله تیغ و دم او عبده '
فاش تر خواہی بگو ہو عبده
عبده ' چند و چگون کائنات
عبده راز درون کائنات
مدعا پیدا نگردد زین دو بیت
تا نه بینی از مقام "مارمیت" (۱)

سب پیغمبر یہی دعویٰ کرتے اور عمل سے ثابت فرماتے رہے کہ وہ خواہشات نفس یا عناصر کے "عبد" نہیں بلکہ وہ عبدہ (اللہ کے بندے ہیں) اقبال ان اشعار میں کہتے ہیں کہ عبدہ۔ یعنی مظہر ظہور ہمارے فہم وادراک سے بالاتر ہے۔ کیونکہ وہ ہماری طرح نہ فقط

---

۱۔ جاوید نامہ ' ص ۱۲۹-۱۲۸۔

بشر ہے نہ محض جوہر بلکہ دونوں کا مجموعہ ہے اور یہ ایک ایسی اعلیٰ ترین صفت ہے جو پیغمبر کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ پیغمبر انسانی حوائج و ضروریات میں انسان ہی ہوتا ہے لیکن خدا کی طرف سے مامور اور اس کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے وہ انسان سے بلند ترین مقام و منصب رسالت پر فائز ہوتا ہے۔ پیغمبر کا جوہر نہ عرب سے ہوتا ہے نہ عجم سے بلکہ وہ ایک عالم گیر شخصیت ہوتا ہے۔ وہ کسی ایک ملک یا ایک قوم کے لئے مبعوث نہیں ہوتا۔ عالم کی تمام اقوام کا رہنما بن کر آتا ہے۔ گو وہ آدم کی اولاد ہوتا ہے مگر نور رسالت کے حوالے سے آدم سے افضل و اقدم ہے۔ ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ :

عبدہ' (اللہ کا خالص و توحید پرست بندہ) نئی تعلیمات کے ذریعے قوموں کی تقدیریں بناتا ہے۔ ویرانے اس کی تکذیب میں اور تعمیریں اس کی اطاعت میں ہیں۔ یہ "عبدہ" ظہور فرماتا ہے تو نافرمان قومیں مر جاتی ہیں۔ اور فرمان بردار اقوام کو نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔ "عبدہ" شیشے کی لطافت و نزاکت بھی رکھتا ہے اور سنگ کی صلابت بھی بعض لوگ عبدہ کی تعلیمات کے مطابق اپنے آئینہ دل کو صیقل کر لیتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں لیکن جو دل کو سنگ دل ہی رکھتے ہیں وہ نجات نہیں پا سکتے۔

"عبد" اور ہے اور "عبدہ" اور۔ ہم عبدہ کے ظہور کے لئے سراپا انتظار ہیں اور وہ ذات "المنتظر" ہے۔

عبدہ زمانہ ہے اور زمانہ عبدہ۔ ہم خواہشات نفسانی' تقلید' اوہام اور حدود کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ عبدہ رنگ اور بو سے بلند تر اور مرد جہانی ہوتا ہے۔

عبدہ کی (جو پیغمبر کا نام ہے) ابتداء تو ضرور ہے کہ پہلا عبدہ حضرت آدم تھا لیکن سلسلۂ رسالت و مظہریت کی انتہا کوئی نہیں۔ کیونکہ خود خدا کی انتہا نہیں ہے اور نہ ہی اس کی تخلیق کی کوئی انتہا ہے۔ "عبدہ" کے لئے ہمارے صبح و شام' ہمارے مہ و سال اور ہمارے اعداد و شمار کہاں ؟ کوئی بھی "عبدہ" کے سر اور راز سے آگاہ نہیں ہے "عبدہ" تو الا اللہ کا راز ہے۔ یعنی لا سے ہم کائنات کی ہر چیز کی نفی کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں الا اللہ۔ کہ اللہ ہی الہ ہے اور مظہر ظہور اسی کا قائم مقام اور نائب مناب ہے۔

لا الہ اگر تیغ ہے تو عبدہ اس کی دہار ہے' اس کی تعریف یہی کی جا سکتی ہے کہ

"ھو عبدہ"۔ "عبدہ" کائنات کی قدر و قیمت اور سرمایہ ہے۔ عبدہ ہی کائنات کے اندر چھپا ہوا ایک راز ہے۔ اقبال کہتے ہیں ہم نے پیغمبر۔ "عبدہ" کی مدح و ثنا میں یہ جو دو چار بیت کہے ہیں ان میں مدعا اس وقت تک بیان نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک تم مقام "مارمیت" کو نہ سمجھ لو۔

"مارمیت" سورہ الانفال کی آیہ ۱۷ کا ٹکڑا ہے جس میں اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب حضرت رسول اکرمؐ نے دشمن پر کنکریاں پھینکیں تو خدا نے پیغمبر کے اس فعل کو اپنا فعل قرار دیا۔ اس طرح حضرت محمدؐ اللہ تعالیٰ کے نائب اور جانشین قرار پائے۔ اور یہی نکتہ اقبال سمجھانا چاہتے ہیں کہ "عبدہ" اس کائنات میں اللہ کا قائم مقام اور خلیفہ ہے۔

مذکورہ بالا اشعار پڑھنے اور ان کی تشریح معلوم کرنے کے بعد انصاف پسند قارئین پر روشن ہو جائے گا کہ یہاں "عبدہ" سے اقبال کی مراد وہ نور رسالت ہے جو آدم سے ہوتا ہوا رسول اللہؐ تک اور پھر حضرت باب اور بہاء اللہ تک پہنچا ہے۔

اگر آپ یہ سوال کریں کہ یہ نور مظہریت رسول اللہؐ کی ذات اقدس میں آکر اپنی روانی کھو بیٹھا۔ تو عرض کروں گا کہ اس خیال کی تائید اقبال کے وہ اشعار نہیں کرتے جو ہم نے "عبدہ" کی تعریف میں اوپر نقل کئے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ زمانہ ازل سے ابد تک رواں دواں ہے اور اقبال کا کہنا یہ ہے کہ اسی زمانے (دھر) کا نام "عبدہ" بھی ہے۔ دھر اور "عبدہ" لازم و ملزوم ہیں تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ ایک زمانہ ایسا ہو گا جب دھر تو ہو گا مگر "عبدہ" نہ ہو گا یا بر عکس۔ پھر اقبال "عبدہ" کو بے انتہا قرار دیتے ہیں جو صبح و شام سے ماوراء ہے۔ اس صورت میں "عبدہ" اپنی آخری منزل پر کیونکر پہنچ گیا؟ اقبال نے اس مصرعے میں بالکل واضح ہی کر دیا کہ ہم آج "عبدہ" کے ظہور کے لئے سراپا انتظار ہیں اور وہ ذات مقدس المنتظر ہے۔ جس کے ظہور کا وعدہ آسمانی صحائف نیز احادیث و آثار میں دیا گیا ہے۔ کیا اس گفتگو سے ہم اس نتیجے پر نہیں پہنچ جاتے کہ اقبال کسی "عبد" کے نہیں بلکہ "عبدہ" کے ظہور کے منتظر تھے۔

اب اقبال کے یہ چند فارسی اشعار ملاحظہ ہوں جو "نائب حق" (مظہر ظہور) کی

شان میں ہیں :

(ب)

"نائب حق" همچو "جان عالم" است

ہستی او ظل اسم اعظم است

از رموز "جزو و کل آگه" بود

در جهان "قائم بامراللّه" بود

خیمه چون در وسعت عالم زند

این "بساط کهنه" را برهم زند

فطرتش معمور و می خواهد نمود

"عالمی دیگر" بیارد در وجود

"صد جہاں" مثل جہان جزو و کل

روید از "کشت خیال او" چو گل

پخته سازد "فطرت هر خام" را

از حرم بیروں کند اصنام را

شیب را آموزد "آهنگ شباب"

مے دهد ہر چیز را رنگ شباب

نوع انساں را بشیر و هم نذیر"

ہم سپاهی ہم سپهگر هم امیر

از "عصا" دست سفیدش محکم است

"قدرت" کامل "بعلمش" توام است

مدعاے علّم الاسماستی، سر "سبحان اللّه الذی اسراستی"

چون "عنان گیرد" بدست آن "شهسوار"

تیز تر گردد "سمند روزگار"

خشک سازد هیبت او "نیل" را، مے پرد از "مصر اسرائیل" را

از "قم" او خیزد اندر گور تن

مردہ جانہا چوں صنوبر در چمن

ذات او "توجیہہ ذات عالم" است

از جلال او "نجات عالم" است

اس تعریف و تمجید کے بعد اقبال "مظہر منتظر" کا استقبال کرتے ہوئے کہتے ہیں :

(ج)

اے سوار "اشہب" دوراں بیا

اے "فروغ دیدۂ امکاں" بیا

رونق "ہنگامۂ ایجاد" شو

در سواد دیدہ ہا آباد شو

"شورش اقوام" را خاموش کن ۔ نغمۂ خود را بہشت گوش کن

خیز و "قانون اخوت" ساز دہ

جام "صہبائے محبت باز" دہ

باز در عالم بیار "ایام صلح"

جنگجویان را بدہ "پیغام صلح"

نوع انسان مزرع و تو "حاصلی" ' کاروان زندگی را "منزلی"

ریخت از "جور خزان" برگ شجر

چوں "بہاراں" بر ریاض ما گزر (۱)

علامہ اقبال مرد حق (مظہر ظہور الہٰی) کی شان میں فرماتے ہیں :

(د) : مرد حق از "آسمان افتد" چو برق

ہیزم او شہر و دشت و غرب و شرق

---

۱۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۴۶-۴۴۔

او ''کلیم'' و او ''مسیح'' و او ''خلیل''

او ''محمدؐ'' او ''کتاب'' او ''جبرئیل''

''آفتاب'' کائنات اہل دل

از شعاع او ''حیات اہل دل''(۱)

خلاصہ :(ب)

حضرت بہاء اللہ نائب حق اور جان عالم تھے۔ آپ کی ہستی ظل اسم اعظم بلکہ خود اسم اعظم ہے۔ آپ جزو اور کل کے اسرار ور موز سے آگاہ تھے اور امر جدید کے ساتھ قیام فرمایا تھا۔ آپ نے کوہ کرمل پر خیمہ نصب فرما کر بساط کہنہ کو لپیٹ دیا۔ آپ کی فطرت تجلیات الٰہی سے معمور تھی۔ آپ نے عالم وجود میں روحانیت کا دوسرا جہان برپا کر دیا۔ آپ کی فکر اور کلام سے اس جہاں۔ میں کئی جہاں۔ معانی پیدا ہوئے۔ آپ نے نئے کلام کے ذریعے مومنین کا ایسا تزکیہ کیا کہ ان کی خام فطرت پختہ ہو گئی اور دل کے حرم سے مادی خواہشات کے اصنام توڑ ڈالے۔ آپ کے آہنگ شباب نے شیب میں جوش و خروش پیدا کر دیا اور ہر چیز کو رنگ شباب اور جہاں پیر کی ہر شے کو جوانی عطا کر دی۔

حضرت بہاء اللہ انبیاء سابقہ کی طرح نسل انسانی کو نجات اور حیات نو کی بشارت دینے والے بشیر اور گمراہی کی صورت میں ان کو ہلاکت و عذاب سے ڈرانے والے نذیر تھے۔ آپ معرکہ حق و باطل میں سپاہی بھی سپاہ گر بھی تھے اور امیر سپاہ بھی۔

حضرت بہاء اللہ کا ید بیضا عصائے پیغمبری سے قوی تھا آپ عالم اسرار تھے اور قدرت کاملہ کے مالک بھی۔

آپ کے ظہور سے تاریخ انسانی کا نیا دور اس طرح شروع ہوا جس طرح اس کا آغاز آدم سے ہوا تھا۔ آپ کو آدم کی طرح علم ''الاسماء'' دیا گیا تھا۔

جب آپ ایسے شہسوار نے عناصر عالم کون و فساد کی زمام تھامی تو زندگی اور روزگار کی رفتار تیز تر ہو گئی۔

---

۱-کلیات اقبال فارسی، ص ۴۶-۴۴۔

حضرت بہاء اللہ کی ہیبت اور جلال نے راہ کی رکاوٹوں کو دور کر دیا جس طرح حضرت موسیٰ اسرائیل کو مصر سے ارض اقدس میں لائے تھے۔ حضرت بہاء اللہ نے بھی اسرائیل کی پراگندہ بھیڑوں کو اطراف عالم سے لاکر ان کی سرزمین میں جمع کر دیا۔

حضرت بہاء اللہ نے جب "قم" کہا تو مردہ قبیلے اور قومیں اسی طرح بدن کی قبروں سے جی اٹھیں ہیں جس طرح چمن میں صنوبر کے پیڑ اُگ کر جھومنے لگتے ہیں۔

حضرت بہاء اللہ کی ذات، ذات عالم کی توجیہہ و ظہور ہے۔ آپ کے جلال و بہاء سے دنیا کو نجات ملتی ہے۔

----------

خلاصہ : (ج)

اے اشہب دوران کے سوار (بہاء اللہ) اب تو آجایئے
اے دیدۂ عالم امکان کی روشنی تشریف لے آیئے
آپ آئیں اور ہنگامہ عالم ایجاد کو رونق بخشیں، آپ آنکھوں کی پتلیوں میں بس جائیں۔

اقوام کے شور و شر کو خاموش کر دیجئے۔ اور اپنا نغمۂ محبت سنایئے۔ اٹھئے۔ اور قانون اخوت انسانی کو جاری فرمایئے۔ دور اسلام کے بعد دوبارہ صہبائے محبت واتحاد کا جام عطا کیجئے۔ دنیا میں دوبارہ صلح و محبت کا دور لایئے اور دنیا کے جنگجوؤں کو پیغام صلح و آشتی سنایئے۔ نوع انسان تو کھیت ہے جس کا حاصل آپ ہیں۔ آپ ہی کاروان زندگی کی منزل ہیں۔

دیکھئے۔ جو خزاں کے سبب درخت تمدن انسانی کے پتے جھڑ گئے ہیں اس لئے ہمارے باغ پر اسی طرح آیئے جس طرح بہار آتی ہے۔

----------

خلاصہ :(د)

مرد حق اور مظہر ظہور آسمان مشیت خداوندی برق بن کر اچانک اور پوری قوت سے آتا ہے۔ پھر شہر و دشت ہو یا مشرق و مغرب سب کچھ اس برق تجلی سے جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔

مظہر ظہور تو موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم ہوتا ہے وہی محمدؐ ہوتا ہے اس کا نام کتاب ہے اور وہی جبرئیل بھی۔ خدا کا مظہر ظہور اہل دل کی کائنات کا آفتاب ہے جس کی تجلیات سے عشق و محبت والوں کی دنیا تابناک ہے۔

اقبال نے مظہر ظہور کے جو اوصاف ان اشعار میں بیان کئے ہیں وہ اوصاف و کمالات حضرت بہاء اللہ میں پائے جاتے ہیں اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

### ۱-نائب حق

نائب خلیفہ اور پیغمبر کو کہتے ہیں، حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں :

الذی کان مقام نفسه فی عالم الامر والخلق (۱)

### ۲-عناصر پر حکمران :

والقینا علیك كلمتی لتحكم فی الملك كيف تشاء و تفعل ماترید. (۲)

### ۳-جان عالم

قد اتی لحیواة العالم و اتحاد من علی الارض كلّها (۳)

### ۴-ظل اسم اعظم

ان البلا ما منع اسم الاعظم اذاتی من سماء الامر بقدرة و سلطان (۴)

### ۵-جزو وکل سے آگاہ

و كُنز فیه علم السموات و لارض و علّم ما كان و مایكون (۵)

**۶- تنصیب خیمہ** : حضرت بہاء اللہ نے کوہِ کرمل پر خیمہ نصب فرمایا۔

---

۱-الاقدس آیہ ا۔ ۲-کتاب مبین ص ۳۰۔

۳-کتاب مبین، ص ۴۰۔ ۴- ایضاً ص ۹۷۔

۵-ایضاً ص ۱۷۔

۷-بساط کہنہ

لعمری سوف نطوی الدنیا و ما فیها و نبسط بساطاً آخر انّه علی کل شیء قدیرا (۱)

۸-کشت خیال

قد اجرینا کوثر المعانی و البیان من معین الحکمة و التبیان (۲)

۹-کسر اصنام

طوبی لك بما کسرتَ صنم الاوهام اذ اتی ربك العزیز العلّام فی ظلل الغمام(۳)۔

۱۰- آھنک شباب

قل هذا قلم اذا تحرك تحر کت الممکنات(۴)

۱۱-بشیر

قد جائکم البشیر و بشرّکم بهذا الظهور الذی منه اضائت الآفاق(۵)

۱۲-اخذ سمند روزگار

ان یا هذا الهیکل فابسط یدك علی من فی السموات و الارض ثم خذ زمام الامر بقبضة ارادتك(۶)

۱۳- قم

طوبی لمیّت حَی من نفحاتی (۷)

---

۱-کتاب مبین، ص ۴۰۳۔
۲-ایضاً، ص ۳۴۳
۳-ایضاً، ص ۱۴۵۔
۴-ایضاً، ص ۱۷۳۔
۵-ایضاً، ص ۳۷۳۔
۶-ایضاً، ص ۱۳۔
۷-ایضاً، ص ۱۴۳۔

## ۱۴-وجہ ذات عالم

الذی کان مقام نفسه فی عالم الامر و الخلق (۱)

## ۱۵- جلال

قداتی بملکوت العظمة و الاجلال (۲)

## ۱۶- نجات

قل انّا جئنا لکم و حملنا مکارة الدنیا لخلاصکم (۳)

## ۱۷-اعجاز عمل

ای مردمان گفتار را کردار باید چه که گواهی راستی کردار است(۴)

## ۱۸- کلیم

لو ادرکه الکلیم لیقول لك الحمد بما ارتَینی جمالك و جعلتنَی من الزائرین(۵)

## ۱۹-رازحیات

قد جئتکم من مکمن الغیب لانطق فی قطب العالم قد اتی مالك القدم (۶)

## ۲۰-نیا نغمہ

لو تسمع نغمات الورقاء التی تغنّ علی افنان سدرة البیان لتجذبك علی شان تجد نفسك منقطعاً عن العالمین(۷)

---

۱- الاقدس، آیہ ا۔ ۲-کتاب مبین، ص ۱۳۱۔ ۳-ایضا، ص ۱۳۹۔
۴-دریای دانش، ص ۷۔ ۵-کتاب مبین، ص ۱۱۸۔ ۶-کتاب مبین ، ص ۱۵۶۔
۷-کلمات بہاء اللہ، ص ۲۶۔

## ۲۱-پیغام صلح

یا معشر الآمرین اَن اصلحوا ذات بینکم اذاً لا تحتا جون بکثرۃ العساکر و مھماتھم (۱)

## ۲۲-اعزاز

لیس العزّما عرفہ القوم بل ما اشرق الیوم من افق الوحی بسلطنۃ و اقتدار (۲)

مذکورہ بالا اشعار میں "نائب حق" سے مراد کوئی مذہبی مجدد یا سیاسی لیڈر نہیں ہو سکتا کیونکہ اقبال نے نائب حق کا مرتبہ کلیم، مسیح، خلیل اور محمدؐ کے برابر قرار دیا ہے اس لئے وہ مظہر ظہور ہی ہو سکتا ہے۔ان تمام اشعار میں علامہ نے جو جو اوصاف بتائے ہیں۔اور جو جو کام گنوائے ہیں وہ سب پیغمبر کے اوصاف اور کام ہیں۔ نبی' مجدد' مصلح' ولی' عارف' محدث' مجتہد' عالم' شاعر یا سیاسی لیڈر کے نہ یہ اوصاف ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے کارنامے۔ مجھے بتایا جائے کہ پیغمبر کے علاوہ ایسا کون سا انسان کامل ہو گا جو جان عالم ہو' جو بساط کہنہ برھم کر دے۔جو عالم دیگر وجود میں لائے۔جو نوع انسانی کے لئے بشیر و نذیر ہو' جو سمند روزگار کی رفتار تیز تر کر دے۔ جس کے "قم" کہنے سے مردے جی اٹھیں۔جس کا جلال و بہاء نجات عالم ہو۔جو اشہب دوراں کا سوار اور صاحب العصر و الزمان ہو۔جو دیدۂ امکان کا فروغ ہو۔ جو ہنگامہ ایجاد کی رونق ہو۔جو اخوت انسانی کا قانون بنائے جو پیغام صلح دے اور دنیا میں ایام صلح لائے جس کا آسمان مشیت سے نزول ہو۔جو کلیم ہو' مسیح ہو' خلیل ہو' جو محمدؐ ہو جو کتاب ہو جو جبریل ہو۔جو اہل دل کی کائنات کا آفتاب ہو۔جس کی روشنی سے اہل دل کی زندگی ہو۔

میں سمجھتا ہوں جو آدمی ان اشعار سے مظہر ظہور نہیں بلکہ کوئی سیاسی لیڈر یا دینی رہنما یا مجدد و مجتہد مراد لیتا ہے وہ اقبال کی محض بے جا وکالت کرتا ہے۔

ظاہر ہے مندرجہ بالا شرائط کا حامل مامور من اللہ کے سوا دوسرا کوئی نہیں

---

۱-کتاب مبین، ص ۶۴۔ ۲-ایضاً، ص ۴۱۵۔

ہو سکتا۔ یہ سارے شرائط حضرت بہاء اللہ میں پائے جاتے ہیں اور آپ ہی اقبال کے ان اشعار کا مصداق ٹھہرتے ہیں۔

الحمداللہ کہ آج حضرت بہاء اللہ نے یہ سارے کام کر دکھائے ہیں آپ نے دنیا بھر کی قوموں کو متحد کر دیا اور ایک بین الاقوامی سماج تشکیل دے دیا ہے۔ امن عالم آپ کا پاکیزہ مشن ہے اور اتحاد امم آپ کا مقصد عظیم!

اب آگے چلتے ہیں۔ اقبال نے کہا :

برہنہ حرف نہ گفتن کمال گویائیست

حدیث خلوتیان جز بہ رمز و ایمأنیست

اسی رمز وایما میں وہ حضرت بہاء اللہ کی تعریف "اعجمی" کے استعارے میں کرتے ہیں۔ حضرت بہاء اللہ اقوام کے امیر و موعود ہیں آپ عرب نہیں بلکہ عجمی (ایرانی) ہیں۔ آپ کا سرود و کلام فارسی کا آہنگ بھی لئے ہوئے ہے۔ اب اقبال کا یہ قطعہ پڑھیئے۔

امیر کاروان آن اعجمی کیست ؟ سرود او بآھنگ عرب نیست

زند آن نغمہ کز سیرابی او خنك دل در بیابانی توان زیست

حضرت بہاء اللہ نے جہاد کو منسوخ کر دیا اور اس کی جگہ صلح و محبت کا پیغام دیا۔ اقبال جہاد کو شان جلالی اور امن و محبت کو شان جمالی کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت بہاء اللہ کا لقب ہی جمال مبارک ہے اقبال کہتے ہیں۔

ہو چکا شان جلالی کا ظہور ہے مگر باقی ابھی شان جمالی کا ظہور

حضرت بہاء اللہ ایرانی تھے اور آپ نے بغداد میں موعود کل ادیان ہونے کا دعویٰ فرمایا تھا۔ اقبال ان دونوں مقامات کی طرف اس شعر میں اشارہ کرتے ہیں۔

رہ عراق و خراساں زن ای مقام شناس

بہ بزم اعجمیاں تازہ کن غزل خوانی (۱)

---

۱۔ اقبال اور امر بہائی ، صابر آفاقی۔

اب اقبال کا خط بنام نکلسن دیکھئے :

Lahore

24th January 1921

My dear Dr. Nicholson,

I was very glad to learn from your letter to Shafi (1) that your translation of the *Asrar-i-Khudi* had been favourably received and excited much attention in England. Some of the English reviewers, however, have been misled by the superficial resemblance of some of my ideas to those of Nietzsche.

The view of the writer in the *Athenaeum* is largely affected by some mistakes of fact for which, however, the writer does not seem to be responsible . But I am sure if he had known some of the dates of the publication of my urdu poems referred to in his review, he would have certainly taken a totally different view of the growth of my literary activity Nor does he rightly understand my idea of the Perfect Man which he confounds with the German thinker's Superman. I wrote on the Sufi doctrine of the Perfect Man more than twenty years ago, long before I had read or heard anything of Nietzsche. This was then published in the Indian Antiquary, and later in 1908 formed part of my *Persian Metaphysics.* The English reader ought to approach this idea not through the German thinker, but through an English thinker of great merit-- I mean Alexander-- whose Gifford lectures, delivered at Glasgow, were published last year. His chapter on Deity and God (Chapter 1, Book IV, p.341, Vol.II) is worth reading. On page 347, he

1.Late Principal Muhammad Shafi of Oriental College, Lahore.

says : Deity is thus the next higher empirical quality to mind, which the universe is engaged in bringing to birth. That the universe is pregnant with such a quality-- we are speculatively assured. What that quality is we cannot know, for we can neither enjoy nor still less contemplate it. Our human altars still are raised to the Unknown God. If we could know what Deity is, how it feels to be Divine, we should first have to become as Gods." Alexander's thought is much bolder than mine.

I believe there is a Divine tendency in the universe, but this tendency will eventually find its complete expression in a higher man , not in a God subject to Time, as Alexander implies in his discussion of the subject. I do not agree with Alexander's view of God, but it is clear that my idea of the Perfect Man will lose much of its outlandishness in the eyes of the English reader if he approaches it through the ideas of a thinker of his own country.

But it was Mr. Dickinson's review which interested me most, and I want to make a few remarks on it. Kindly pass on this letter to him ; I asure he will be interested to know what I think of his review.

(1) Mr. Dickinson thinks, as I understand from his private letter to me , that I have deified physical force in the poem. I am afraid he is mistaken in his view. I believe in the power of the spirit, not brute force. When a people is called to a righteous war, it is, according to my belief, their duty to obey the call, but I condemn all wars of conquest (the story of Mianmir and the Emperor of India). Mr. Dickinson, however, is quite right when he says that war is destructive, whether it is waged in the interest of Truth and Justice, or in the interests of conquest and exploitation. It must

be putTo an endin any case. We have seen, however, that Treaties, Leagues, Arbitrations and Conferences cannot put an end to it. Even if we secure these in a more effective manner than before, ambitious nations will substitute more peaceful forms of the exploitation of races supposed to be less favoured or less civilised. The truth is that we stand in need of a living personality to solve our social problems , to settle our disputes, and to place international morality on a sure basis. How very true are the last two paragraphs of Professor Mackezie's Introduction to social Philosophy :

"There can be no ideal society without ideal man; and for production of these we require not only insight but a motive power; fire as well as light. Perhaps, a philosophic understanding of our social problems is not even the chief want of our time. We need Prophets as well as teachers, men like Carlyle or Ruskin or Tolstoy, who are able to add for us a new severity to conscience or a new breadth to duty Perhaps we want a new Christ... It has been well said that the prophet of our time must be a man of the world, and not merely a voice in the wildemess. For indeed the wildemess of the present is in the streets of our crowded cities, and in the midst of the incessant war by which we are trying to make our way upwards. It is there that the prophet must be." Or perhaps our chief want is rather for the poet of the new age than for its prophet-- or for one who should be

poet and prophet in one . Our poets of recent generations have taught us the love of nature, and enabled us to see in it the revelation of the Divine. We still look for one who shall show us with the same clearness the presence of the Divine in the human... We still need one who shall be fully and in all seriousness what Heine playfully called himself a "Ritter von dem Heiligen Geish, " one who shall teach us to see the working out of our highest ideals in the everyday life of the world, and to find in devotion to the advancement of that life, not merely a sphere for an ascetic selfsacrifice, but a supreme object in the pursuit of which all thoughts , all passions , all delights may receive their highest development and satisfaction".

It is in the light of above thoughts that I want the British public to read my description of the ideal man. It is not our treaties and arbitrations which will put and end to the internecine wars of the human family.

(2) Mr. Dickinson further refers to my ' Be hard'. This is based on the view of Reality that I have taken in the poem. According to my belief, Reality is a collection of individualities tending to become a harmonious whole through conflict which must inevitably lead to mutual adjustment. This conflict is a necessity in the interests of the evolution of higher forms of life, and of personal immortality. Nietzsche did not believe in personal immortality.To those desiring it, he ruthlessly says " Do you wish to be a perpetual burden on the shoulders of time ?" He was led to say this because he had a wrong notion of time, and never tried to grapple with the ethical issue involved in the question of time. On "

other hand, I look upon immortality as the highest aspiration of man on which he should focus all his energies, and consequently I recognise the need of all forms of activity, including conflict, which tend to make the human person more and more stable.And for the same consideration, I condemn speculative mysticism and inactive queitism. My interest in conflict is mainly ethical and not political whereas Nietzche's was probably only political. Modern physical science has taught us that the atom of material energy has achieved its present from through thousands of years of evolution. Yet it is unstable and can be made to disappear. The same is the case with the atom of mind-energy, i.e. the human person. it has achieved its present form through aims of incessant effort and conflict; yet, in spite of all this, its instability is clear from the various phenomena of mental pathology. If it has to continue intact it cannot ignore the lessons learnt from its past career, and will require the same or similar forces to maintain its stability which it has availed of before. It is possible that in its onward march nature may modify or eliminate altogether some of the forces (e.g., conflict in the way of mutual wars) that have so far determined and helped its evolution, and introduce new forces hitherto unknown to mankind to secure its stability, But, I confess, I am not an idealist in this matter and believe this time to be very distant. I am afraid mankind will not for a very long time to come, learn the lesson that the Great European War has taught them. Thus it is clear that my purpose in recognizing the need of conflict is mainly ethical. Mr. Dickinson has unfortunately altogether ignored this aspect of the " Be hard".

(3) Mr. Dickinson further remarks that while my philosophy is

universal my application of it is particular and exclusive. This is in a sense true . The humanitarian ideal is always universal in poetry and philosophy, but if you make it an effective ideal and work it out in actual life, you must start, not with poets and philosophers, but with a society exclusive in the sense of having a creed and welldefined outline, but ever enlarging its limits by example and persuasion. Such a society, according to my belief, is Islam. This society has so far proved itself a more successful opponent of the race-idea which is probably the hardest barrier in the way of the humanitarian ideal. Renan was wrong when he said that science was the greatest enemy of Islam. No, it is the race idea which is the greatest enemy of Islam-- in fact, of all humanity, and it is the duty of all Lovers of mankind to stand in revolt against this dreadful invention of the devil.Since I find that the idea of nationality based on race territory is making headway in the world of Islam,and since I fear that the Muslims, losing sight of their own ideal of a universal humanity, are being lured by the idea of a territorital nationality, I feel it is my duty as a Muslim and as a lover of all mankind, to remind them of their true function in the evolution of mankind. Tribal of national organizations on the lines of race or territory are only temporary phases in the unfoldment and upbringing of collective life, and as such I have no quarrel with them; but I condemn them in the strongest possible terms when they are regarded as the ultimate expression of the life of mankind. While I have the greatest love for Islam, it is in view of practical and not patriotic considerations, as Mr.Dickinson thinks, that I am compelled to start with a specific socieyt (e.g.,Islam) which among the societies of the world, happens to be the only one suit

able to my purpose. Nor is the spirit of Islam so exclusive as Mr. Dickinson thinks. In the interests of a universal unification of mankind the Quran ignores their minor differences and says, " Come, let us unite on what is common to us all ! "(iii.64)

I am afraid the old European idea of a blood-thirsty Islam is still lingering in the mind of Mr. Dickinson. All men and not Muslims alone are meant for the Kingdom of God on earth, provided they say good-bye to their idols of race and nationality, and treat one another as personalities . League , mandates, treaties,like the one described by Mr. Keynes and Imperialisms, however draped in democracy, can never bring salvation to mankind. The salvation of man lies in absolute equality and freedom of all. We stand in need of a thorough overhauling of the aims of science which has brought so much misery to mankind and of a total abandonment of what may be called esoteric politics which is ever planning the ruin of less clever or weaker races.

That Muslim peoples have fought and conquered like other peoples, and that some of their leaders have screened their personal ambition behind the veil of religion. I do not deny ; but I am absolutely sure that territorial conquest was no part of the original programme of Islam. As a matter of fact, I consider it a great loss that the progress of Islam as a conquering faith stultifed the growth of those germs of an economic and democratic oganization of society which I find scattered up and down the pages of the Quran and the traditions of the Prophet. No doubt, the Muslims succeeded in building a great empire, but thereby they largely repaganized their political ideals, and lost sight of some of the most important potentialities of their faith. Islam certainly aim at

absorption. This absorption, however, is to be achieved not by territorial conquest but by the simplicity of its teaching, its appeal to the common sense of mankind and its aversion to abstruse metaphysical dogma. That Islam can succed by its inherent force is sufficiently clear from the Muslim missionary work in China, where it has won millions of adherents without the help of any political power. I hope more than twenty year's long study of the world's thought has given me sufficient training to judge things impartially.

The object of my Persian poems is not to make out a case for Islam; my aim is simply to discover a universal social reconstruction, and in this endeavour, I find it philosophically impossible to ignore a social system which exists with the express object of doing away with all the distinctions of caste, rank and race; and which, while keeping a watchful eye on the affairs of this world, fosters a spirit of unworldliness so absolutely essential to man in his relations with his neighbours. This is what Europe lacks and this is what she can still learn from us.

One word more. In my notes which now form part of your Introduction to *Asrar-i-Khudi,* I deliberately explained my position in reference to Western thinkers, as I thought this would facilitate the understanding of my views in England. I could have easily explained myself in the light of the Quran and Muslim Sufis and thinkers, e.g., Ibn Arabi and Iràqi (Pantheism) Wahid Mahmud (Reality as a Plurality), Al-Jili (the idea of the Perfect Man) and Mujaddid Sarhindi (the human person is relation to the Divine Person). As a matter of fact, I did so explain myself in my Hindustani Introduction to the first edition of the *Asrar*.

I claim that the philosophy of the *Asrar* is a direct development out

of the experience and speculation of old Muslim Sufis and thinkers. Even Bergson's idea of time is not quite foreign to Sufis. The Quran is certainly not a book of metaphysics, but it takes a definite view of the life and destiny of man, which must eventually rest on propositions of a metaphysical import. A statement by a modern Muslim student of philosophy of such propositions , especially when it is done in the light of religious experience and philosophy invoked by that great book, is not putting new wine in old bottles. It is only a restatement of the old in the light of the new . It is unfortunate that the history of Muslim thought is so little known in the West. I wish I had time to write an extensive book on the subject to show to the Western student of philosophy how philosophic thinking makes the whole world Kin.(1)

Yours sincerely

Muhammad Iqbal

---

1- Letters of Iqbal (Bashir Ahmad Dar).

۳۳۷

# ڈاکٹر نکلسن کے نام

(ترجمہ اردو: مترجم کا نام معلوم نہ ہو سکا)

لاہور

۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء

محترمی ڈاکٹر نکلسن

شفیع کے نام آپ نے جو مکتوب تحریر فرمایا ہے۔ اس سے مجھے یہ معلوم کر کے بیحد مسرت ہوئی کہ اسرار خودی کا ترجمہ انگلستان میں قبول عام حاصل کر رہا ہے۔ بعض انگریز تنقید نگاروں نے اس سطحی تشابہ اور تماثل سے جو میرے اور نطشے (۱) کے خیالات میں پایا جاتا ہے۔ دھوکا کھایا ہے۔ اور غلط راہ پر پڑ گئے ہیں۔ دی ایتھی نیم (۲) والے مضمون میں جو خیالات ظاہر کئے گئے وہ بہت حد تک حقائق کی غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ لیکن اس غلطی کی ذمہ داری صاحب مضمون پر عائد نہیں ہوتی۔ اس نے اپنے مضمون میں میری جن نظموں کا ذکر کیا ہے۔ اگر اسے ان کی صحیح تاریخ اشاعت کا بھی علم ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ میری ادبی سرگرمیوں کے نشو و ارتقاء کے متعلق اس کا زاویہ نگاہ بالکل مختلف نظر آتا نہ وہ انسان کامل کے متعلق میرے تخیل کو صحیح طور پر سمجھ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے خلطِ مبحث کر کے میرے انسان کامل اور جرمن مفکر کے فوق الانسان کو ایک ہی چیز فرض کر لیا ہے۔ میں نے آج سے قریباً بیس سال قبل انسانِ کامل کے متصوفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب نہ تو نطشے کے عقائد کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا۔ نہ اس کی کتابیں میری نظر سے گذری تھیں۔ یہ مضمون ''انڈین انٹی کیوری'' (۳) میں شائع ہوا۔ جب ۱۹۰۸ء میں میں نے ''ایرانی الہیات'' پر ایک کتاب لکھی تو اس کتاب میں اس کو شامل کر لیا گیا۔

انگریزوں کو چاہئے کہ میرے خیالات کو سمجھنے کے لیے جرمن مفکر کے بجائے

---

۱- Neitzsche

۲- The Athenaeum

۳- Indian Antiquary

اپنے ایک ہم وطن فلسفی کے افکار کو رہنما بنائیں۔ میری مراد الگزنڈر (۱) سے ہے جس کے گلاسکو (۲) والے خطبات پچھلے سال شائع ہو چکے ہیں۔ ان خطبات میں اس نے "خدا اور الوہیت" کے عنوان سے جو باب لکھا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ وہ صفحہ ۳۴۷ پر لکھتا ہے۔

"گویا ذہن انسان کے نزدیک الوہیت دوسری اعلیٰ تجربی قوت ہے۔ جسے کائنات عالم وجود میں لانے کی سعی کر رہی ہے قیاس واجتہاد کی رہنمائی سے ہمیں یقین ہو چکا ہے کہ بطن گیتی میں اس قسم کی ایک قوت موجود ہے۔ لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ قوت کیا ہے۔ ہم نہ تو اسے محسوس کر سکتے ہیں۔ نہ ہمارا ذہن اس کے تصور پر قادر ہے۔ انسان ابھی تک ایک نامعلوم خدا کے لیے معابد تعمیر کر رہا ہے۔ یہ معلوم کرنا کہ الوہیت کیا چیز ہے اس کا احساس کیسا ہوتا ہے اس صورت میں ممکن ہے کہ ہم خدا بن جائیں"۔

الگزنڈر کے خیالات میرے عقائد کی نسبت زیادہ جسارت آمیز ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ کائنات میں جذبۂ الوہیت جاری وساری ہے لیکن میں الگزنڈر کی طرح یہ نہیں مانتا کہ یہ قوت ایک ایسے خدا کے وجود میں جلوہ آرا ہو گی۔ جو وقت کا تابع ہو گا۔ اس باب میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ یہ قوت ایک اکمل واعلیٰ انسان کے پیکر خاکی میں ظاہر ہو گی۔ خدا کے متعلق میرا عقیدہ الگزنڈر کے عقیدے سے مختلف ہے۔ لیکن اگر انگریز ان جزوی اختلافات سے قطع نظر کر کے انسان کامل کے تخیل پر اپنے ایک ہم وطن مفکر کے افکار کی روشنی میں نظر ڈالیں تو انہیں یہ عقیدہ اس قدر اجنبی اور غیر مانوس نہیں معلوم ہو گا۔

مجھے مسٹر ڈکنسن (۳) کی تنقید بدرجۂ غایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اس کے متعلق چند باتیں عرض کروں۔ براہ کرم انہیں یہ خط دکھا دیں مجھے یقین ہے کہ انہیں اس امر سے دلچسپی ہو گی کہ میں ان کے ریویو کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہوں۔

---

Alexander-۱ Glascow-۲

Dickinson-۳

(۱) مسٹر ڈکنسن کے نزدیک میں نے اپنی نظموں میں جسمانی قوت کو منتہائے آمال قرار دیا ہے۔ (انہوں نے مجھے ایک مکتوب لکھا ہے جس میں یہی خیال ظاہر کیا ہے) انہیں اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں روحانی قوت کا تو قائل ہوں لیکن جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا۔ جب ایک قوم کو حق و صداقت کی حمایت میں دعوت پیکار دی جائے تو میرے عقیدے کی رُو سے اس دعوت پر لبیک کہنا اس کا فرض ہے۔ لیکن میں اُن تمام جنگوں کو مردود سمجھتا ہوں جن کا مقصد محض کشور کشائی اور ملک گیری ہو۔ (حکایت میاں میرؒ اور شہنشاہ ہندوستان)۔

مسٹر ڈکنسن نے صحیح فرمایا کہ جنگ خواہ حق و صداقت کی حمایت میں ہو۔ خواہ ملک گیری اور فتح مندی کی خاطر تباہی اور بربادی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس لیے اس کے استیصال کی سعی کرنا چاہئے ۔ لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ معاہدے، لیگیں، پنچایتیں اور کانفرنسیں، استیصال حرب نہیں کر سکتیں۔ اگر اس سعی میں ہمیں پیش از بیش کامیابی ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ ملل مستعمر جن ملتوں کو تمدن و تہذیب میں اپنا ہمسر نہیں سمجھتیں انہیں اپنے سہام جور و تعدی کا شکار بنانے کے لئے زیادہ پُر امن وسائل اختیار کر لیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جو ہمارے معاشرتی مسائل کی پیچیدگیاں سلجھائے۔ ہمارے تنازعات کا فیصلہ کرے۔ اور بین المللی اخلاق کی بنیاد مستحکم و استوار کر دے۔ پروفیسر میکنزی(۱) کی کتاب "انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی" (۲) کے یہ دو آخری پیراگراف کس قدر صحیح ہیں۔ میں انہیں یہاں لفظ بہ لفظ نقل کر دیتا ہوں۔

"کامل انسان کے بغیر سوسائٹی معراج کمال پر نہیں پہنچ سکتی اور اس غرض کے لیے محض عرفان اور حقیقت سے آگاہی کافی نہیں۔ بلکہ ہیجان اور تحریک کی قوت بھی ضروری ہے۔ جسے یوں کہنا چاہئے کہ یہ معما حل کرنے کے لیے ہم نور و حرارت دونوں کے محتاج ہیں۔ غالباً عہد حاضرہ کے معاشرتی مسائل کا فلسفیانہ فہم و ادراک بھی وقت کی اہم ترین ضرورت نہیں۔ ہمیں معلم بھی چاہئے اور پیغمبر بھی۔ ہمیں آج رسکن (۳)

---

Ruskin-۳ Introduction to Sociology-۲ Prof. Macxenzie-۱

یا کارلائل یا ٹالسٹائی(۱) جیسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ جو ضمیر کو زیادہ متشدد اور سخت گیر بنانے اور فرائض کے دائرے کو زیادہ وسیع کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ غالباً ہمیں ایک نئے مسیح کی ضرورت ہے...... یہ قول صحیح ہے کہ عہد حاضرہ کے پیغمبر کو محض "بیابان کی صدا" نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ عہد حاضرہ کے "بیابان" آباد شہروں کے گلی کوچے ہیں۔ جہاں ترقی کی مسلسل و پیہم جدو جہد کا بازار گرم ہے۔ اس عہد کے پیغمبر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس ہنگامہ زار میں وعظ و تبلیغ کرے۔

غالباً ہمیں پیغمبر سے بھی زیادہ عہد نو کے شاعر کی ضرورت ہے' یا ایک ایسے شخص کا وجود ہمارے لئے مفید ثابت ہو گا جو شاعری اور پیغمبری کی دو گونہ صفات سے متصف ہو۔ عہد ماضی کے شاعروں نے ہمیں فطرت سے محبت کرنے کی تعلیم دی ہے۔ انہوں نے ہمیں اس قدر ژرف نگاہ بنا دیا ہے۔ کہ ہم مظاہر فطرت میں انوار ربانی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم ابھی ایک شاعر کے منتظر ہیں جو ہمیں اسی وضاحت کے ساتھ پیکر انسانی میں صفات الٰہی کے جلوے دکھا دے۔ ہامنے نے از راہ تفنن اپنے آپ کو "روح القدس" کا سپاہی کہا تھا۔ ہمیں ایسے شخص کی ضرورت ہے جو در حقیقت روح القدس کا سپاہی ہو۔ جو اس حقیقت پر ہماری آنکھیں کھول دے کہ ہمارے بلند ترین نصب العین روز مرہ کی زندگی میں پورے ہو رہے ہیں اور اگر اس زندگی کو ترقی دینے کی سعی کی جائے۔ تو ہمیں محض راہبانہ ریاضت اور نفس کشی ہی کا موقع نہیں ملے گا بلکہ ایسا ارفع و اعلیٰ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ جو تمام خیالات تمام جذبات اور تمام مسرتوں کو ترقی کے بلند مقام پر پہنچا سکتا ہے"۔

انگریزوں کو چاہئے کہ اس نوع کے خیالات کی روشنی میں انسان کامل کے متعلق میرے افکار کا مطالعہ کریں۔ ہمارے عہد نامے اور پنچایتیں جنگ و پیکار کو صفحۂ حیات سے محو نہیں کر سکتیں۔ کوئی بلند مرتبہ شخصیت ہی ان مصائب کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ اور اس شعر میں میں نے اسی کو مخاطب کیا ہے۔

باز در عالم بیا را یام صلح جنگ جویاں را بدہ پیغام صلح

---

Tolstoy-۱

(۲) مسٹر ڈکنسن نے آگے چل کر میرے "فلسفۂ سخت کوشی" کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس باب میں جو کچھ فرمایا ہے۔ اس کا مدار علیہ وہ خیالات ہیں جو میں نے حقیقت کے متعلق اپنی نظموں میں ظاہر کئے ہیں۔ میرے عقیدے میں حقیقت ایسے اجزا کا مجموعہ ہے۔ جو تصادم کے واسطہ سے ربط و امتزاج پیدا کر کے "کُل" کی صورت میں تبدیلی کی سعی کر رہے ہیں۔ اور یہ تصادم لامحالہ ان کی شیرازہ بندی اور ارتباط پر منتج ہوگا۔ در اصل بقائے شخصی اور زندگی کے علو و ارتقاء کیلئے تصادم نہایت ضروری ہے۔ نطشے بقائے شخصی کا منکر ہے۔ جو لوگ حصول بقاء کے آرزومند ہیں وہ ان سے بیدردی سے کہتا ہے۔ "کیا تم ہمیشہ کیلئے زمانے کی پشت کا بوجھ بنے رہنا چاہتے ہو" اس کے قلم سے یہ الفاظ اس لئے نکلے ہیں کہ زمانے کے متعلق اس کا تصور غلط تھا۔ اس نے کبھی مسئلہ زمان کے اخلاقی پہلو کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ بخلاف اس کے میرے نزدیک بقاء انسان کی بلند ترین آرزو اور ایسی متاع گراں مایہ ہے جس کے حصول پر انسان کی اپنی تمام قوتیں مرکوز کر دینا چاہئیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں عمل کی تمام صور و اشکال مختلفہ کو جن میں تصادم و پیکار بھی شامل ہے ضروری سمجھتا ہوں۔ اور میرے نزدیک اُن سے انسان کو زیادہ استحکام و استقلال حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر میں نے سکون و جمود اور اس نوع کے تصوف کو جس کا دائرہ محض قیاس آرائیوں تک محدود ہو، مردود قرار دیا ہے۔

میں تصادم کو سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ اخلاقی حیثیت سے ضروری سمجھتا ہوں۔ حالانکہ اس باب میں نطشے کے خیالات کا مدار غالباً سیاست ہے۔ جدید طبیعات سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مادی قوت کے جزو لایتجزی نے ہزارہا سال تک ارتقائی مدارج طے کرنے کے بعد موجودہ صورت اختیار کی ہے پھر بھی وہ فانی ہے اور مٹا دیا جا سکتا ہے۔ قوت ذہنی جوہر یعنی ذاتِ بشر کی بھی یہی کیفیت ہے۔ صدہا برس کی مسلسل جدوجہد اور تصادم و پیکار کے بعد وہ موجودہ صورت تک پہنچا ہے۔ پھر بھی عوارض ذہنی کے مظاہر مختلفہ سے اس کی بے ثباتی اور عدم استحکام ظاہر ہے۔ اگر وہ بدستور قائم و باقی رہنا چاہتا ہے تو یقیناً وہ ماضی کے درسِ عبرت کو فراموش نہیں کر سکتا۔ اسے لامحالہ ان قوتوں سے اپنے قیام کی خاطر استمداد کرنی پڑے گی۔ جو آج تک اس کے استحکام کی ضامن رہی ہیں۔ ممکن ہے کہ فطرت کا ارتقاء ان قوتوں میں

اصلاح کر دے۔ یا ان میں سے بعض کو (مثلاً تصادم اور جنگ و پیکار کو جو استحکام کے قوی عوامل میں سے ہیں) جو اس کے ارتقاء کی کفیل بنی رہی ہیں بالکل مٹا دے۔ اور اس کے استحکام و بقاء کی خاطر بعض ایسی قوتیں عرصۂ شہود میں لے آئے جن سے انسان آج تک نا آشنا رہا ہے۔ لیکن میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اس باب میں کسی نصب العین کا پرستار نہیں ہوں۔ اس لئے میرے نزدیک اس نوع کے انقلاب کا زمانہ ابھی بہت دور ہے۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ یورپ کی جنگ عظیم میں انسان کی بصیرت و موعظت کا جو سرمایہ پنہاں ہے وہ اس سے عرصۂ دراز تک متمتع نہ ہو سکے گا۔

ان سطور سے واضح ہو گیا ہے کہ میں نے محض اخلاقی زاویۂ نگاہ سے تصادم و پیکار کو ضروری قرار دیا ہے۔ افسوس کہ مسٹر ڈکنسن نے "فلسفۂ سخت کوشی" کے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے۔

(۳) مسٹر ڈکنسن نے آگے چل کر میرے فلسفے کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے اعتبار سے عالمگیر ہے۔ لیکن باعتبار اطلاق و انطباق مخصوص و محدود۔ ایک حیثیت سے ان کا ارشاد صحیح ہے۔ انسانیت کا نصب العین شعراء اور فلسفہ میں عالمگیر حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ لیکن اگر اسے مؤثر نصب العین بنانا اور عملی زندگی میں بروئے کار لانا چاہیں تو آپ شاعروں اور فلسفیوں کو اپنا مخاطب اولین نہیں ٹھہرائیں گے اور ایک ایسی مخصوص سوسائٹی تک اپنا دائرۂ مخاطبت محدود کر دیں گے جو ایک مستقل عقیدہ اور معین راہ عمل رکھتی ہو۔ لیکن اپنے عملی نمونے اور ترغیب و تبلیغ سے ہمیشہ اپنا دائرہ وسیع کرتی چلی جائے۔ میرے نزدیک اس قسم کی سوسائٹی اسلام ہے۔

اسلام ہمیشہ رنگ و نسل کے عقیدے کا جو انسانیت کے نصب العین کی راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں ہے۔ نہایت کامیاب حریف رہا ہے۔ رینان کا یہ خیال غلط ہے کہ سائنس اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اور مسلمان عالمگیر اخوّت کے نصب العین کو نظر انداز کر کے اس عقیدے کے فریب میں مبتلا ہو رہے ہیں جو قومیت کو ملک و وطن کی حدود میں مقید رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لیے میں ایک مسلمان اور ہمدرد بنی نوع انسان کی حیثیت سے انہیں یہ یاد دلانا مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کا حقیقی فرض سارے بنی آدم کی

نشوو ارتقاء ہے نسل اور حدود ملک کی بنیاد پر قبائل اور اقوام کی تنظیم حیاتِ اجتماعی کی ترقی اور تربیت کا ایک وقتی اور عارضی پہلو ہے اگر اسے یہی حیثیت دی جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن میں اس چیز کا سخت مخالف ہوں کہ اسے انسانی قوت عمل کا مظہر اتم قرار دیا جائے۔ کیونکہ تنہا یہی جماعت میرے مقاصد کیلئے موزوں واقع ہوئی ہے۔ مسٹر ڈکنسن کا یہ خیال بھی تسامح سے خالی نہیں کہ اسلامی تعلیمات کی روح کسی خاص گروہ سے مختص ہے اسلام تو کائنات انسانیت کے اتحاد عمومی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے تمام جزوی اختلافات سے قطع نظر کرلیتا ہے قرآن کہتا ہے۔

تعالوا الی کلمة سوآء بیننا و بینکم (۱)

میرے خیال میں مسٹر ڈکنسن کا ذہن ابھی تک یورپ والوں کے اس قدیم عقیدے سے آزاد نہیں ہوا کہ اسلام سفاکی اور خونریزی کا درس دیتا ہے۔ دراصل خدا کی ارضی بادشاہت صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ تمام انسان اس میں داخل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ نسل اور قومیت کے بتوں کی پرستش ترک کر دیں اور ایک دوسرے کی شخصیت تسلیم کرلیں۔ انجمنیں، حکم برداریاں اس قسم کے عہدنامے جن کا ذکر مسٹر کینز (۲) نے کیا ہے ملوکیت خواہ وہ جمہوریت کی ہی قبا میں پوشیدہ کیوں نہ ہو انسان کی فوزو فلاح سے آشنا نہیں کر سکتی۔ بلکہ انسانی فلاح تمام انسانوں کی مکمل مساوات اور حریت میں پنہاں ہے۔ آج ہمیں اس چیز کی ضرورت ہے کہ سائنس کا محل استعمال قطعی طور پر بدل دیا جائے۔ ان خفیہ سیاسی منصوبوں سے قطعاً احتراز کیا جائے جن کا مقصد بھی یہ ہے کہ کمزور و زبوں حال یا ایسی اقوام جو عیاری اور حیلہ گری کے فن میں چنداں مہارت نہیں رکھتیں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائیں۔ مجھے اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مسلمان بھی دوسری قوموں کی طرح جنگ کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے بھی فتوحات کی ہیں۔ مجھے اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ ان کے بعض قافلہ سالار ذاتی خواہشات کو دین و مذہب کے لباس میں جلوہ گر کرتے رہے

---

۱۔ ترجمہ: اس کلمہ کی طرف آؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔

۲-Keynes

لیکن مجھے پوری طرح یقین ہے کہ کشور کشائی اور ملک گیری ابتداً اسلام کے مقاصد میں داخل نہیں تھی۔

اسلام کو جہاں ستانی اور کشور کشائی میں جو کامیابی ہوئی ہے میرے نزدیک وہ اس کے مقاصد کے حق میں بے حد مضر تھی۔ اس طرح وہ اقتصادی اور جمہوری اصول نشوونما نہ پا سکے۔ جن کا ذکر قرآن کریم اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جا بجا آیا ہے۔ بلا شبہ مسلمانوں نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی۔ لیکن ساتھ ہی ان کے سیاسی نصب العین پر غیر اسلامی رنگ چڑھ گیا۔ اور انہوں نے اس حقیقت کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں کہ اسلامی اصولوں کی گہرائی کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔

بلا شبہ اسلام کا مقصد انجذاب ہے مگر انجذاب کے لئے کشور کشائی درکار نہیں بلکہ صرف اسلام کی سیدھی سادی تعلیم جو الہیات کے دقیق اور پیچیدہ مسائل سے پاک اور عقل انسانی کے عین مطابق واقع ہوئی ہے۔ اس عقدہ کی گرہ کشائی کر سکتی ہے۔ اسلام کی فطرت میں ایسے اوصاف پنہاں ہیں جن کی بدولت وہ کامیابی کے بام بلند پر پہنچ سکتا ہے۔ ذرا چین کے حالات پر نظر ڈالئے۔ جہاں کسی سیاسی قوت کی پشت پناہی کے بغیر اسلام کے تبلیغی مشن نے غیر معمولی کامیابی حاصل کر لی اور لاکھوں انسان اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے! میں بیس سال سے دنیا کے افکار کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اس طویل عرصے نے مجھ میں اس قدر صلاحیت پیدا کر دی ہے کہ حالات و واقعات پر غیر جانبدارانہ حیثیت سے غور کر سکوں۔

میری فارسی نظموں کا مقصود اسلام کی وکالت نہیں۔ بلکہ میری قوت طلب و جستجو تو صرف اس چیز پر مرکوز رہی ہے کہ ایک جدید معاشری نظام تلاش کیا جائے اور عقلاً یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کوشش میں ایک ایسے معاشری نظام سے قطع نظر کر لیا جائے۔ جس کا بیّن مقصد وحید ذات پات رتبہ و درجہ، رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو مٹا دینا ہے۔ اسلام دنیوی معاملات کے باب میں نہایت ژرف نگاہ بھی ہے اور پھر انسان میں بے نفسی اور دنیوی لذائذ و نعم کے ایثار کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے۔ اور حسن معاملت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے ہمسایوں کے بارے میں اس قسم کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ یورپ اس گنج گراں مایہ سے محروم ہے۔ اور یہ متاع اسے ہمارے ہی فیض صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے۔

میں اس بارے میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے اسرار خودی پر چند تشریحی نوٹ لکھے تھے جنہیں آپ نے دیباچہ اسرار میں شامل کر لیا ہے۔ ان تفسیری حواشی میں میں نے مغربی مفکرین کے افکار و عقائد کی روشنی میں اپنی حیثیت حتمی طور پر واضح کی ہے۔ یہ طریق محض اس لئے اختیار کیا گیا تھا۔ تاکہ انگلستان کے لوگ میرے خیالات بآسانی سمجھ لیں۔ ورنہ قرآن حکیم، صوفیائے کرام اور مسلمان فلسفیوں کے افکار سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے مثلاً ابن عربی اور عراقی (وحدت الوجود) واحد محمود (کثرت وجود) الجیلی (انسان کامل کا تصور) اور مجدد سرہندیؒ (ذات بشر بہ تعلق ذات حق) چنانچہ میں نے اسرار کے پہلے ایڈیشن میں بزبان اردو جو دیباچہ لکھا ہے اس میں یہی طریق استدلال اختیار کیا گیا ہے۔

میرا دعویٰ ہے کہ "اسرار" کا فلسفہ صوفیا اور حکما کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے۔ اور تو اور وقت کے متعلق برگسان کا عقیدہ بھی ہمارے صوفیوں کے لئے نئی چیز نہیں۔ قرآن الہیات کی کتاب نہیں۔ بلکہ اس میں انسان کی معاش و معاد کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے پوری قطعیت سے کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا تعلق الہیات کے ہی مسائل سے ہے۔ عہد جدید کا ایک مسلمان اہل علم جب ان مسائل کو مذہبی تجربات اور افکار کی روشنی میں بیان کرتا ہے جس کا مبداء اور سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ جدید افکار کو قدیم لباس میں پیش کیا جارہا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ پرانے حقائق کو جدید افکار کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے اہل مغرب اسلامی فلسفے کی تعلیم سے ناآشنائے محض ہیں۔ اے کاش مجھے اس قدر فرصت ہوتی کہ میں اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب لکھ کر مغربی فلسفیوں کو اس حقیقت سے روشناس کر دیتا کہ دنیا کی مختلف قوموں کے فلسفیانہ خیالات ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہیں(۱)۔

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

---

۱۔ کلیات مکاتیب اقبال، جلد دوم، مرتبہ: سید مظفر حسین برنی۔

## خط پر تبصرہ

اس مکتوب میں علامہ نے ایسی متعدد غلطیوں کا ازالہ کر دیا ہے۔ جو ان کے شارحین اور معتقدین نے پھیلا رکھی تھیں اور آج بھی پھیلاتے چلے جا رہے ہیں۔

۱۔ اقبال نے جہاں جہاں شوکت و قوت کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد روح القدس کی طاقت ہے۔

۲۔ اس خط میں آپ نے صاف الفاظ میں واضح کر دیا کہ جہاد اور جنگ کی ہر صورت قابل مذمت ہے اور اس کے خاتمہ کے لئے ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔

۳۔ اقبال مسائل کے حل کے لئے امام حاضر Living Personality کی ضرورت پر زور دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلاف کی رہنمائی اور تعبیر و تشریح عہد حاضر کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں کوئی مدد نہیں دیتی۔

۴۔ آپ کہتے ہیں کہ ہمیں پیغمبروں نیز کارلائل رسکن اور ٹالسٹائی جیسے معلمین کی ضرورت ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اقبال کا پسندیدہ معلم ٹالسٹائی حضرت بہاء اللہ کا معتقد و ارادت مند تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

We spend our lives trying to unlock the mistry of the Universe, but there was a turkish prisoner, Baha'ullah, in Akka, palestina, who had the key (1).

۵۔ اقبال لکھتے ہیں۔ ہمیں نیا مسیح چاہئے۔ ایسا مسیح جو گلوب کا آدمی (Man of the world) ہو اس کی تعلیمات نوع انسانی کو متحد کرنے والی ہوں وہ محض صحرا نشین نہ ہو۔

۶۔ اقبال ایسے مظہر ظہور کی ضرورت محسوس کرتے تھے جو انسانی ھیکل میں خدا کا ظہور (Divine in the Human) ہو۔

---

1. Martha Root, Herold of the Kingdom. P.374.

۷- اقبال نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ پیکار یا کشمکش حیات سے ان کی مراد سیاسی ' اقتصادی یا اقتدار کی جنگ نہیں۔ بلکہ اس سے مراد ترقی بشر کے لئے اخلاقی 'علمی اور پر امن سعی و کوشش ہے۔

۸- اقبال فرماتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے وکیل نہیں۔ وہ تو نوع انسانی کے محبّ اور بہی خواہ (Lover of all mankind) ہیں ' اور نتیجۃً ان کا پیغام بھی نسل انسانی کے لئے ہے۔

۹- وہ فرماتے ہیں کہ بادشاہت خداوندی (Kingdom of God) کا وعدہ فقط مسلمانوں کے لئے ہی نہیں ہے۔ یہ وعدہ تو تمام اقوام عالم کے لئے ہے۔

ان توضیحات کو پڑھنے کے بعد آپ اگر بہائی تعلیمات کا مطالعہ فرمائیں تو آپ مان جائیں گے کہ یہ سارے افکار و نظریات وہی ہیں جو امر بہائی نے پیش کئے ہیں اور اہل بہاء دنیا بھر میں انہی اعلیٰ مقاصد کے حصول کیلئے جدو جہد کر رہے ہیں۔

آپ غیر جانبدار اور منصف محقق ہیں تو آپ کو یہ باور کرنے میں دیر نہیں لگے گی کہ اقبال نوع انسانی کا شاعر ہے۔ جو لوگ اسے شاعر پاکستان' شاعر مشرق یا شاعر اسلام سمجھتے ہیں وہ دریا کو قطرہ اور صحرا کو ذرہ بنانے کی سعی نامشکور کرتے ہیں۔

اقبال نے مسلمان امت کے احیاء کا پیغام ضرور دیا ہے لیکن چونکہ مسلمان امت بھی ایک عالمی انسانی خاندان کا ہی حصہ ہے لہذا اس پیغام سے اقبال کی شخصیت محدود نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ان کا کلام کسی خاص قوم کے لئے رہ جاتا ہے۔ آپ کا پیغام عمومی ہے اور آپ پوری انسانیت کے شاعر ہیں۔

# باب یازدھم

## چند مماثلتیں

# چند مماثلتیں

تعلیمات بہائی اور فکر اقبال میں چند مماثلتوں اور مشابہتوں کو دکھا کر ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اقبال نے امر بہائی کا مطالعہ کیا تھا اور دوسرے یہ کہ چونکہ وہ حضرت بہاء اللہ کی حیات طیبہ کا دور تھا اس لئے ذھن اقبال پر باطنی وروحانی اثرات مرتب ہوئے تھے۔

## تحری حقیقت

امر بہائی کی پہلی تعلیم تحری حقیقت ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں...... فلسفہ کی روح ہے آزادانہ تحقیق۔ وہ ہر ایسی بات کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتا ہے جس کی بناادعا اور تحکم پر ہو۔ اس کا منصب یہ ہے کہ فکر انسانی نے جو مفروضات بلاجرح و تنقید قبول کر رکھے ہیں ان کے مخفی گوشوں کا سراغ لگائے(۱)۔

یہ آزادانہ تحری حقیقت کی پہلی تعلیم ہے جو امر بہائی کے بانی حضرت بہاء اللہ نے پیش کی ہے۔ اقبال کا دور تجلی الہی کا دور تھا۔ خدا کی سب سے پہلی وحی ۲۳ مئی ۱۸۴۴ء کی رات کو حضرت سید علی محمد باب پر نازل ہوئی اور یوں آسمان وحی والہام کا در وا ہو گیا۔ حضرت بہاء اللہ پر اولین وحی خداوندی طہران کے سیاہ چال میں ۱۸۵۲ء میں نازل ہوئی اور پھر ۱۸۹۲ء سال صعود تک کلام الہی آپ پر نازل ہوتا رہا۔ ۱۸۹۲ء میں آپ کے فرزند حضرت عبد البہاء آپ کے جانشین مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں حضرت شوقی آفندی ولایت امر اللہ کے تخت پر رونق افروز ہوئے۔

## پیغمبرانہ فضا

علامہ اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ یاد رہے کہ "بہاء" کے عدد ۹ ہیں۔ اور یہ عجیب راز ہے کہ اقبال ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو فوت ہوئے۔ یعنی اس روز جب اس سے

---

۱۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ۔

۷۵ سال پہلے (۱۸۶۳ء میں) حضرت بہاء اللہ نے بغداد میں اپنے موعود کل ادیان ہونے کا اعلان فرمایا تھا۔ دنیا بھر کے اہل بہاء اس دن عید رضوان مناتے ہیں۔ لگتا ہے کہ اس طرح اقبال اپنے تولد سے لے کر وفات تک اسم اعظم (بہاء اللہ) کی حمایت میں رہے اور اسی برکت سے آپ کو شہرت و عزت نصیب ہوئی۔ علامہ اقبال نے حضرت بہاء اللہ، حضرت عبدالبہاء اور حضرت شوقی آفندی کا مبارک زمانہ پایا تھا۔ غالباً وہ اسی لئے ایسی ایسی پیغمبرانہ اصطلاحات استعمال کرتے ہیں جو اردو کیا فارسی میں بھی کسی شاعر کو اس سے پہلے ہرگز نہ سوجھی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی شاعری، فارسی اور اردو کی سابقہ روائتی شاعری سے قطعاً مختلف ہے۔ اقبال اپنے کلام میں عہد بنی اسرائیل اور اسلام کی تلمیحات استعمال کرتے ہیں مثلاً تجلی، اسرافیل، جبرئیل، اسماعیل، داؤد، سلیمان، مہدی، طور، کلیم، سینا، موسیٰ، نیل، ابراہیم، عیسیٰ، مریم، وحی، الہام، روح القدس، خضر، حضرت محمد، تورات، قرآن، زرتشت، گوتم، کرشنا، باب، بہاء اللہ۔ اقبال کے کلام میں مذہبی تقدس کے مقامات کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ مثلاً مکہ، مدینہ، کربلا، نجف، یثرب، بطحا، فاران، خراسان، بغداد، کنعان، شیراز، شام، عجم نیز آپ نے ان موضوعات پر نظم و نثر میں قلم اٹھایا ہے۔ انسان، ایمان، تقدیر، توحید، جنت، خدا، خورشید، دل، رسالت، روح، زندگی، عشق، عقل، علم، فرشتہ، فقر، قیامت، موت، نفس وغیرہ۔ اقبال کی کتابوں کے نام بھی روحانی تقدس کے حامل ہیں۔ مثلاً بال جبریل، ضرب کلیم، زبور عجم، ارمغان حجاز وغیرہ۔

## الواح

حضرت بہاء اللہ نے اپنی الہامی تحریروں کو الواح کا نام دیا ہے جو دور اسلام میں نئی اصطلاح ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی تحریر کو لوح کہا ہے۔ ڈاکٹر چغتائی کی روایت ہے کہ اقبال نے "الواح اربعہ" لکھی تھیں۔ چغتائی لکھتے ہیں: حضرت علامہ اقبال نے فرمایا کہ ایک مقام پر میں نے چار الوح لکھی ہیں۔ لوح بدھ، لوح مسیح، لوح زرتشت، لوح محمد(۱)۔

---

۱۔ اقبال کی صحبت میں۔

لوح (جمع الواح)۔ بابی-بہائی اصطلاح ہے۔ حضرت باب اور بہاء اللہ نے اپنے بعض صحیفوں کو لوح کا نام دیا ہے۔

حضرت باب اور حضرت بہاء اللہ پر اترنے والے عربی و فارسی کلام کے لئے رسالہ' صحیفہ" خطبہ" کتاب' سورہ' توقیع اور لوح کے نام مقرر ہیں۔

حضرت بہاء اللہ کی مشہور الواح کے نام یہ ہیں۔ لوح احمد' لوح ملاح القدس' لوح غلام الخلد' لوح بلبل فراق' لوح ایوب' لوح ھودج' لوح روح' لوح شفا' لوح لیلۃ القدس' لوح سیاح' لوح اشرف' لوح سلطان' لوح قلم' لوح اعرابی' لوح ابراہیم' لوح سلیمان' لوح رئیس' لوح فواد' لوح نپولین سوم' لوح پوپ' لوح احتراق' لوح احباب' لوح ہفت پرسش' لوح طب' لوح حسین' لوح رضوان' لوح حکمت' لوح ورقاء، لوح بقاء' لوح اتحاد' لوح دنیا' لوح مقصود' لوح کرمل' لوح ابن ذئب' لوح مریم وغیرہ۔ ان الواح مبارکہ کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں(۱)۔

اقبال اپنی شاعری میں ایک پیغمبرانہ فضاء پیدا کر دیتے ہیں اور آدمی کو مادیات سے نکال کر ایک خالص روحانی و ذہنی دنیا میں پہنچا دیتے ہیں۔

## موت وحیات

قوموں کی موت وحیات کے بارے میں بہائی نظریہ یہ ہے کہ ہر امت آغاز' شباب اور شیب کے مراحل سے گزر کر مر جاتی ہے اور اس کی اجل آجاتی ہے۔ قرآن نے یہی نظریہ پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ لکل امۃٍ اجل (اعراف) لکل اجل کتاب (رعد) لکل اجل رسول (یونس)۔

امتوں کی اجل سے متعلق اقبال کا عقیدہ بھی یہی تھا:

"...... فرمایا قومیں پیدا ہوتی ہیں اور مر جاتی ہیں۔ یہ ایک آسان سی بات ہے جو سمجھ میں آجاتی ہے لیکن بعض صورتوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ قوم کی ہستی تو قائم رہتی ہے لیکن

---

۱-دیکھئے :الواح مبارکہ کا تعارف (مولفہ طاہرہ آفاقی)۔

بظاہر یوں نظر آتا ہے جیسے اس کا وجود ختم ہو گیا۔ حالانکہ صورت یہ ہوتی ہے کہ بہ سبب زوال وانحطاط اس کے قوائے علم و عمل مردہ ہو جاتے ہیں۔ قرآن پاک نے اس حالت کو بھی موت سے تعبیر کیا ہے۔...... فرمایا یاد رکھو دنیا کی کوئی قوم اپنا اصول قومیت چھوڑ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ موت جب ہی وارد ہوتی ہے جب قومیں اپنے اصول زندگی سے منحرف ہو جائیں"(۱)۔

بہائی اصطلاح میں اس روحانی موت کو قیامت کہا گیا ہے۔ اقبال مانتے ہیں کہ قومیں زندگی، موت اور پھر زندگی اور موت سے دوچار ہوتی رہتی ہیں۔ زندگی کا راستہ گویا "موت در موت" سے گذرتا ہے۔

اقبال نے ۱۹۳۲ء میں اندلس کی مسجد قرطبہ میں حاضری دی تھی۔ ہم نے اس کتاب میں کسی جگہ پہلے اشارہ کر دیا ہے کہ اقبال مسلمانوں کے علمی و ادبی اور ثقافتی کارناموں پر بجا طور پر فخر کرتے ہیں۔ مگر ان کے حال سے مایوس اور مستقبل سے ناامید تھے۔ آپ نئے زمانے اور نئی قوم کے ظہور کا خواب دیکھ رہے تھے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اقبال "مسجد قرطبہ" میں تین بڑے تمدنی و سیاسی انقلابات کا حوالہ دیتے ہیں۔ جرمنی میں لوتھر کی تحریک جدت و اصلاح جس نے پوپ کی عصمت اور کلیسا کی عظمت کا نقش دلوں سے مٹا دیا۔ لوتھر کے آزادانہ خیالات نے یورپ کو قدیم فکر و فلسفہ کی تقلید سے آزاد کیا۔ اور یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا آغاز کیا۔ جس نے زندگی کے ساکن و راکد سمندر میں نئی لہر پیدا کر دی۔ روسو اور والٹیر کی قیادت میں انقلاب فرانس نے صنعتی دور کو جنم دیا اور پھر قدیم رومانے نئے انقلاب کی منزل میں قدم رکھا۔

یہ تینوں انقلابات ماضی کے جادو سے نکل کر برپا اور کامیاب ہوئے تھے۔ اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ اقبال نئے آسمانی نظام کو قبول کر کے آگے بڑھنے کی بات کرتے ہیں۔

---

۱۔ اقبال کے حضور، ص ۹۷۔

مذکورہ نظم میں "آذان" کا لفظ انہوں نے بطور علامت استعمال کیا ہے۔ جس سے مراد نیا نظام اور نیا فلسفہ ہے۔ آپ آب وادی الکبیر کو مخاطب کر کے دراصل سمجھانا یہ چاہتے ہیں کہ قوموں کی زندگی اور ان کا نظام موجوں کی طرح رواں دواں رہتا ہے اور یہ موجیں کبھی پیچھے لوٹ کر نہیں جاتیں۔ یہ روانی دراصل نشان حیات ہے۔

موج ز خود رفتہ؛ تیز خرامید و گفت

هستم اگر میروم گر نروم نیستم

اقبال کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں کو جدید نظم و آئین میں برپا ہو کر آگے بڑھنا چاہئے۔ ان کو یقین تھا کہ مسلمان قوم بالآخر ایسا ہی کرے گی۔ کیونکہ یہ راز خدائی سنت اللہ ہے۔ اور سنت اللہ کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اس بحر کی تہہ سے کیا اچھلے گا؟ یہ بات اقبال نے "خوف فساد خلق" سے صاف صاف تو نہیں بتائی۔ تاہم یہ اشارہ ضرور کرتے ہیں۔

آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی

دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

"عالم نو" ہے ابھی پردۂ تقدیر میں

میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے نقاب

یہ "عالم نو" مصلحین و مجددین کی تحریکوں سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ "عالم نو" کی ایجاد فرستادگان خداوندی ہی کی مرہون منت ہوتی ہے۔ وہی نوع انسانی کی کایا پلٹ کرتے ہیں اور قوموں کو دوبارہ زندگی عطا کرتے ہیں۔ اگر پیغمبران عظام کے علاوہ دوسرے لوگ کسی مردہ قوم کو نشاۃ ثانیہ کی راہ دکھا کر اسے دوبارہ بام عروج تک پہنچانے کی اہلیت واختیار رکھتے ہوتے تو پھر آدم کے بعد آج تک دنیا میں کوئی آسمانی ہدایت نہ آتی۔ ان کے شعراء، حکماء، عرفاء، علماء اور امراء اپنی اپنی قوموں کا احیا کرتے رہتے۔ مگر تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ جو پیڑ سوکھ گیا اسے سات سمندروں کا پانی بھی دوبارہ ہرا نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کے تخم سے نیا پودا اگتا ہے۔ قوموں کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔

## وقت

بہائی علم کلام میں وقت کی بڑی اہمیت ہے۔ وقت کی ضرورتیں ہی متقاضی ہوتی ہیں تو خداوند مہربان کی طرف سے نیا آئین اترتا ہے۔

اقبال اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہتے ہیں :

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات

سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات

خدا کی ذات ابدی کے علاوہ کائنات کی ہر چیز معرض تغیر میں ہے۔ فرد، قوم، دین، ثقافت، ہنر، صحیفہ، سلطنت، روایات ہر چیز بے ثبات اور فانی ہے۔

اقبال نظم "زمانہ" میں کہتے ہیں۔

ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رسم و راہ میری

کسی کا راکب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ

خدا کی ذات بابرکات اور اسکا عشق جس کا ظہور وہ اپنے مظہر کے ذریعے کرتا ہے اصل حیات اور فاتح ممات بن جاتا ہے۔ وقت راکب (سوار) بھی ہے اور مرکب (سواری) بھی ہے۔ جو قوم بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ نہیں بدلتی زمانہ (وقت) اس کے لئے عبرت کا تازیانہ بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وحی اور جدید آئین کا تعلق کسی خاص قوم یا ملک سے نہیں ہوتا بلکہ وہ جب چاہے اور جہاں چاہے مظہر ظہور کو مبعوث کر دے۔ طور و سینا اور مکہ و عکا میں اسی کے جلوے نمایاں ہیں۔

وہ حسن حقیقی آتا ہے اور جلوہ نور دکھاتا ہے

ہاں طور بدلتے رہتے ہیں فاران بدلتے رہتے ہیں

(علمی)

خدا تعالیٰ کا مظہر ظہور اس کائنات میں اس کا مظہر عشق ہوتا ہے۔ یہ پیکر عشق پرانے نظاموں کو مٹا کر ان کی جگہ امن و محبت کی نئی بساط بچھا دیتا ہے۔ اس لئے عشق بیک۔

وقت نار بھی ہوتا ہے اور نور بھی

عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات

اقبال مندرجہ ذیل شعر میں "مرد سپاہی" کے استعارے میں حضرت مسیح کی آمد ثانی کا مژدہ سناتے ہیں۔

مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لاالہ سایۂ شمشیر میں اسکی پنہ لاالہ

اس ضمن میں ہم ماہر اقبالیات پروفیسر اسلوب احمد انصاری کے مقالہ "مسجد قرطبہ" سے یہ دلچسپ اقتباس نقل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"......ازمنہ وسطی کے انگریزی ادب میں "سپاہی" کا لفظ حضرت عیسیٰ کے لئے ایک تشبیہہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ جس سے راہ حق کی جستجو کرنا لذات دنیوی سے اجتناب کی راہ دکھا کر شر پر تسلط حاصل کرنا اور کلمہ ربانی کا قائم کرنا مراد لیا گیا ہے اقبال کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثالی انسان خالق تقدیر بھی ہے اور اپنی کائنات کا آفرینندہ بھی۔ "لاالہ" سے اشارہ وحدانیت محض میں یقین سے ہے۔ گویا اس یقین کی بدولت انسان کی تخلیقی قوتیں بھرپور طریقے پر بروئے کار آتی ہیں۔ وہ "لا" سے "الا" کی طرف بڑھتا ہے(۱)۔

## قیامت

بہائی علم کلام میں قیامت فنائے عالم کا نام نہیں بلکہ مظہر ظہور کی بعثت سے اس کی وفات تک کا زمانہ ہے۔ حضرت بہاء اللہ کے قیام سے نئی قیامت برپا ہوئی۔ اقبال قیامت سے متعلق یہی نظریہ پیش کرتے ہیں۔

نداند کشتۂ این عصر بے سوز

قیامت ہا کہ در "قد قامت" اوست

اس شعر میں حدیث نبویؐ کی طرف اشارہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اذا قام القائم فقد قامت القیامہ جب قائم آل محمد (مہدی) قیام کریں گے تو قیامت قائم ہو جائے گی۔

---

۱- نگار پاکستان جولائی ۱۹۹۴ء۔

سخن ز نامه و میزان دراز تر گفتی

بحیرتم که نه بینی قیامت موجود

اقبال اپنے زمانے کو قیامت کہتے تھے :

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے!

پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

اقبال "زمان" (Time) کو موت و حیات قرار دیتے ہیں۔

من حیاتم من مماتم من نشور

من حساب و دوزخ و فردوس و حور

حضرت باب کی مثال قمر کی اور حضرت بہاء اللہ کی مثال آفتاب کی سی ہے دوسری مثال ہم شمع اور خورشید کی دے سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار میں علامہ استمرار ظہورات الٰہیہ کا ابدی قانون بیان کرتے ہیں۔ آخری بند میں مرزا غالب کا شعر نقل کر کے حضرت باب کی شہادت اور حضرت بہاء اللہ۔ کے ظہور کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

زندگی جوئے روان است و رواں خواهد بود

ایں مے کہنہ جوان است و جواں خواهد بود

آنچه بود است و نباید ز میاں خواهد رفت

آنچه " بایست و نبود " است ہماں خواهد بود

عشق از لذت دیدار سراپا نظر است

حسن مشتاق نمود است و عیاں خواهد بود

" مژدۂ صبح " دریں تیره شبانم دادند

" شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند " (۱)

---

۱-کلیات اقبال فارسی۔

## وحدت ادیان

حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں کہ تمام ادیان کے ساتھ معاشرت اور میل جول رکھو۔ اقبال بھی صلح عمومی اور اتحاد ادیان کے قائل اور رواداری و عدم تشدد کے حامی تھے۔ کہتے ہیں:

فرقی نہ نہد عاشق در کعبه و بت خانه
این جلوت جانانه آں خلوت جانانه

-------

حرف بد را بر لب آوردن خطاست
کافر و مومن همه خلق خداست
آدمیت احترام آدمی
با خبر شو از مقام آدمی
بنده عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

## ارتقاء

اقبال طے کئے ہوئے راستہ پر دوبارہ چلنے کو تیار نہ تھے وہ پرانے کسی دینی نظام کو عہد حاضر کے لئے ناکافی سمجھتے تھے۔

نکنم دگر نگاهے به رہے که طے نمودم
بسراغ ''صبح فردا'' روش زمانه دارم

-------

کهنه در شکن و باز به تعمیر خرام
هر که در ورطهٔ ''لا'' ماند به ''الاّ'' نرسید

------

مذہب زندہ دلاں خواب و پریشانی نیست

از ہمین ''خاک جہان'' دگرے ساختن است

------

حکمتش برتر ز عقل ذوفنون

از خمیرش ''امتّی'' آید برون

-------

باش مانند خلیل اللّٰہ مست

ہر ''کہن بت خانہ'' را باید شکست

عالمے در سینۂ ما گم ہنوز

''عالمے'' در ''انتظار قم'' ہنوز

-------

اقبال کچھ عرصہ کے لئے امیدوار رہے کہ ترکی کی تجدد پسندی شاید عالم اسلام کے مسائل کا حل تلاش کرلے گی۔ لیکن آخرکار اس سے بھی مایوس ہوگئے۔ اس مایوسی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں :

ترک را آہنگ نو در چنگ نیست

قازہ اش جز کہنۂ افرنگ نیست

تجدید واحیائے اسلام کے حوالے سے اقبال ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' میں لکھتے ہیں۔ ''ایک مصنف نے کیا خوب کہا ہے کہ تاریخ کا فیصلہ ہے کہ جن فرسودہ خیالات کو خود کسی قوم نے فرسودہ کردیا ان کی تجدید اس قوم میں نہیں ہوسکتی''(۱)۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ اقبال ۱۹۰۲ء کے بعد بہائی تعلیمات سے آشنا ہوئے چنانچہ اس کا انعکاس ان کے کلام میں صاف نظر آتا ہے۔ وہ تمدنی لحاظ سے سادہ زندگی کو پسند کرتے تھے لیکن فکری اور روحانی طور پر انسان کو پیچھے کی طرف نہیں آگے

---

۱- تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۳۳۔

کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ زمانہ لوٹ کر پیچھے نہیں جاسکتا اور کسی قدیم مذہب یا ثقافت کا احیأ ممکن نہیں ہے۔ فرماتے ہیں :

زیر گردوں رجعت او ناروا است

چوں ز پا افتاد قومی بر نخاست

ملّتی چون مُرد کم خیزد ز قبر

چارهٔ او چیست غیر از قبر و صبر(۱)

------

اقبال کے یہ اشعار بھی دیکھئے :

محفل نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ

رنگ پر جو اب نہ آئیں ان فسانوں کو نہ چھیڑ

-------

زندہ پھر وہ محفل دیرینہ ہو سکتی نہیں

شمع سے روشن شب دوشینہ ہو سکتی نہیں

------

چیست آئین جہان رنگ و بو     جز که آب رفته می ناید بجو

بہائی تعلیم یہ ہے کہ آج ہر طرح کی مذہبی و سیاسی جنگ کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ دین کو محبت اور ہم آہنگی کا ذریعہ بننا چاہئے۔ اقبال اسی نظریے کے مبلغ نظر آتے ہیں۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

اقبال امر بہائی کے پیغام صلح و محبت اور امن عالم سے کہاں تک متفق تھے اس ضمن میں معروف خاور شناس پروفیسر این میری شمل کی رائے بحد وقیع اور اہم ہے۔ این میری شمل نے ۱۹۸۴ء میں میک گیلی یونیورسٹی میں ہونے والے سیمینار جس میں ایک مقالہ پیش کیا تھا جس کا عنوان تھا۔"Iqbal and the Babi and Bahaism" جس میں

------------------------

۱- جاوید نامہ، ص ۱۹۱۔

آپ لکھتی ہیں۔

"...... یہ ناممکن ہے کہ آدمی ایسی مشابہتوں سے دوچار نہ ہو جو اقبال کے آخری عمر کے فلسفہ میں اور ان بنیادی نظریات میں پائی جاتی ہیں جنہیں وہ بہائی ازم کا جوہر قرار دیتے ہیں۔ خاص طور سے تصور محبت کے حوالے سے جو زندگی کا اصل جوہر ہے......" (۱) اس لئے میں کہتا ہوں کہ علامہ اقبال عمر کے آخری آٹھ برسوں میں کئی نظریات کو خیرباد کہہ کر امر بہائی کے نزدیک آگئے تھے۔ اس مراجعت کی ایک دلیل یہ ہے کہ انہوں نے ایک اردو نظم کا عنوان "بہاء اللہ" رکھا تھا لیکن جب وہ امر بہائی کے بانی کی تعلیمات اور مشن کو اچھی طرح سمجھ گئے تو آپ نے نظم کا نام تبدیل کر کے "جہاد" رکھ دیا۔ یہ نظم ضرب کلیم میں شامل ہے اور اس کا مخاطب اب کوئی اور ہی شخص معلوم ہوتا ہے۔

## ترک تعصّبات

حضرت بہاء اللہ نے نسلی، وطنی، لسانی، جنسی، سیاسی اور مذہبی تعصّبات کے خاتمہ کا حکم دیا ہے۔ اور نوع انسانی کو ایک عالمگیر تعلیم توحید پر متحد کر دیا۔ اقبال نے اس تعلیم کی روشنی میں ہر قسم کے تعصّبات کے خلاف آواز اٹھائی۔

جو کرے گا امتیاز رنگ و بو مٹ جائے گا　　ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر

حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں:

"بگو ای دوستان سرا پرده یگانگی بلند شد بچشم بیگانگان یکدیگر را مبینید همه باریك دارید و برگ یك شاخسار" (۲)۔

اقبال نے ایک جگہ اسی مطلب کو نظم کیا ہے اور نظم میں "یک شاخسار" کی ترکیب عیناً برتی ہے۔

نه افغانیم و نے ترك و تتاریم　　چمن زادیم و از یك شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است　　که ما پروردۀ یك نو بهاریم (۳)

---

۱- ... ھ اینڈ اسلام۔　۲-دریای دانش، ص ۸۔　۳-کلیات اقبال فارسی۔

## طہران کی عظمت

حضرت بہاء اللہ ۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء کو ایران کے پایہ تخت طہران میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی۔ طہران نے آپ کے محل تولد ہونے کی وجہ سے عالم گیر شہرت پائی اور دنیا بھر کے اہل بہاء اس شہر کو بے حد احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ حضرت بہاء اللہ شہر طہران کی عظمت اور اس کے مستقبل کے بارے میں کتاب ''الاقدس'' میں فرماتے ہیں: (ترجمہ)۔

''اے طہران کی زمین! کسی چیز سے مغموم نہ ہو اللہ نے تجھے سب جہانوں کا مطلع فرح بنایا ہے۔ جب خدا چاہے گا تو تیرے تخت کو ایسے وجود سے بابرکت بنائے گا جو عدل کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور خدا کی ان بھیڑوں کو اکٹھا کرے گا۔ جو بھیڑیوں کے ڈر سے پراگندہ ہو گئی ہیں۔ وہ اہل بہاء سے مسرت و شادمانی سے ملے گا۔ بیشک وہ خدا کے نزدیک مخلوق کا جوہر ہو گا۔ اس پر ہر گھڑی خدا اور ملکوت الامر والوں کی طرف سے بہاء ہو۔ تو خوش ہو کہ اللہ نے تجھے افق نور بنایا۔ کیونکہ تجھ میں مطلع ظہور پیدا ہوا اور اسے وہ نام دیا گیا جس کے ذریعے سے آفتاب فضل چمک اٹھا اور آسمان و زمین روشن ہو گئے۔ عن قریب تیرے سارے امور میں انقلاب آجائے گا اور تجھ پر جمہور کی حکومت ہو گی۔ یقیناً تیرا رب جاننے والا اور احاطہ کرنے والا ہے۔ اپنے رب کے فضل پر مطمئن رہ کیونکہ تجھ سے الطاف کی نظریں منقطع نہ ہوں گی۔ اضطراب کے بعد تجھے اطمینان حاصل ہو گا۔ کتاب بدیع میں اسی طرح فیصلہ کیا گیا ہے''(۱)۔

اقبال نے ''طہران'' کے بارے میں اس بشارت آسمانی کا حوالہ اپنی نظم ''جمعیت اقوام مشرق'' میں دیا ہے: سوچنا یہ ہے کہ اقبال نے مکہ و مدینہ کی بجائے طہران کو اہمیت کیوں دی؟

طہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے (۲)

حضرت بہاء اللہ نے ''لوح طا'' میں ''سلطان عادل'' کے ظہور کا وعدہ فرمایا ہے:

---

۱- الاقدس آیہ ۵-۱۰۲۔ ۲- ضرب کلیم، ص ۱۲۴۔

لو يشأ يبارك سريرك بالّذی يحكم بالعدل(۱)

اقبال اس کی بشارت دیتے ہوئے کہتے ہیں :

می رسد "مردی" که زنجیر غلامی بشکند

دیده ام از روزن دیوار زندان شما (۲)

## حجاب اکبر

معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے حضرت بہاء اللہ کے صحیفے "کتاب ایقان" کا مطالعہ کیا تھا۔ "کتاب ایقان" میں حضرت بہاء اللہ علم کو حجاب اکبر قرار دیتے ہیں۔

(ترجمہ) : "علم دو قسم کا ہے علم الہی اور علم شیطانی۔ وہ الہامات سلطان حقیقی سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ انفس ظلمانی کے تخیلات سے نمایاں۔ اس کا معلم حضرت باری ہے اور اُس کا معلم وساوس نفسانی۔ اس (علم) کا بیان اتقو اللّه علّمکم اللّه ہے۔ اور اس (علم) کا بیان العلم حجاب الاکبر۔ اس (علم الہی) کے شجر سے اثمار صبر، شوق عرفان اور محبت ہیں اور اس (علم شیطانی) کے درخت کے پھل کبر، غرور اور نخوت" (۳)۔

اقبال نے یہ مفہوم اس خوبصورت شعر میں بیان کیا ہے :

دانش حاضر حجاب اکبر است

بت پرست و بت فروش و بت گر است (۴)

## شاہباز

اقبال نے اپنے فارسی و اردو کلام میں شاہین، شہباز اور عقاب کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ مثلاً "ارمغان حجاز" کا یہ ترانہ ملاحظہ ہو :

دل خود را اسیر رنگ و بو کرد تهی از ذوق و شوق و آرزو کرد

صفیر شاهبازان کم شناسد که گوشش با طنین پشه خو کرد (۵)

---

۱- الاقدس آیہ ۱۰۵۔

۲- زبور عجم ص ۱۲۵۔

۳- کتاب ایقان، ص ۵۳۔

۴- کلیات اقبال فارسی۔

۵- ارمغان حجاز، ص ۳۲۔

اقبال نے شہباز (شاہین، عقاب) کا استعارہ سب سے پہلے کب استعمال کیا؟ میرے استفسار کے جواب میں معروف محقق ڈاکٹر وحید عشرت نے اسکی وضاحت اس طرح فرمائی ہے۔

"علامہ اقبال نے اردو میں "شاہین" کا لفظ پہلی بار اپنی نظم "محاصرہ ادرنہ" میں استعمال کیا ہے۔

ہر شے ہوئی ذخیرۂ لشکر میں منتقل    شاہیں گدائے دانۂ عصفور ہو گیا

یہ نظم "بانگ درا" کے صفحہ ۲۱۷ پر موجود ہے۔ "بانگ درا" میں جہاں یہ نظم ہے۔ اس کے اردگرد کی نظمیں ۱۹۱۲ء کی ہیں۔ محاصرہ اورنہ جنگ بلقان کے دور سے تعلق رکھتا ہے" (۱)۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاہباز کا استعارہ اقبال نے حضرت بہاء اللہ کی اس لوح سے لیا ہوگا۔ جہاں آپ فرماتے ہیں:

منم آنْ روشنائی که راه دیده بنمایم و منم شاهباز دست بی نیاز که پر بستگان را بگشایم و پرواز بیاموزم (۲)

ترجمہ: میں ہی وہ روشنی ہوں جو کہ دیکھی بھالی راہ دکھاتی ہے اور میں ہی خدا کے دست بے نیاز پر بیٹھا ہوا شہباز ہوں۔ سمٹے ہوئے پروں کو کھولتا ہوں اور پرواز سکھاتا ہوں۔ یاد رہے کہ ولی امر اللہ حضرت شوقی آفندی کو عقاب بے حد محبوب تھا اور انہوں نے اس پرندے کے قالب بنوا کر بہائی مقامات مقدسہ میں رکھوائے تھے۔ آپ کے مرقد منور کے اوپر عقاب کا ماڈل رکھا گیا ہے۔

## نظریۂ خودی

نظریہ خودی اقبال کا پسندیدہ نظریہ ہے۔ مگر اس کا ماخذ کیا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظریہ خودی آپ نے حضرتِ بہاء اللہ کے "کلمات مکنونہ" سے لیا ہوگا۔ اقبال کہتے ہیں کہ خودی تولید مقاصد کرتی ہے عشق و محبت سے دوام پاتی ہے اور سوال سے ضعیف ہوتی ہے۔

---

۱- مولف کے نام خط محررہ ۲۹ جون ۱۹۹۲ء۔    ۲- دریای دانش، ص ۷۔

از محبت می شود پاینده تر زنده تر سوزنده تر تا بنده تر

از سوال آشفته اجزائے خودی بے تجلی نخل سینائے خودی

حضرت بہاء اللہ کلمات مکنونہ (فارسی) میں عشق و محبت کا یوں بیان فرماتے ہیں۔

" ای دوست در روضه قلب جز گل عشق مکار و از ذیل بلبل حب و شوق دست مدار "۔(۱)

آپ تخلیق کا مقصد وصال حق بتاتے ہیں :

" ای پسر انصاف - کدام عاشق جز در وطن معشوق محل گیرد و کدام طالب که بی مطلوب راحت جوید۔ عاشق صادق را حیات در وصال است و موت در فراق "۔

آپ کلمات مکنونہ عربی میں خودی اور استغناء کے بارے میں اس طرح گویا ہوتے ہیں :

یا ابن الروح ! خلقتك غنياً كيف تفتقر و صنعتك عزيزاً بم تستذل و من جوهر العلم اظهر تك لم تستعلم عن دوني (۲).

شکوہ

"شکوہ" اور "جواب شکوہ" اقبال کا شاہکار مسدس مانا جاتا ہے "شکوہ" میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے گلہ کیا گیا ہے اور "جواب شکوہ" گویا خدا کی طرف سے جواب ہے جو اقبال نے اپنے الفاظ میں دیا ہے۔ یہ انداز اقبال نے حضرت بہاء اللہ کی مشہور لوح "لوح احتراق" سے لیا ہے۔ یہ عربی لوح ۱۸۷۱ء میں عکا میں نازل ہوئی۔ اس کا آہنگ شاعرانہ ہے اور یہ فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

لوح کے شروع میں ان مصائب کا ذکر ہے جو حضرت بہاء اللہ اسارت کے زمانے میں برداشت کر رہے تھے۔ دوسرے حصے میں خدا کی طرف سے مشکلات کو برداشت کرنے کی فضیلت و اہمیت بتائی گئی ہے۔

---

۱- کلمات مکنونہ ۲- ایضاً

## آفتاب حقیقت

حضرت بہاء اللہ کے لئے متعدد آسمانی القاب آئے ہیں ان میں ایک "آفتاب" بھی ہے چنانچہ چند الواح مبارکہ کے مندرجہ ذیل اقتباسات پیش ہیں۔

نفوسی که درطین ظنون و اوهام غرق اند قابل ادراك تجلیات انوار آفتاب حقیقت نبوده و نیستند(۱)۔

" امروز هر نفسی اراده نماید با آفتاب حقیقت که از افق سماء سخن اشراق نموده توجه کند باید قوه مدرکه را از قصص اُولیٰ مقدس نماید "(۲)۔

حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں :

و این روشنی که از آفتاب دانش هویدا گشت چون بتابید جنبش نخستین نمودار و آشکار شد (۳)۔

منم آفتاب بینش و دریای دانش پژمردگان را تازه نمایم و مردگان را زنده کنم (۴)۔

بگو امروز به پیروزی دانای یکتا آفتاب دانائی از پس پرده جان بر آمد(۵)۔

اقبال کہتے ہیں بطن گیتی نے تازہ آفتاب کو جنم دیا ہے۔ اب ڈوبے ہوئے تاروں اور مٹی ہوئی تہذیبوں کا ماتم کرنا چھوڑ دو۔

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

------

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی افق سے آفتاب ابھر آگیا دور گراں خوابی

اقبال نے "آفتاب" کا لفظ بطور استعارہ اپنے کلام میں برتا ہے۔ اور نوع انسانی کو

---

۱-لوح اشراقات، ص ۵۔ ۲-ایضاً ص ۵۔ ۳-دریای دانش، ص ۲۔

۴-ایضاً، ص ۷۔ ۳-ایضاً ص ۹۔

نئے انقلاب اور ارتقاء کی بشارت دی ہے :

## نئے آدم کا ظہور

لگتا ہے اقبال نے حضرت عبدالبہاء کے ان خطابات کا مطالعہ بھی کیا تھا جو آپ نے ۱۳-۱۹۱۱ء کے دوران یورپ اور امریکہ میں فرمائے تھے۔

اقبال "پیام مشرق" کے دیباچہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ "یورپ کی جنگ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے۔ اور اب تہذیب و تمدن کی خاکستر سے فطرت، زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لئے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے۔

البتہ امریکہ مغربی تہذیب کے عناصر میں ایک صحیح عنصر معلوم ہوتا ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ ملک قدیم روایات کی زنجیروں سے آزاد ہے اور اس کا اجتماعی وجدان نئے اثرات وافکار کو آسانی سے قبول کر سکتا ہے۔" (۱)

اب حضرت عبدالبہاء کے لیکچر کا اقتباس ملاحظہ ہو جو آپ نے اوہایو میں ۵ نومبر کو دیا تھا۔

"...... امریکہ ایک شریف قوم ہے جو عام دنیا کے لئے امن کی علم بردار ہے۔ ایالات امریکہ کی طرح دوسری قومیں ملکی ریشہ دوانیوں سے آزاد نہیں ہیں۔ اس لئے وہ امن کو نہیں لا سکتیں۔ جب امریکہ عالم گیر امن کا جھنڈا بلند کرے گا۔ تو باقی تمام دنیا پکار اٹھے گی کہ ہمیں منظور ہے" (۲)۔

میں نے اقبال کے ایک نظر انداز شدہ فکری زاویئے کا مطالعہ پیش کر دیا ہے۔ مدعا صرف یہ بتانا ہے کہ اقبال نئے امکانات کے قائل تھے وہ کائنات کو ناتمام سمجھتے تھے۔ نئی اقوام کے ظہور اور نئے قوانین خداوندی کی تکوین پر ایمان رکھتے تھے۔ آپ قوموں کے درمیان موت وحیات- اور پھر حیات وموت کے دائرہ کے قائل تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

---

۱- مقدمہ پیام مشرق۔ ۲- سٹار آف دی ویسٹ، ج ۲، ص ۸۱

ہماری تکوین کی صورت ہی یہ ہے کہ ہم وہ نہ رہیں جو ہیں زندگی کا راستہ گویا موت در موت سے گذرتا ہے۔ "Life is a passage through a series of death"(1)

اقبال کا کہنا ہے۔

گماں مبر که بپایاں رسید کار مغاں

هزار بادۂ ناخورده در رگ تاك است

---------

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید

کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون(۲)

امید ہے کہ ان اشارات کی روشنی میں اقبال کو سمجھنے اور سمجھانے والے اصحاب تحقیق و عرفان اقبال کو دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

## نیا شوالہ

اقبال نئے مظہر ظہور (انسان کامل) کے ذریعے نئے آئین و نظام کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ اور ایک نئے معبد کا خواب دیکھتے تھے۔ جس پر نہ دیر کی اجارہ داری نہ حرم کی۔ بلکہ ایک ایسا تیرتھ بنانا چاہتے تھے جو تعصّبات 'نفرت' گروہ بندی اور تنگ نظری سے اونچا ہو۔ جس کی بنیاد فقط محبت پر ہو۔ اقبال کے نزدیک دھرتی کے باسیوں کی نجات مختلف دھرموں اور رسموں میں نہیں بلکہ ایک ایسے عالم گیر دھرم میں ہے جو نسل انسانی کی وحدت سکھائے۔

اس تعارف کے بعد اب آپ اقبال کی نظم "نیا شوالہ" کا مطالعہ کیجئے جو مخزن کے شمارہ مارچ ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ نظم کا سال اشاعت ہم نے یہ بتانے کے لئے لکھا ہے کہ ان دنوں مرزا محمود زرقانی سے اقبال ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔

سچ کہہ دوں اے برہمن! گر تو برا نہ مانے تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے

---

۱- تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ' ص ۸۴- ۲-بال جبریل' ص ۲۳-

جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
واعظ کا وعظ چھوڑا، چھوڑے تیرے فسانے
تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
خاکِ وطن کا مجھکو ہر ذرہ دیوتا ہے
پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
بچھڑوں کو پھر ملادیں، نقش دوئی مٹادیں
آ، غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
آ، اک نیا شوالہ اس دیس میں بنادیں
سونی پڑی ہوئی ہے مدّت سے دل کی بستی
دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملادیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلادیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے(۱)

یاد رکھنا چاہئے کہ بہائی عبادت خانہ کا نام مشرق الاذکار ہے جو اقبال کا آئیڈل تیرتھ ہے۔ اس میں ہر دین کے پیروکاروں کو داخل ہونے اور عبادت کرنے کی پوری آزادی ہے۔ اقبال دینی تعصبات سے تنگ آچکے تھے وہ سب ادیان کی مشترک عبادت گاہ کو ''نیا شوالہ'' کا نام دیتے ہیں اور لوگوں کو اس کی تعمیر پر متوجہ کرتے ہیں۔

الحمدللہ کہ ''نیا شوالہ'' کی تعمیر کے بارے میں حضرت علامہ کا خواب پورا ہو چکا ہے اور اب دہلی میں یہ مشرق الاذکار تعمیر ہو چکا ہے۔ دنیا میں ایسے ۹ مشرق الاذکار تعمیر ہو چکے ہیں۔ مشرق الاذکار دھلی کنول کے پھول جیسا خوبصورت معبد ہے۔ جو ''بیسویں صدی کا تاج'' محل کہلاتا ہے۔ اسے دیکھنے کے لئے مشرق و مغرب سے جو شائقین آتے ہیں ان کی ماہانہ اوسط تعداد دو لاکھ ہے۔ تمام مذاہب کے پیروکار یہاں آکر اپنے اپنے طریقے سے عبادت کرتے اور روحانی مسرت کے موتیوں سے دامن بھر کر لوٹتے ہیں۔

''نیا شوالہ'' کا استعارہ اقبال نے ایک ایسے غیر متعصب اور عالم گیر نظام معاشرت کے لئے برتا ہے۔ جس میں سارے ادیان کے ماننے والے محبت اور امن و سکون کے ماحول میں زندگی بسر کریں۔ سبھی ایک دوسرے کی روایات کا احترام کریں۔ کوئی کسی کا دشمن نہ

---

۱۔بانگ درا، ص ۶۱۔

ہو۔ محبت و روحانیت اور خدمت کو سارے ہی اپنا شعار بنائیں۔ خدا' مظاہر ظہور اور آسمانی صحائف کی توحید پر ایمان رکھتے ہوں۔ یہ تعلیم حضرت بہاء اللہ نے دی ہے ارشاد ہے :

" عاشرو امع الادیان کلّھا بالروح و الریحان(۱)

## گُل لالہ

حضرت بہاء اللہ پر جہاں عربی و فارسی میں نثری کلام نازل ہوا۔ وہاں آپ نے عربی و فارسی میں شاعرانہ کلام بھی نازل فرمایا ہے۔ ابن فارض مصری کے معروف قصیدہ "تائیہ" کے تتبع میں آپ نے کوہ سلیمانہ میں قصیدہ کہا تھا جو عربی شاعری کا شہکار سمجھا جاتا ہے۔

فارسی میں "مثنوی جمال مبارک" اور قصیدہ "ساقی از غیب "بقا" قصیدہ شطّیہ' نظم "ہلہ ہلہ یا بشارت" اور قصیدہ "باز آو بدہ جامی" مشہور ہیں۔

"مثنوی جمال مبارک" استنبول میں ۱۸۶۳ء میں نازل ہوئی۔ ۳۱۸ اشعار کی یہ نظم مولانا رومی کی مثنوی معنوی کی بحر میں ہے۔ اس میں عرفانی مسائل بیان ہوئے ہیں۔

لاہور میں آنے والے ایرانی مبلغین جو شعر و ادب کا ذوق رکھتے تھے۔ یہ مثنوی خاص طور سے فارسی شاعری سے شغف رکھنے والے اصحاب کے سامنے سنایا کرتے تھے۔

جناب مرزا محمود زرقانی ۵-۱۹۰۲ء کے درمیان لاہور میں اقبال سے ملاقاتیں کرتے رہے ہیں یقین ہے کہ آپ نے یہ مثنوی جناب اقبال کو ضرور سنائی ہو گی اور شاید اس کا کوئی نسخہ ان کو دیا بھی ہو۔ کیونکہ اقبال نے اردو اور فارسی کلام میں اس مثنوی کے متعدد استعارے استعمال کئے ہیں۔

"گُل لالہ" کا استعارہ اقبال نے اسی مثنوی سے لیا ہے۔ ۱۹۰۵ء سے پہلے آپ نے یہ استعارہ نہیں برتا تھا۔

اس ضمن میں ہم عابد علی عابد کی یہ شہادت پیش کرتے ہیں۔

---

۱-دریای دانش' ص۸۸۔

".....اقبال کی تصانیف کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ بانگ درا حصہ اول میں یعنی ۱۹۰۵ء تک جو نظمیں کہی گئی ہیں ان میں "لالے" کا لفظ ایک بار بھی استعمال نہیں کیا گیا۔(۱)

اقبال سب سے پہلے "لالہ" کا استعارہ ۱۹۰۸ء میں لائے۔ ان کا یہ شعر دیکھئے:

چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا

مثنوی میں حضرت بہاء اللہ نے "لالہ" کا لفظ ان اشعار میں استعمال کیا ہے۔

آن بہاران لاله ها آرد برون و این بهاران ناله ها دارد کنون
لالهٔ توحید بین در این بهار سنبل تجرید بین از زلف یار (۲)

## بوئے پیرھن

اقبال نے "بوئے پیرھن" کی تلمیح بھی اسی مثنوی شریف سے مستعار لی ہے۔

حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں:

بوی پیراهن بوز از مصر جان سدرهٔ موسی نما اینجا عیان (۳)

اقبال کا شعر ہے:

نصیب خود ز بوی پیرهن گیر
به کنعان نگهت از مصر و یمن گیر (۴)

مختصر یہ کہ اقبال کے فکر اور کلام پر کلام الٰہی پوری طرح پر تو افگن ہے۔ ہم نے "مشتی نمونہ از خروار" کے مصداق چند مثالیں دے کر تحقیق کی نئی راہ دکھائی ہے۔ امید ہے کہ آنے والے محققین اس طرف توجہ دیں گے اور مزید مماثلتیں سامنے لائیں گے۔

---

۱۔ شعر اقبال ۲۔ آثار قلم اعلیٰ، ج ۳، ص ۱۶۵۔

۳۔ ایضاً، ص ۱۶۴۔ ۴۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۵۴۵۔

# کتاب کے ماخذ


## باب اوّل

| نام کتاب | مصنف | مقام اشاعت | سال اشاعت |
| --- | --- | --- | --- |
| ۱- کلیات غالب فارسی | غالب | لاہور | ۱۹۶۷ء |
| ۲- خاتون عجم | صابر آفاقی | لاہور | ۱۹۹۵ء |
| ۳- مثنوی ابر گہر بار | غالب | - | - |
| ۴- نوید جاوید | خسرو بمان | بمبئی | ۱۳۳۶ھ |
| ۵- مقالات سر سید حصہ اول | سر سید احمد خاں | لاہور | - |
| ۶- زندہ رود | ڈاکٹر جاوید اقبال | لاہور | ۱۹۸۳ء |
| ۷- سر سید اور اصلاح معاشرہ | شاہد حسین رزاقی | لاہور | - |
| ۸- مقالات سر سید حصہ اول | سر سید احمد خاں | لاہور | - |
| ۹- تشکیل جدید الہیات اسلامیہ<br>ترجمہ : نذیر نیازی | اقبال | لاہور | ۱۹۸۶ء |
| ۱۰- اسرار خودی | اقبال | لاہور | - |
| ۱۱- کلیات اقبال فارسی | اقبال | لاہور | - |

## باب سوم

| | | | |
| --- | --- | --- | --- |
| ۱- اقبالیات کی تلاش | عبد القوی دسنوی | لاہور | - |
| ۲- Immortals | Deepchand Khianra | Delhi | ۱۹۸۸ء |
| ۳- جواب لیکچر جناب قادیان | میرزا محمود زرقانی | نئی دہلی | ۱۹۴۶ء |
| ۴- آفتاب ظہور | محفوظ الحق علمی | (قلمی) | - |
| ۵- زمیندار | ظفر علی خاں | لاہور | ۱۵ اپریل ۱۹۲۴ء |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۶-بانگ درا | اقبال | لاہور | ۱۹۶۹ء |
| ۷-کلیات اقبال اردو | اقبال | لاہور | - |
| ۸-بال جبریل | اقبال | لاہور | ۱۹۶۳ء |
| Life of Iqbal Vol.II-9 | | لاہور | - |
| ۱۰-بہائی میگزین | مدیر: محفوظ الحق علمی | لاہور | جولائی ۱۹۶۸ء |
| ۱۱-دی بہائی فیتھ اینڈ اسلام | حشمت موید | کینیڈا | ۱۹۹۰ء |
| ۱۲-اقبال نامہ حصہ اول | شیخ عطاء اللہ | لاہور | ۱۹۴۴ء |
| ۱۳-نجم دری | ترجمہ: صابر آفاقی | کراچی | ۱۹۶۴ء |
| ۱۴-دیوان غالب اردو | غالب | لاہور | ۱۹۳۸ء |
| ۱۵-مقدمہ: حسین بن منصور حلاج | صابر آفاقی | لاہور | ۱۹۷۴ء |
| ۱۶-زمیندار | ظفر علی خاں | لاہور | ۵ مئی ۱۹۳۵ء |

## باب چہارم

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱-کتاب قیامت | محفوظ الحق علمی | کراچی | - |
| ۲-التصریح بماتو اتر فی نزول المسیح، مولانا انور شاہؒ کاشمیری، کراچی | | | - |
| ۳-سیرت سرور عالم | مولانا ابوالاعلی مودودیؒ | لاہور | - |
| ۴-بیان | حضرت علی محمد باب | طہران | - |
| ۵-کتاب مقدس (اردو) | - | لاہور | ۱۹۷۴ء |

## باب پنجم

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱-نجوم ہدایت | صابر آفاقی | کراچی | ۱۹۸۷ء |
| ۲-ماہنامہ بشارت | مدیر: محفوظ الحق علمی | کراچی | جنوری ۱۹۵۸ء |
| ۳-بہائی میگزین | ایضاً | لاہور | جولائی ۱۹۶۸ء |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۴-ملفوظات اقبال | ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی | لاہور | ۱۹۷۷ء |
| ۵-بشارت | | کراچی | جون ۱۹۵۲ء |
| ۶-جاوید نامہ | اقبال | لاہور | ۱۹۵۹ء |

## باب ششم

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱- پیسہ اخبار | - | لاہور | ۷ اگست ۱۹۰۴ء |
| ۲-لیکچر لاہور | مرزا غلام احمد | لاہور | ۱۹۰۴ء |
| ۳-خطبہ الہامیہ | ایضاً | - | - |
| ۴-پیسہ اخبار | - | لاہور | ۱۵ نومبر ۱۹۰۴ء |
| ۵-رجال اقبال | عبدالرؤف عروج | کراچی | ۱۹۸۸ء |
| ۶-مخزن | - | لاہور | مارچ ۱۹۰۸ء |
| ۷-مخزن | - | لاہور | اپریل ۱۹۰۸ء |
| ۸-بہائی میگزین | - | کراچی | مارچ ۱۹۷۰ء |
| ۹-بہائی میگزین | - | کراچی | جنوری ۱۹۶۹ء |
| ۱۰- سفرنامہ | خواجہ حسن نظامی | لاہور | ۱۹۹۴ء |
| ۱۱-بہائی میگزین | - | لاہور | جولائی ۱۹۶۸ء |

## باب ھفتم

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱- جشن اقبال | ڈاکٹر عبادت بریلوی | لاہور | ۱۹۷۷ء |
| ۲-سوانح سید علی محمد باب | ترجمہ: صابر آفاقی | لاہور | ۱۹۹۷ء |

## باب ہشتم


| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱-قیوم الاسماء (منتخبات آیات) | حضرت باب | امریکہ | ۱۹۸۴ء |
| ۲-امر و خلق ج ۲' | فاضل مازندرانی | طہران | - |
| ۳-تاریخ نبیل | نبیل زرندی | طہران | ۱۷ ابدیع |
| ۴-تاریخ کامل ایران | عبداللہ رازی | طہران | ۱۳۴۱ ہجری شمسی |
| ۵- History of Persian Literature ,Vol.III | E.G.Browne | | London |
| ۶-ظہور قائم آل محمد | ابو العباس رضوی | کراچی | - |
| ۷-بہائی میگزین | - | لاہور | ۱۹۷۵ء |
| ۸-کتاب مبین (مجموعہ الواح عربی) | حضرت بہاء اللہ | طہران | ۱۲۰ ابدیع |
| ۹-الاقدس | حضرت بہاء اللہ | لاہور | ۱۹۹۸ء |
| ۱۰-نشان آسمانی | مرزا غلام احمد | امرتسر | جون ۱۸۹۲ء |
| ۱۱-قادیانیت (مطالعہ و جائزہ) | مولانا ابوالحسن علی ندوی' کراچی | | ۱۳۷۸ھ |
| Life of Ahmad-۱۲ | A.R.Dard | لاہور | ۱۹۴۸ء |
| ۱۳-الحکم | | قادیان | ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۴ء |
| ۱۴-المعیار الصحیح لمعرفة المهدی و المسیح | سید مصطفےٰ رومی' دہلی | | ۱۹۴۷ء |
| ۱۵-الاشاعہ لاشراط الساعہ | الشریف البرزنجی | بیروت | ندارد ۰ |
| ۱۶-کتاب الابرار | شیخ الرئیس ابوالحسن میرزا ' بمبئی | | ۱۳۱۲ھ |
| ۱۷-دریای دانش | حضرت بہاء اللہ | دہلی | ۱۹۸۵ء |
| ۱۸-تقویم تاریخ امر | عبدالحمید اشراق خاوری | طہران | ۱۲۶ ابدیع |
| ۱۹-شذرات فکر اقبال | ڈاکٹر جاوید اقبال | لاہور | ۱۹۸۳ء |
| ۲۰-ضرب کلیم | اقبال | لاہور | ۱۹۶۳ء |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ٢١-زمیندار | - | لاہور | ٩نومبر١٩٢١ء |
| ٢٢-کلیات اقبال فارسی | اقبال | لاہور | - |
| ٢٣-لوح البشارات (مجموعہ الواح عربی) | حضرت بہاء اللہ | بلجیئم | ١٩٨٠ء |
| ٢٤-رسالہ سوال و جواب | | طہران | - |

## باب نہم

| | | | |
|---|---|---|---|
| ١-کلیات اقبال فارسی | - | لاہور | - |
| ٢-کلیات اقبال اردو | - | لاہور | - |

## باب دھم

| | | | |
|---|---|---|---|
| ١-کلیات مکاتیب اقبال ج ٢' | سید مظفر حسین برنی | لاہور | ١٩٨٩ء |
| BHAGAVAD Gita as it is-٢ | | دہلی | - |
| ٣-دل کی گیتا | خواجہ دل محمد | لاہور | - |
| ٤-اقبال نامہ حصہ اول - | شیخ عطاء اللہ | - | - |
| ٥-برکات اقبال | ڈاکٹر محمد ریاض | لاہور | ١٩٨٢ء |
| ٦-کلمات حضرت بہاء اللہ | حضرت بہاء اللہ | لاہور | - |
| ٧-اقبال اور امر بہائی | صابر آفاقی | مظفر آباد | ١٩٩٧ء |
| Letters of Iqbal -٨ | Bashir Ahmad Dar | لاہور | - |
| Martha Root, Herold of the Kingdom-٩ | Delhi | - | ١٩٨٣ء |
| ١٠-کوکب ہند | - | دہلی | ٢٤نومبر ١٩٢٧ء |

## مصنف کی دیگر تحقیقی تصانیف

۱۔ راج ترنگنی (۱۹۷۴)

۲۔ اقبال اور کشمیر (۱۹۷۷)

۳۔ بشارات ظہور (۱۹۸۵)

۴۔ نجوم ھدایت (۱۹۸۷)

۵۔ جلوۂ کشمیر (۱۹۸۸)

۶۔ عکسِ کشمیر (۱۹۹۱)

۷۔ خاتونِ عجم (۱۹۹۵)

۸۔ گوجری ادب (۱۹۸۵)

۹۔ ظہور مہدی و مسیح (۲۰۰۰)